مِنہاجُ العابدین اردو

PDFZilla - Unregistered

مصنف:- حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ - المتوفی

مترجم:- مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

محمد سعید اینڈ سنز تاجرانِ کتب
قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

منہاج العابدین اردو

مصنف

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا عابد الرحمن صدیقی، کاندھلوی

امام غزالیؒ کی سب سے آخری تصنیف جو آپ کی پوری زندگی کی تعلیمات

وارشادات کا خلاصہ اور تصوف کا نچوڑ ہے

ناشر

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ

دہلی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

قیمت

آٹھ روپے

مطبوعہ

یونین پریس دہلی

ناشر

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی

تقریب سعید

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اخلاق و تصوف کو جس تحقیق و تفصیل سے آپ نے پیش کیا کوئی اس سے زیادہ تو کیا معنی، اس کے برابر بھی نہیں لکھ سکا۔ آپ کی علمی شخصیت کا ہی یہ اثر تھا کہ ایک مدت تک آپ کی تصانیف یورپ میں مرکز التفات و نظر بنی رہیں اور ان پر کثرت سے کتابیں اور حواشی لکھے گئے۔ خاص طور پر فلسفہ اخلاق و تصوف سے یورپی قوموں نے زیادہ استفادہ کیا۔

منہاج العابدین جس کا پہلی مرتبہ اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں امام صاحبؒ کی معرکۃ الآرا اور آخری تصنیف ہے، دنیا و آخرت میں ایک انسان کو مشکلات کی جن پرپیچ گھاٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ منہاج العابدین ایسے لوگوں کی بڑے آسان اور دلنشین انداز میں رہنمائی کرتی ہے۔

معاش و معاد سے متعلق کوئی ایسا گوشہ نہیں جس پر امام صاحبؒ نے تفصیل سے بحث نہ فرمائی ہو۔ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے آپ محسوس کریں گے کہ حیات انسانی کی الجھی ہوئی گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جارہی ہیں۔

مولانا عابد الرحمٰن صاحب نے بڑی کاوش کے ساتھ عربی سے اردو کے سلیس و بامحاورہ قالب میں ڈھالا ہے۔

امید ہے کہ قارئین مستفیض ہو کر دعائے خیر میں یاد رکھیں گے۔

محمد سعید عفی عنہٗ

فہرست مضامین

منہاج العابدین اردو

مضمون	صفحہ
تقریظ	
مقدمۂ کتاب از مصنف	۱۷
مرحلۂ اوّل علم اور اس کی حاجت و ضرورت	۲۹
علم کو عبادت الٰہی پر دو طریقے سے تقدم حاصل ہے	۳۲
کون سے علم کو حاصل کرنا ضروری ہے اور کس کی عبادت کے موقع پر حاجت ہے	۳۶
مقام توبہ اور اس کی اہمیت	۴۲
توبہ کے معنی اور اس کی شرطیں	۴۴
گناہ سے نکلنے اور چھٹکارا حاصل کرنیکا طریقہ	۴۸
فصل	۵۰
فصل. گناہوں سے معافی مانگنے کا طریقہ	۵۳
مشکلات کی گھاٹی	۵۵
امر اول دنیا اور اس سے علیحدگی	۵۵
زہد فی الدنیا کے معنی اور اس کی حقیقت	۵۷
مرحلہ ثانی مخلوق	۶۳
عزلت اور تنہائی کا حکم اور اس کی مقدار	۷۰
دور فتن میں عالم کیلئے تنہائی اور عزلت کا حکم	۷۴

مضمون	صفحہ
تیسرا مرحلہ شیطانی	۸۴
کس طرح شیطان سے جنگ اور اسے مغلوب کرنا چاہئے۔	۸۴
وساوس اور خطرات کی اصلیت اور اس کی بنیاد	۸۶
خواطر اور وساوس کا فرق اور وجہ امتیاز	۸۹
شیطان کے مکر اور فریب اور اس کی تدابیر	۹۴
چوتھا مرحلہ نفس	۹۷
تمام برائیوں کی جڑ نفس ہے	۹۸
نفس کی اصلاح اور اس کا علاج	۹۹
تقویٰ اور اس کی خوبیاں	۱۰۱
تقویٰ کے معنی اور اس کے مراتب	۱۰۶
نفس میں تقویٰ کے استعمال کا طریقہ	۱۱۱
پہلی فصل آنکھ کا بیان	۱۱۲
دوسری فصل. کان کے امراض	۱۱۶
تیسری فصل. زبان اور اس کی اصلاح	۱۱۷
چوتھی فصل. قلب اور اس کی وابستگی	۱۲۳

مہلکات قلب اور اس کا علاج	۱۲۷	توکل کی حقیقت اور اس کا حکم اور بندہ	
امیدوں کی درازی اور ان کا علاج	۱۲۹	کو رزق کے معاملہ میں کن چیزوں کی حاجت ہے	۱۹۰
حسد کی برائیاں	۱۳۳	امر ثانی خطرات اور ان کا قصد اور ارادہ	۲۰۳
جلد بازی اور امور خیر میں بلندی حاصل	۱۳۶	تفویض کے معنی اور اس کا حکم	۲۰۴
کرنا۔		کن خطرات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف	
کبر	۱۳۸	معاملات کا سپرد کرنا واجب ہے	۲۰۶
مذکورہ بالا خصلتوں سے حفاظت اور		امر ثالث قضاء اور اس کے احکام	۲۱۱
چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ	۱۴۰	رضاء بالقضاء کے معنی اور اس کی حقیقت	۲۱۲
پانچویں فصل۔ پیٹ اور اس کی حفاظت	۱۴۶	امر رابع شدائد اور مصیبتیں	۲۱۴
کثرت اکل پر دس آفتوں کا انطباق	۱۴۸	فصل اس عظیم الشان گھاٹی کو بھی عبور	
حرام اور مشتبہ امور کا حکم اور اس کی تعریف	۱۵۳	کرنے کی حاجت ہے۔	۲۲۰
ظالم حاکموں سے ہدایا قبول کرنے کا حکم	۱۵۴	فصل امور بالا پر عجیب انداز میں تبصرہ	۲۲۶
تاجروں دوستوں اور احبابوں سے ہدایا	۱۵۶	اسباب اور ذرائع	۲۲۸
قبول کرنے کا بیان		تفویض کی وجوہات	۲۳۲
حلال اشیاء کا بیان اور اس کی مقدار	۱۵۹	رضاء بالقضاء کن وجوہ سے ضروری ہے	۲۳۴
فصل۔ دنیا مخلوق شیطان اور نفس کا		صبر اور اس کے اقسام	۲۳۶
عجیب طریقہ پر علاج	۱۶۴	فصل	۲۴۱
فصل۔ آنکھ زبان پیٹ اور قلب کی		پانچواں باب برانگیختہ کرنے والے امور	۲۴۵
اصلاح اور اس کی ترغیب	۱۷۲	خوف اور رجاء کے بغیر ہدایت ممکن ہے	۲۴۵
امید جلد بازی حسد اور کبر پر نظر ثانی	۱۷۶	خوف اور رجاء کی حقیقت اور اس کا حکم	۲۴۹
فصل	۱۷۹	فصل	۲۵۱
چوتھا باب عوارضات کا مرحلہ	۱۸۳	اصل اول یعنی رجاء اور خوف کے متعلق	
امر اول رزق اور نفس کا اس کی تلاش و جستجو کرنا	۱۸۳	حق تعالیٰ کا فرمان	۲۵۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اصل ثانی حق تعالیٰ کے افعال اور		فصل یعنی بندہ کی ذلت اور	
اس کے معاملات کا مظاہرہ	۲۵۶	اللہ العالمین کی عظمت کا مظاہرہ	۳۰۰
اصل ثالث آخرت کے تعلق اللہ تعالیٰ		فصل یعنی امور بالا پر عجیب انداز	
کے وعدے اور وعیدیں	۲۶۵	میں تبصرہ مذکورہ بالا بیماریوں کے خطرات	۳۰۲
موت	۲۶۵	فصل	۳۱۴
قبر اور موت کے بعد کی حالت	۲۶۷	ساتواں باب حمد اور شکر	۳۱۸
قیامت	۲۶۹	نعمتوں کی قسمیں	۳۲۵
جنت اور دوزخ	۲۷۰	حمد اور شکر کی حقیقت اس کے معانی	۳۲۱
فصل یعنی خوف اور رجا پیدا کرنے کا		اور احکام	
طریقہ	۲۷۶	شاکر افضل ہے یا صابر	۳۲۴
چھٹا باب برائیوں کی گھاٹی	۲۷۷	فصل نعمت کے قدرداں ہی مستحق ہیں	۳۲۶
ریا کی مصیبتیں	۲۷۸	نعمت ناقدروں سے چھین لی جاتی ہے	۳۳۰
اخلاص اور ریا کی حقیقت اُن کا حکم		فصل	۳۳۹
اور عمل میں اُن کا اثر	۲۸۱	فصل	۳۴۵
عجب کے معنی اور اس کی تاثیر و حکم	۲۸۸	اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے بعد بندہ کو	
فصل یعنی ریا اور عجب کی برائیاں	۲۹۱	چالیس قسم کی فضیلتیں عطا فرماتا ہے	۳۵۰

تقریظ

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی

سابق وزیر معارف (قلات)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد میں نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدیقی کاندھلوی مدرس وناظم کتب خانہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کے ترجمہ منہاج العابدین کا مختلف مقامات سے مطالعہ کیا۔ اصل کتاب امام حجۃ الاسلام غزالی کی تصنیف ہے جو ان کی تصنیفات میں سے ایک جامع مگر مختصر اور نہایت مفید کتاب ہے، روح شریعت اور اصلاح ظاہر وباطن کا لب لباب اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو اپنی اصلاح کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے لیکن اصل کتاب کا عربی میں ہونا عمومی استفادہ کے لئے مانع تھا۔

ترجمہ ہذا نے اس مانع کو دور کر دیا اب ہر اردو داں مسلمان اس کتاب کے انوار سے مستفید ہو سکتا ہے جہاں تک ترجمہ کی خوبی کا تعلق ہے تو تمام وہ خوبیاں جو ایک ترجمہ کے لئے ضروری ہیں وہ سب اس ترجمہ میں جمع ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مقصد کو نہایت دلنشین طریقہ سے شگفتہ اور صاف عبارت میں اس خوبی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے کہ اصل کتاب کی طرح دل پر اس کا اثر پڑتا ہے خداوند تعالےٰ مترجم موصوف کو جزائے خیر دے اور عام مسلمانوں کو توفیق عطا فرماتے کہ وہ اس ترجمہ سے مستفید ہوں۔

شمس الحق عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

امام محمد الغزالی!

مفکرین اسلام میں جتنی شہرت اور مقبولیت حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رح کو حاصل ہوئی ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ علماء کا ایک طبقہ انہیں اپنے عہد کا مجدد تسلیم کرتا ہے۔

ایک بلند پایہ عالم مفکر عظیم المرتبت اور زبردست مجتہد کی حیثیت سے ساری دنیا ان کی معترف ہے۔ امام صاحب کے افکار و نظریات نے جمہور اسلام کے دلوں پر ایسے اثرات پیدا کئے ہیں جن کی یادگار صدیوں تک قائم رہے گی۔ وہ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے اور اسلام پر ایک محققانہ نظر رکھتے تھے۔ ایک طرف جہاں علوم اسلامی پر ان کی وسعت نظر مسلم تھی، وہاں دوسری طرف ان کے فلسفی ہونے نے ایک انقلاب برپا کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی انہوں نے ہر دور اور ہر زمانہ میں خراج تحسین حاصل کیا۔ ان کے تعلیمانہ اصول اور معلمانہ قوانین کو عہد حاضر کے علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔

امام غزالی رح نے مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی پر انتہائی غور و فکر کی نظر ڈالی، انہیں سیاست و حکمت کی راہ دکھائی، علم اخلاق اور فلسفہ اخلاق کی عقلی و نقلی تشریحات پیش کیں جن کو عوام اور خواص ہر ایک نے قبول کیا۔ جدید علم کی بنیاد بھی انہیں کی رکھی ہوئی ہے۔ انہوں نے فلسفہ کی اصلاح کی، ابتدا میں یونانی فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا لیکن غور کے بعد ان نظریات کا جو اسلامی تعلیمات و عقائد کے خلاف تھے زبردست دلائل سے ان کا ابطال کیا۔ امام صاحب نے بڑی ہمت و جرأت سے کام لے کر جن نظریات کا شکار خود بڑے بڑے علماء امت

بھی ہو چکے تھے ان کی تردید کے لئے اپنی تحریر اور تقریر دونوں کو وقف کر دیا۔

بے عمل علماء اور گمراہ صوفیاء کے لئے ان کی تحریریں تازیانۂ عبرت تھیں اسی بناء پر ان پر کفر کے فتوے عائد کئے گئے ان کی تصانیف جلائی گئیں اور ہر طرف ان کی مخالفت کے بازار گرم کئے گئے لیکن مخالفین کی یہ کوششیں بیکار اور رائیگاں گئیں اور تھوڑے سے عرصہ میں امام صاحب ساری دنیائے اسلام کے محبوب ترین سمجھے جانے لگے اور مسلمانوں کے عقائد پر آپ کا رنگ غالب آگیا۔

امام غزالی قریۂ غزالہ ضلع طوس (ایران) میں ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۹ء کو پیدا ہوئے علامہ شبلی نے ابن خلکان کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صاحب ضلع طوس کے مقام ظاہران میں پیدا ہوئے اور غزالہ نام کا کوئی گاؤں طوس میں نہیں ہے چونکہ امام صاحب کے والد کاشتہ فروش تھے اور عربی میں غزل کے معنی کاتنے کے ہیں لہذا عربی نسبت کے قاعدہ کے مطابق ان کو غزالی کہا جاتا ہے — امام صاحب کا نام محمد کنیت ابو حامد لقب حجۃ الاسلام اور عرفیت غزالی ہے۔ امام صاحب کے خاندانی پیشہ کے ذکر میں یہی چیز بیان کرنا زیادہ موزوں ہوگی۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں اور اس سے پہلے مسلمانوں میں تعلیم اس قدر عام ہو گئی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ والے بھی تعلیم سے محروم نہیں تھے۔ یہاں تک کہ انہی پیشہ وروں میں سے ایسے ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے جن کو آج ہم امام اور علامہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ غرضیکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تعلیم کی بدولت خود پیشے ذلیل نہ رہے۔ بڑے بڑے علماء یہ پیشے اختیار کرتے تھے اور انہیں پیشوں کے انتساب سے ان کا نام لیا جاتا تھا۔

امام صاحب کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے اور صوفیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق تھا۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کی کوئی اولاد علم و فضل کے گہوارے میں تربیت پائے۔

جب وہ مرنے لگے تو انہوں نے امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا آپ کی وصیت کے بموجب ان کے دوست نے

امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی کی تعلیم و تربیت اپنی سرپرستی میں کی تکمیل تعلیم کے بعد امام غزالی نے نیشاپور کا رخ کیا۔

اور وہاں کے عظیم الشان مدرسہ نظامیہ میں امام الحرمین ابوالمعالی کے حلقۂ درس میں شرکت کی اپنی خداداد ذکاوت اور ذہانت کی بنا پر امام الحرمین کی نظر میں جلد ہی ممتاز بن گئے۔ وہاں فقہ حدیث علم کلام اور مقدمات فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اٹھائیس سال کی عمر میں علوم متداولہ میں کمال حاصل کر کے حلقۂ درس قائم کر چکے تھے۔

۴۷۸ھ میں امام الحرمین نے وفات پائی۔ ان کی وفات کے دن نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا ان کے شاگرد جو چار سو کے قریب تھے سب نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور سال بھر تک ان کے ماتم میں مصروف رہے۔

(الغزالی بحوالہ ابن خلکان)

امام غزالی نے جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے امام الحرمین ہی کی زندگی میں شہرت حاصل کر لی تھی اور صاحب تصانیف ہو گئے تھے یہاں تک کہ امام الحرمین ان پر ناز کیا کرتے تھے تاہم جب تک امام الحرمین زندہ رہے ان کی صحبت سے علیحدہ نہ ہوئے ــــ ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ اس وقت ان کا کوئی ہمسر نہ تھا اور ان کی عمر اس وقت کل ۲۸ سال کی تھی۔

اور اب آپ یہاں سے عسکر چلے گئے جہاں نظام الملک کا قیام تھا جو سلجوقی بادشاہ ملک شاہ کا وزیر اعظم تھا اور اپنی معارف پروری اور علم دوستی کے باعث ساری دنیا میں معزز سمجھا جاتا تھا اس نے امام صاحب کی بہت قدر و منزلت کی اور اپنے دربار میں متعدد علمی مباحثے کرائے جن میں امام صاحب کے مقابلہ میں اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور فلاسفروں نے حصہ لیا ان مباحث کی بنا پر نظام الملک کو ان کی علمیت کا صحیح اندازہ ہو گیا کہ آج دنیا میں اس پائے کا عالم انتہائی مشکل سے ملے گا۔ اس لئے اس نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی صدارت ۴۸۴ھ میں آپ کے سپرد کر دی۔ یہ مدرسہ اس عہد میں دنیا کی سب سے بڑی دینی درس گاہ تھا جہاں تمام مروجہ علوم و فنون کی اعلیٰ تربیت کا انتظام تھا۔ تھوڑے سے ہی

عصر میں آپ اپنے علم و کمال کی بدولت سلاطین سے زیادہ باثر بن گئے۔ امام صاحب کے حلقۂ درس میں تین سو طلباء کی جماعت ہوتی تھی اور بڑے بڑے علماء بھی شرکت کرتے تھے۔

چار سال تک درس و تدریس کا یہ سلسلہ جاری رہا لیکن تلاش حق کی جستجو باقی رہی اور یہ خلش اتنی بڑھی کہ دنیاوی جاہ و جلال کو ٹھکرا دیا اور اس معزز عہدہ سے استعفا دے کر بے سروسامانی کے ساتھ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکل کھڑے ہوئے اور ۴۹۸ھ تک پورے دس سال ادھر ادھر پھرتے رہے۔

بغداد سے دمشق گئے اور وہاں سے شام کا رخ کیا۔ دو سال گزار کر بیت المقدس کی راہ لی پھر حج کے لئے مکہ معظمہ پہنچے وہاں سے اہل و عیال کی یاد وطن لے گئی اور وطن پہنچ کر عزلت و تنہائی اختیار کر لی۔ اپنی سب سے بڑی اور بلند پایہ تصنیف احیاء العلوم اس دس سالہ سیاحت میں مکمل کی۔

امام صاحب کے دل میں تلاش حق کی ایسی خلش پیدا ہوئی کہ وہ رات دن اسی میں مصروف رہتے۔ انہوں نے خود نوشتہ سوانح المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ نظامیہ بغداد کی ملازمت کے بعد آخری چھ ماہ بڑی بے چینی سے گزرے۔ ایک طرف دنیاوی جاہ و جلال کی کشش تھی دوسری طرف حق کی جستجو کی لگن۔

نظامیہ کی صدر مدرسی اس دور میں سب سے بڑا اور معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر امام صاحب نے اچانک چھوڑ دیا اور فقر و افلاس کی زندگی اختیار کر لی۔

اسی زمانہ سے ان کی زندگی کا عہد زریں شروع ہو گیا جس میں انہوں نے ایک مجدد کی حیثیت اختیار کی اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے اسلامی تعلیمات کو منظر عام پر لانے کی مسلسل جد و جہد کی۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور دوسری بلند پایہ تقریباً ۷۲ تصانیف پیش کیں جن کی مقبولیت ان ہی کی زندگی میں ہو چکی تھی۔

امام غزالی اپنی سوانح میں خود تحریر فرماتے ہیں: بچپن سے پچاس برس کی عمر تک ظاہری، باطنی، فلسفی، متکلم اور ہر مذہب ہر ایک سے ملا۔ ان کے عقائد کا سراغ لگایا تحقیق کے شوق میں مختلف فرقوں کی کتابیں پڑھیں اور تلاش حق کا سلسلہ جاری رکھا۔

امام صاحب نے جو انقلابی اصلاحات پیش کیں ان کی مخالفت بھی بڑے زور شور سے ہوئی حکماء وصوفیاء نے بھی مخالفت کی اور فلاسفہ ومتکلمین نے بھی ایک زمانہ ایسا آیا کہ شدت مخالفت میں ان کی تصانیف جلائی گئیں لیکن آپ کی اصلاحات کی بنیاد حق پر تھی اس لئے دنیائے اسلام عام طور سے ان کے خیالات اور افکار سے متاثر ہوئی اور مسلمانوں کے عقائد پر امام صاحب کا رنگ غالب آگیا۔

۴۹۸ھ کے آخر میں گمراہانہ عقائد کا بہت زور ہو گیا با اقتدار حضرات میں باہمی اختلاف فلاسفہ اور متکلمین کی باہمی کی نوک جھونک کے اثرات ہی عام انسانوں پر پڑ رہے تھے۔

ان حالات نے امام صاحب کو بے چین کر دیا۔ اتفاق سے نظام الملک کا بیٹا فخر الملک وزارت عظمیٰ پر فائز تھا اس نے امام صاحب کو دعوت دی کہ وہ دوبارہ نظامیہ بغداد کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوں۔ امام صاحب نے بغداد کی بجائے نظامیہ نیشاپور کو پسند کیا اور ایک سال تک درس وتدریس وعظ ونصیحت میں مصروف رہے لیکن بدقسمتی سے سنہ ۵۰۰ھ میں فخر الملک شہید ہو گیا تو کچھ دنوں بعد امام صاحب نے بھی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور بدستور اپنے وطن میں سکونت اختیار کی ——— مگر شمع علم کے پروانوں کا ہجوم کم نہ ہوا مجبوراً حلقۂ درس بھی جاری رہا اور تزکیۂ نفس اور سلوک کے مراحل بھی طے ہوتے رہے اور یہ سلسلہ آخری وقت تک قائم رہا یہاں تک کہ دنیائے اسلام کا یہ آفتاب علم غروب ہو گیا انتقال کے واقعہ کو آپ کے بھائی امام احمد غزالی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ انتقال کے دن بعد نماز فجر آپ نے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے اپنا کفن منگوایا اس کو آنکھوں سے لگایا چوما اور رکھ دیا۔ پھر بلند آواز سے کہا آقا کا حکم سر آنکھوں پر اور لیٹ گئے۔ دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ دوشنبہ کے دن ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء کو پیش آیا۔

امام صاحب کے انتقال سے علمی دنیا میں بڑا تہلکہ مچ گیا ساری اسلامی دنیا میں ان کا سوگ منایا گیا شعراء نے رنج وغم کے جذبات کا اظہار کیا سلاطین نے ایک عرصہ تک

عالم کی کمی محسوس کی۔

امام صاحب کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی صرف پچپن برس دنیا میں گزار سکے مشیت ایزدی پوری ہو چکی تھی ورنہ امام صاحب کے ہاتھوں نہ معلوم دین کی کتنی خدمات انجام پاتیں۔

آپ سن شعور تک پہنچے اور تحصیل علم میں بیس سال گزارے پھر مسند درس وتدریس پر بیٹھے اور ساتھ ہی علوم وفنون کا مطالعہ شروع کیا ۳۴ سال کی عمر میں نظامیہ بغداد کے صدر مدرس ہوتے اور چار سال اس بلند پایہ عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں اس طرح کل سے پندرہ سال ایسے ملے جن میں انھوں نے اپنی مصلحانہ جدوجہد کی اور مجددانہ کارناموں کو پیش کیا اور درس وتدریس عبادات واشغال، تقاریر ومواعظ کے ساتھ ساتھ تقریباً بہتر کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں احیار العلوم جیسی بڑی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان کی ساری عمر پر لکھے ہوئے اوراق کو تقسیم کیا گیا تو ۱۶ صفحات یومیہ کا اوسط پڑتا ہے۔ خدا نے ان کو ایک بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائی —— امام صاحب نے جس بات کو حق سمجھا اس کو بلا کسی خوف وڈر کے ظاہر کیا انھوں نے گمراہ حلقوں کی دل کھول کر مذمت کی حالانکہ دنیائے اسلام میں بڑے بڑے فاضل علماء اور صوفیاء کی کثرت تھی۔ علوم وفنون کا عام چرچا تھا علماء میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو علانیہ کلمتہ الحق کہنے اور اشاعت دین میں مصروف تھا بعض کی جرآت حق اور بے خوفی سے بڑے بڑے سلاطین لرزہ براندام رہتے تھے تاہم اس دور میں علمی، اخلاقی اور دینی اصلاحات کی قیادت امام صاحب کے ہاتھ میں رہی۔

(طبقات الشافعیہ جلد چہارم صفحہ ۱۰۱)

تصوف کی ابتداء اور اس کی حقیقت اور امام صاحب کا فن تصوف میں مقام

تصوف کی ابتداء گو قرن اول ہی سے ہو چکی تھی مگر امام غزالی کے زمانہ تک جو

اس کی حالت بھی وہ تفصیل ذیل سے نمایاں اور ظاہر ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک صحابۂ کرام کے علاوہ اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا سلسلہ چلا اس کے بعد بزرگان دین کو عابد و زاہد کے ساتھ موسوم کیا جانے لگا مگر اس چیز کا دعویٰ ہر ایک فرقہ اور جماعت کو تھا اس لئے اہل سنت والجماعت میں خاص حضرات کو صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

صوفی کا لقب سب پہلے ابو ہاشم صوفی کو ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

لفظ صوفی کے اشتقاق کے متعلق یہ احتمال زیادہ قوی ہو سکتا تھا کہ لفظ صوف سے مشتق ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس جماعت کی کوئی خصوصیت نہیں۔

تصوف کی حقیقت کے متعلق حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کا در سنبھال لیا ہے۔

اور جنید بغدادی فرماتے ہیں جس کا جینا مرنا محض خدا کے لئے ہو۔ غرضکہ ہر ایک بزرگ نے اپنے مذاق کے مطابق تصوف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کر دی بعض نے زہد و فقر و تصوف تینوں کو خلط کر دیا ہے مگر حقیقۃً تصوف ابتدا میں صرف زہد و عبادت تھا جس قدر زہد بڑھتا گیا اوصاف روحانی اس میں پیدا ہوتے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف رفتہ رفتہ بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا۔

امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع رسالہ امام قشیری کا تھا۔ مگر اس رسالہ میں کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی۔ امام غزالی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے علمی شکل میں اس فن کو مرتب کیا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: سب سے پہلے امام صاحب نے تصوف کو علمی حیثیت سے مدون کیا امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے چنانچہ ورع اور تقویٰ کے احکام لکھنے کے ساتھ ساتھ ارباب حال کے طریقے اور آداب بتاتے اور ان کی اصطلاحات کی تشریح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے یہ صرف عبادت ہی تک موقوف تھا۔

امام صاحب نے تصوف کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے کہ یہ شریعت کی دو چیزوں سے مرکب ہے علم و عمل لیکن صرف فرق اتنا ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل ہوتا ہے اور تصوف میں عمل کے بعد علم کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام غزالی سے پہلے جو تصوف پر کتابیں تالیف کی گئیں ان میں اخلاق کا ذکر ہے مگر اصطلاح اور حد و حقیقت نہیں بیان کی گئی جس سے اشتباہ کی شکلیں سامنے آجاتی ہیں مگر امام صاحب نے احیاء العلوم میں ایک ایک پر مستقل عنوان قائم کیا اور اس کی وضاحت کی اور بہت کوشش کے ساتھ ہر ایک کی ایسی حقیقت بیان کی کہ آج تک اس پر اضافہ نہ ہو سکا اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے تصوف کو فن بنا دیا۔

اسی فن کے متعلق امام صاحب کی سب سے آخری تصنیف یہ منہاج العابدین ہے جس کے متعلق آپ کے شاگرد نے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ امام صاحب کی تصانیف میں سب سے آخری تصنیف ہے اور ایسی کتاب ہے جس کا امام صاحب نے اپنے خصوصی احباب کے علاوہ کسی اور کو املا نہیں فرمایا۔

منہاج العابدین کے متعلق کیا لکھا جا سکتا ہے حقیقۃً یہ منہاج العابدین الی الجنۃ ہے جس کا پڑھنے والا خود اس کے مطالعہ کے بعد اس کے اسرار و عجائب پر مطلع ہو سکتا ہے۔ اس کی خوبی اگر خود امام صاحب کی زبانی ہی تحریر کر دوں تو زیادہ موزوں ہوگا۔

فرماتے ہیں:۔

"کہ میں نے انسانوں کی مشکلات اور پست ہمتوں کو دیکھتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کی کہ مجھے کوئی ایسی کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے جس پر عوام کا اجتماع ہو جائے اور اس کے پڑھنے سے فیض حاصل ہو۔

سو مجھے اس ذات سے جواب مل گیا جو کہ مضطر کی اس کی پکار کے وقت سنتا ہے اور مجھے اپنے فضل سے اس کے اسرار پر

مطلع کر دیا اور ایسی عجیب ترتیب کا القا فرمایا جو میں نے اپنی
ان سابقہ تصانیف میں جو کہ علوم دین کے حقائق پر مشتمل ہیں
نہیں ذکر کی۔"

غرضکہ امام غزالیؒ نے آخرت کے راستہ پر چلنے کے متعلق جو بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو وہ بحمداللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور مترجم بھی اللہ کے فضل و کرم سے اس کے ترجمہ سے فارغ ہو گیا اللہ تعالیٰ اشرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

عابد الرحمٰن صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ فقیہ صالح زاہد عبداللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میرے شیخ اعظم زاہد سعید موفق حجۃ الاسلام زین الدین شرف الامۃ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو مقدس فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مراتب سے سرفرازی بخشے) نے اس مختصر کتاب کو میرے سامنے نقل کیا۔ یہ امام کی آخری تصنیف ہے اور ایسی کتاب ہے کہ جس کا امام نے اپنے خصوصی اصحاب کے علاوہ کسی اور کو اظہار نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

مقدمۂ کتاب

تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لئے ثابت ہیں جو کہ ملک حکیم، جواد کریم، عزیز رحیم ہے جس نے انسان کو احسن تقویم کے ساتھ پیدا فرمایا اور آسمان اور زمینوں کو اپنی قدرت سے بنایا اور دنیا و آخرت میں اپنی حکمت کے ساتھ احکامات کو نافذ فرمایا اور انسان و جنات کو صرف اپنی ہی عبادت کے لئے پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ارادہ کرنے والوں کے لئے ظاہر ابد دیکھنے والوں کیلئے اس پر روشن دلیل موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے راہ کرتا اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے ——— اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے اور تمام رسولوں کے سردار پر درود اور رحمتیں نازل ہوں اور آپ کی برگزیدہ آل پاک پر اور اس میں تاقیام قیامت اضافہ اور زیادتی ہوتی رہے۔

میرے محترم بھائیو! اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے اپنی رضامندی کی توفیق عطا فرمائے یہ بات بخوبی سمجھ لو کہ عبادت الٰہی یہ علم کا ثمرہ اور زندگی کا نتیجہ اور طاقتور انسانوں کا ما حصل ہے، اولیائے کرام کی پونجی اور یقین کا راستہ، معزز ین کی قسمت اور ہمت والوں کا مقصد برگزیدہ حضرات کا شعار انسانوں کا پیشہ اور اصل بصیرت کی منتخب کردہ چیز ہے۔ یہی سعادت کا راستہ اور اسی سے جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔ اور خداوند عالم فرماتا ہے:۔ اِنَّ هٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَاءً وَّ کَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں کرتے تھے) مقبول ہوئی۔ لیکن جب ہم اس پر نظر کرتے ہیں اور اس کے طریقہ پر ابتدا سے لے کر ان مقاصد تک غور کرتے ہیں، جو اس پر عمل پیرا ہونے والوں کی تمنائیں ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ یہ بہت کٹھن طریقہ، بہت مشکل راستہ زیادہ گھاٹیوں والا بکثرت مشقتوں والا، مسافت کے اعتبار سے بہت بعید آفتوں کی حیثیت سے بہت بلند زیادہ دشواریوں اور رکاوٹوں والا یقینی مہلکات اور مصائب والا بے انتہا دشمنوں والا اور ختم کر دینے والا، بلند جماعت و پیروں والا ہے۔ اور اس ہی طریقہ پر اس کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ یہ جنت کا راستہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہو جائے گی کہ آپ نے فرمایا:۔

الاوان الجنہ حفت بالمکارہ	جنت مشقتوں کے ساتھ گھری ہوئی ہے اور
وان النار حفت بالشہوات	دوزخ شہوات نفسانیہ کے ساتھ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الاوان الجنہ حزن بربوۃ	جنت اپنی بلندی کے اعتبار سے سخت اور
الاوان النار سهل بسهوۃ	دوزخ اپنی پستی کے اعتبار سے آسان ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود بندہ بہت کمزور ــــ زمانہ بہت دشوار اور امور دین بکثرت، فرصت کم مشاغل زائد، زندگی کم ــــ اور اس کے ساتھ ساتھ اعمال میں خامی و کوتاہی۔ اور ان تمام

امور کو پرکھنے والا باخبر موت قریب اور سفر دور ہے اور اطاعت الٰہی صرف اس کا توشہ ہے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور وہ ہاتھ سے نکل جانے والا ہے کہ جس کے لئے پھر واپسی نہیں۔

لہٰذا جس نے طاعت الٰہی پر قابو پالیا وہ کامیاب ہوگیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر زمانہ میں اس نے سعادت اور کامیابی حاصل کر لی اور جس سے یہ چیز فوت ہوگئی وہ نقصان اٹھانے والوں کے ساتھ نقصان ہی میں رہ گیا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک اور برباد ہوگیا۔

خدا کی قسم اس وقت یہ چیزیں بہت دشوار معلوم ہوتی ہیں اور اس میں خطرات بہت سخت ہیں۔ اس لئے اس راستہ پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے یہ چیز شاق ہوگئی اور اس بنا پر ان کی تعداد بھی کم ہوگئی، اس کے بعد عازمین میں سے ایک شخص کے لئے دشواری ہے جو کہ اس راستہ پر چلے اور اس سے بڑھ کر دشوار سالکین کے لئے ہے جو کہ مقصود تک پہنچنا اور مطلوب پر کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔

یہی وہ برگزیدہ حضرات ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت نے اپنی معرفت اور محبت کے لئے منتخب فرمالیا اور ان کو معاصی سے اپنی توفیق و حفاظت سے محفوظ کر لیا اس کے بعد ان حضرات کو اپنے فضل و کرم سے اپنی خوشنودی اور جنت تک پہنچا دیا ہے —— سو ہم بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمیں خصوصیت کے ساتھ اس کامیاب ہونے والی جماعت میں شریک فرمائے۔ آمین۔

اب جب اس راستہ کو اس صفت کے ساتھ پاتے ہیں تو ہم غور کرتے ہیں اور خوب غور و خوض کے ساتھ اس کے عبور کرنے کا طریقہ سوچتے ہیں اور یہ کہ اس کے عبور کرنے میں بندہ کو جس چیز کی حاجت ہے اس کی تیاری سامان اور آلات اور علم و عمل کی تدابیر اختیار کرتے ہیں بایں امید کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی حسن توفیق کے ساتھ سلامتی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا دے اور یہ کہ ہلاک کر دینے والی گھاٹیوں میں نہ گر پڑے کہ پھر ہلاک اور برباد ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوجائے۔

اسی بنا پر ہم نے اس راستہ کو عبور کرنے اور اس پر چلنے کے متعلق مختلف قسم کی کتابیں تصنیف کیں جیسا کہ احیاء العلوم الدین القربۃ الی اللہ وغیرہ جو علمی دقائق کو حاوی اور عوام کی فہم سے بہت بلند ہیں۔ لہٰذا عوام ان میں گھر گئے اور جن باتوں کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے ان میں غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔

اللہ رب العزت کے کلام سے بڑھ کر کونسا کلام فصاحت میں اس کا مقابل ہو سکتا ہے مگر اس کے متعلق بھی کہہ دیا۔

اِنَّہٗ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ اور تم نے امام زین العابدین کا قول نہیں سنا وہ فرماتے ہیں:۔

"میں اپنے علم کے جواہرات پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ جاہل اس کی وجہ سے فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں"۔ اور اس معاملہ میں ابوالحسن حسین کی جانب سبقت کر چکے اور انہوں نے اس سے پہلے حسن کو وصیت فرمادی کہ اے پروردگار عالم اگر علم کے جواہرات کو میں ظاہر کر دوں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تو بت پرستی اختیار کرتا ہے۔ اور مسلمان میرے خون کو حلال سمجھ بیٹھیں گے۔ اور جس چیز کو اچھائی کے ساتھ پیش کیا جائے گا اس کو برا خیال کریں گے۔

الغرض زمانہ نے ارباب دین کو (جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اشرف ہیں) خدائے تعالیٰ کی تمام مخلوق کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھنے اور خصوصی رعایت کے ترک کرنے کا تقاضا کیا ہے سو میں نے اس ذات سے جس کے قبضۂ قدرت میں مخلوق کا نظام ہے درخواست پیش کی کہ مجھے کسی ایسی کتاب کے تصنیف کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جس پر عوام کا اجتماع ہو جائے اور اس کے پڑھنے سے استفادہ حاصل ہو۔ چنانچہ مجھے اس ذات سے جواب مل گیا جو کہ مضطر کی اس کی پکار کے وقت سنتا ہے اور مجھے اپنے فضل سے ان کے اسرار پر مطلع فرما دیا۔ اور ایسی عجیب ترتیب کا القا فرمایا جو کہ میں نے اپنی ان سابقہ تصانیف میں جو کہ علوم دین کے حقائق پر مشتمل ہیں نہیں ذکر کی اور وہ ترتیب وہ ہے جس کے مطابق کتاب لکھنا شروع کرتا ہوں۔

ابتداءً جو بندہ عبادت کے لئے تیار ہوتا اور اس کے راستہ پر چلنے کے لئے تنہائی

حاصل کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سماوی اشارہ اور خاص توفیق الٰہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اس قول:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے (قبول کرنے) کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کے عطا کئے ہوئے نور پر ہے۔

سے یہی مقصود ہے۔ اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:۔

اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الْقَلْبَ انْفَسَحَ وَانْشَرَحَ وَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هل لذلك من علامة تعرف بها فقال التجافي عن دار الغرور والانابة الى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزول الموت۔

نور جس وقت قلب مومن میں داخل ہوتا ہے تو قلب اس کی وجہ سے کشادہ اور منشرح ہو جاتا ہے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے۔ آپ نے فرمایا دنیا سے دوری اور جنت و دار خلود کی جانب رجوع اور موت آنے سے قبل موت کے لئے تیاری

غرضکہ جب بندہ کے دل پر ہر ایک چیز کی ابتدا آئے تو میں یقینی طور پر قسم قسم کے انعام پانے والا اپنے لئے پاتا ہوں جیسا کہ حیات، قدرت، عقل اور گویائی اور ساری محرم اور لذت کی چیزیں پائیں طور پر کہ وہ فہم مجھ سے ضرر رساں اور آفت کی چیزیں دور کرتا ہے اور ساتھ ساتھ ان نعمتوں کا مجھے اپنے شکر اور خدمت کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ سو اگر میں اس سے غفلت اختیار کر جاؤں تو وہ اپنی نعمتوں کو زائل کر دے اور اپنے عذاب و عقاب سے دوچار کر دے۔ اس لئے کہ اس نے میری جانب اپنا ایک رسول بھیجا جسے ایسے معجزات کے ساتھ قوت عطا فرمائی جو کہ عادت انسانیہ سے بالا اور طاقت انسانیہ سے خارج ہیں۔

اور ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی تبلا دیا کہ میرا ایک پروردگار ہے جس کا ذکر بہت بلند ہے اور وہ قادر، علیم، حی، متکلم اور مرید ہے۔ جس کا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے منع کرتا ہے۔ اور وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو وہ میری گرفت کرے اور اطاعت و فرماں برداری کرنے پر ثواب عطا فرمائے اور میرے اسرار و افکار سے

وہ بخوبی واقف ہے اس نے وعدہ بھی فرمایا اور ڈرایا بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قوانین شرع کو لازم پکڑنے کا حکم بھی فرمایا تاکہ بندہ کے دل میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ وہ قادر مطلق ہے اور عقلاً یہ چیز محال بھی نہیں اس لئے بندہ کو اپنے اوپر اس سے خوف کرنا اور گھبرانا چاہیے سو گھبراہٹ کا یہ وہ مقام ہے کہ جس پر بندہ متنبہ ہوتا اور حجت کو لازم پکڑتا ہے اور اس وقت معذرت کا دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے اور یہی چیز اس کو غور کرنے حجت اور دلیل اختیار کرنے کی طرف مجبور کرتی ہے اس وقت اگر بندہ حیران اور پریشان ہوجاتا ہے اور اس سے چھٹکارہ کا راستہ تلاش کرنے لگتا ہے۔

اور جو چیزیں اس کے دل میں راسخ ہوتی ہیں یا اس کے کانوں نے انہیں سنا ہے اس سے امان حاصل کرنے لگتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسوقت سوائے اپنی عقل کے ساتھ دلائل میں غور کرنے اور صنعت سے صانع پر دلیل اختیار کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں پاتا تاکہ اسے مغیبات پر علم حاصل ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جس نے اس کو مکلف کیا اور ان تمام امور کا حکم دیا اور ان سے منع کیا اور یہی پہلی گھاٹی ہے جو مجھے عبادت کے راستہ میں پیش آئی اور یہ علم و معرفت کی گھاٹی ہے تاکہ امور دین پر بصیرت حاصل ہوجائے اور اس کو بغیر کسی تدبیر کے طے کرنا شروع کردے۔ دلائل میں حسن نظر اور کامل غور و خوض اور علماء حق و رہبران طریق اور پیشوائے امت و ائمہ کے سرداروں سے سیکھنے اور دریافت کرنے کے ساتھ۔

اور ان سے استفادہ حاصل کرنے اور اس چیز کی توفیق حاصل ہونے کے ساتھ دعائے صالح کرانے اور اس کے قطع کرنے پر اللہ تعالیٰ کی توفیق حاصل کرنا تاکہ غیبی امور پر علم الیقین حاصل ہوجائے۔

اور غیبی امور یہ ہیں کہ بندہ کے لئے ایک معبود حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی نے اس کو پیدا کیا اور اس پر اپنی تمام نعمتوں کی بارش کی اور اپنا شکر بجالانے پر اس کو مامور کیا اور خدمت و اطاعت کا ظاہر و باطن کے ساتھ حکم فرمایا اور ساتھ ساتھ کفر و معاصی سے بچنے کی ترغیب دی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اطاعت کرنے پر ثواب کا فیصلہ فرمادیا

اور نافرمانی و روگردانی کرنے پر عقاب اور عذاب کا۔ اس وقت یہ معرفت اور یقین بالغیب خدمت کے لئے تیار ہو جانے اور عبادت پر متوجہ ہونے پر برانگیختہ کرے گی اس سید النعم کے لئے جس نے اسے طلب کیا سو پالیا اور جہالت کے بعد پھر اسے پہچان لیا۔

مگر بندہ کو معلوم نہیں کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اسکی ظاہری و باطنی خدمات میں کیا کیا لوازمات درپیش ہیں۔ لہٰذا وہ اس معرفت باللہ تعالیٰ کے خوف کے بعد سعی کرتا ہے تاکہ وہ امور شریعت جو اسے ظاہری و باطنی طور پر لازم ہیں انہیں حاصل کرلے۔ سو جس وقت بندہ کا علم و معرفت فرائض شرعیہ کے ساتھ تیار ہو جاتا ہے تو وہ عبادت الٰہی کے شروع کرنے اور اس کو اپنا مشغلہ بنا لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ مگر جب وہ غور کرتا ہے تو اپنے کو جرائم و معاصی میں مبتلا پاتا ہے اور یہی حالت اکثر انسانوں کی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں عبادت الٰہی کیسے کروں میں تو بہت سخت گنہگار اور معاصی میں گرفتار ہوں تو اولاً مجھے اس ذات الٰہی سے توبہ کرنا واجب اور ضروری ہے تاکہ وہ میرے گناہوں کو معاف کرے اور امور معاصی سے چھٹکارا حاصل ہو اور وہ مجھے ان گندگیوں سے پاک و صاف کردے۔

اس کے بعد اس میں خدمت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور بساط قربت پر وہ قادر ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس جانب بھی متوجہ ہوتا ہے۔

توبہ کی گھاٹی

مقصود بالذات شئے تک پہنچنے میں یقینی طور پر اس گھاٹی کو بھی عبور کرنے کی حاجت اور ضرورت پیش آتی ہے تو بندہ توبہ کے حقوق و شرائط کے ساتھ اس کے منازل طے کرنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس سے بھی فراغت ہو جاتی ہے چنانچہ جب اس کو حقیقی طور پر توبہ کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ اس گھاٹی کو بھی عبور کر لیتا ہے تو عبادت الٰہی کی جانب متوجہ ہوتا ہے تاکہ اس میں قدم رکھے دیکھتا کیا ہے کہ اس کے چاروں طرف گہرائیاں ہیں ہر ایک اس کو پریشانی میں ڈالتی اور اس کے مقصود عبادت میں مشکل پیدا کرتی ہے۔

سوچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار قسم کی چیزیں ہیں:۔
دنیا، مخلوق، شیطان اور نفس۔ لہٰذا ان عوائق کو وضع کرنے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی سخت حاجت اور ضرورت ہے ورنہ پھر اپنے مقصد عبادت میں کامیابی بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں اس کی جانب بھی توجہ دیتا ہوں۔

مشکلات کی گھاٹی

ان گھاٹیوں کو بھی عبور کرنے کی چار طریقے سے ضرورت ہے۔ دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا، مخلوق سے یک سوئی حاصل کرنا، شیطان سے محاربہ اور جنگ کرنا۔ اور نفس کو دبانا۔
ان تمام چیزوں میں نفس سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے اس سے علیحدگی ممکن نہیں اور یہ ایک مرتبہ مغلوب ہی نہیں ہو سکتا جیسا کہ شیطان اس لئے کہ یہ راستہ اور آلہ ہے اور امور عبادت میں سے جس کا بندہ قصد و ارادہ کرتا ہے اس کی موافقت اور اس کی طرف توجہ دینے ہی میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ خیر اور بھلائی کے انسداد کی طرف دعوت دیتا ہے چنانچہ اس وقت اس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے کہ نفس کو تقوی کی لگام ڈالی جائے تاکہ وہ اس سے علیحدگی بھی نہ اختیار کرے اور اس کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے کہ اس کو مصالح اور امور خیر میں استعمال کر سکے اور مہالک اور مفاسد سے بچا سکے۔ لہٰذا بندہ اس وقت اس وادی کو بھی طے کرنے کی کوشش کرتا اور اللہ جل شانہ سے اس میں اعانت اور مدد طلب کرتا ہے۔

اس کے بعد جب بندہ اس سے بھی فراغت حاصل کر لیتا ہے تو مقصد عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کو عوارض آ گھیرتے ہیں جو کہ اسے مقصد عبادت پر نظر نہیں کرنے دیتے اور عبادت الٰہی کے لئے فارغ ہونے سے روکتے ہیں۔ چنانچہ غور کے بعد یہ چار قسم کے عوارضات معلوم ہوتے ہیں۔
اولاً تو رزق جس کا نفس مطالبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لئے رزق اور طاقت کی حاجت اور ضرورت ہے اور تو نے دنیا سے بے رغبتی اور علیحدگی اختیار کر لی ہے، تو

مجھے قوت اور رزق کہاں سے حاصل ہوگا۔

ثانیاً ہر ایک شے سے اصول کا طاری ہوجانا کہ جن سے وہ خوف کرتا یا کسی چیز کی امید رکھتا ہے یا ان کا ارادہ کرتا اور ناگوار سمجھتا ہے اور کاموں کے انجام مبہم ہونے کی بنا پر ان کی صلاحیت اور فساد سے وہ بے خبر ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا قلب ان امور کے ساتھ مشغول ہوجاتا ہے اور بسا اوقات وہ فساد اور ہلاکت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

تیسرا عارضہ شدائد اور سختیاں ہیں۔ اس کے باوجود کہ یہ مخلوق کی مخالفت نفس سے عداوت اور شیطان کے برخلاف کرنے کے لئے تیار رہے ہر ایک جانب سے آتی رہتی ہیں بہت سے غصہ کے مقامات کو یہ پی لیتا ہے اور بہت سی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور بہت حزن وغم اس کو پیش آتے ہیں اور بہت سی مصیبتیں اس پر آپڑتی ہیں۔

اور چوتھا امر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا پیش آنا جو کہ وقتاً فوقتاً مخالف و موافق طریقہ پر اس پر پیش آتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ نفس ناراضگیوں کی طرف معارضت اور فتنوں کی جانب سبقت کرتا ہے۔ لہٰذا ان عوارضات کو بھی اس مقام پر بیان کئے دیتا ہوں۔

عوارضات کی گھاٹی

ان عوارضات کو بھی عبور کرنے کے لئے چار چیزوں کی حاجت اور ضرورت ہے رزق اور روزی کے مقام پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر توکل کرنا خطرات کے پیش آنے پر اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا مصائب کے نزول پر صبر سے کام لینا اور قضا و قدر کے سامنے اظہار رضامندی کرنا غرضکہ بندہ اس گھاٹی کو بھی اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی حسن توفیق کے ساتھ پار کرنا شروع کردیتا ہے جب یہ کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو مقصد عبادت کی طرف پھر رجوع کرتا ہے تو نفس بہت ہی کمزور اور سست ہوجاتا ہے۔ نشاط کی حالت اس میں باقی نہیں رہتی اور سب بھلائی بالکل ختم ہوجاتی ہے۔

اور ہمیشہ اس کا میلان غفلت و سستی راحت و سرکشی کی جانب ہوتا ہے۔
بلکہ شرارت فضول لغو اور بیہودہ باتیں اس میں آجاتی ہیں۔ اب اس کے ساتھ اس مقام پر ایک چلانے والے کی حاجت پیش آتی ہے جو اس کو خیر اور بھلائی کے راستہ پر چلائے اور اسی کام کے لئے اسے برانگیختہ کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ڈرانے والے کی جو اسے شر اور معصیت سے ڈراتا اور دور کرتا رہے۔ اور یہ دونوں امور رجاء اور خوف ہیں۔

رجا اللہ تعالیٰ کے ثواب میں بڑی شئے ہے اور انواع کرامت میں بہترین چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک محرک نصیحت کرتا اور اسے حرکت دیتا اور طاعت الٰہی پر برانگیختہ کرتا رہتا ہے اور نشاط کی حالت بیدار کرتا ہے۔

اور خوف اللہ تعالیٰ عزوجل کے عذاب سے متعلق اور ان انواع عقوبت و اہانت میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے ایک قسم کی صعوبت ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایک ڈرانے والا رہتا ہے جو اسے معصیت سے ڈراتا، دور کرتا اور بھگاتا رہتا ہے۔

یہ مقام بھی قابل ذکر ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت و ضرورت ہے۔ سو اس وادی کو بھی امور بالا کے ساتھ عبور کرنے کی حاجت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حسن توفیق کے ساتھ بندہ اس کام کو بھی شروع کر دیتا ہے۔ جب اس پر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اب اس کو نہ کوئی دشواری نظر آتی ہے نہ کوئی مشاغل۔ اپنے کو عبادت الٰہی کے لئے تیار و لبیک کہنے والا پاتا ہے۔

عبادت الٰہی کو شروع کر دیتا۔ کمال شوق و رغبت کے ساتھ اس میں مصروف ہو جاتا ہے اور اس پر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر غور کے بعد اس عبادت عظیم کو برداشت کرنے والے کے لئے دو عظیم الشان مصیبتیں ــــ ریا اور عجب ہیں۔ کبھی انسان اپنی عبادت سے لوگوں کے سامنے دکھاوا شروع کر دیتا ہے اور کبھی اس سے باز رہتا ہے اور اپنے نفس کو اس کی وجہ سے ملامت کرتا ہے جس کی بنا پر نفس میں عجب کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور

اس کی وجہ سے ہی عبادت حبط اور تباہ و برد ہو جاتی ہے۔ اسی لئے میں ان چیزوں کو بھی یہاں بیان کرتا ہوں۔

برائیوں کی گھاٹی

اس وادی کو بھی اخلاص اور سنت کے ساتھ عبور کرنے کی حاجت ہے تاکہ اعمال خیر میں جو بھی کام کرے وہ محفوظ و سالم رہیں۔ چنانچہ بندہ اس وادی کو بھی اللہ تعالیٰ کے اذن و توفیق کے ساتھ کوشش و احتیاط و بیداری اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ پورا کرنا شروع کر دیتا ہے

الغرض ان تمام امور سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے تو اسے عبادت کا وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے اور ہر آفت سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب وہ غور کرتا ہے تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احسان کے سمندروں میں غریق، اس کی بکثرت تائیدات کے ساتھ ان انعامات میں سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر توفیق و عصمت کے انعامات نازل فرمائے ہیں مستغرق پاتا ہے۔

اور تائیدات کے اقسام حفاظت و کرامت سے اس بات کا خوف ہو جاتا ہے کہ کہیں ان انعامات میں سے شکر ادا کرنے میں غفلت نہ صادر ہو جس کی وجہ سے ناشکری میں مبتلا ہو کر اس مرتبۂ عالیہ سے جو خالص اللہ تعالیٰ کے خادموں کا مقام اور اللہ رب العزت کے الطاف اور حسن نظر سے انعامات معززہ کے نازل ہونے کا مقام ہے اسے اتار دیا جائے۔

لہٰذا ان امور پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

حمد اور شکر کی گھاٹی

بندہ اس مرحلہ کو بھی شروع کر دیتا ہے اور کثرت انعامات پر جس قدر حمد اور شکر ممکن ہوتا ہے اسی طرح بجالاتا ہے جب اس مرحلہ کو بھی پورا کر لیتا ہے اور بے فکری حاصل ہو جاتی ہے تو اپنے مقصود و مطلوب کو اپنے سامنے پاتا ہے تو اب سر درد کم ہو جاتا ہے

حتیٰ کہ فضیلت کے صحن، شوق کے صحرائے محبت کی عمارت میں پناہ حاصل کرلیتا ہے۔ خوشنودی کے باغیچوں اور انسیت کے باغوں میں بساط انبساط اور مرتبۂ قدرت، مجلس مناجات اور انعام وکرامات کے ساتھ سیر کرنا شروع کردیتا۔ ان حالتوں سے محفوظ اوران مقامات سے فرحت وخوشنودی حاصل کرتا رہتا ہے۔ دنیا میں اپنے باقی ایام اور بقیہ زندگی میں ایک شخص کی حیثیت سے اور ایک قلب کے اعتبار سے عقبیٰ وآخرت میں۔

اور سفر کا دن بدن انتظار شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ تمام مخلوق سے اکتا جاتا ہے اور دنیا سے پریشان ہوکر موت کی طرف رجوع کرلیتا ہے اور اس کو ملاء اعلیٰ کا شوق کامل ہوجاتا ہے۔

سو رب العالمین کے قاصد ین اس کے سامنے رَوح وریحان اور رب راضی کی جانب سے بشارتیں اور خوشخبریاں پیش کرنا شروع کردیتے ہیں اور اسے طیب نفس اور بشارت کے ساتھ دارِ فانی کے فتنوں کے مقامات سے حضرت الٰہیہ کی طرف لے جاتے اور جنت کے باغوں میں اسے ٹھہرا دیتے ہیں۔ سو وہاں جاکر یہ شخص اپنے ذلیل اور حقیر نفس کے لئے نعیم مقیم اور ملک کبیر دیکھتا اور اس مقام پر اپنے رب رحیم جل جلالہٗ سے وہ الطاف اور رحمتیں اور تقرب اور انعام وکرامتیں پاتا کہ جس کا اوصاف بیان کرنے والے احاطہ نہیں کرسکتے اور خوبیاں بیان کرنے والے ان خوبیوں کے بیان سے عاجز ہیں۔ اور اس کے باوجود ان انعامات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یومیہ اضافہ اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ سو یہ کیا ہی سعادت عظیمہ اور مرتبۂ عالیہ ہے۔ اور کیا ہی سعادتمند ہے یہ بندہ قابل رشک بہترین شان والا ہے اور اس کے لئے خوشخبری وبشارت کا مقام ہے۔

آخر میں ہم اس اللہ رب العزت کی خدمت میں درخواست پیش کرتے ہیں جو کہ رحیم وکریم ہے کہ ہم پر اور ہم پر اس نعمت عظیم اور نعمت غیر منقطعہ کے ساتھ احسان فرمائے اور یہ چیز اس ذات پر کوئی دشوار نہیں اور یہ کہ ہمیں ان حضرات میں سے نہ بنائے کہ جن کا

ان نعمتوں میں سوائے اوصاف جاننے سننے اور احسان ماننے کے کوئی فائدہ نہیں اور جو کچھ ہم نے سیکھا ہے اسے قیامت کے دن ہم پر حجت نہ بنائے اور ہمیں اس پر عمل کرنے اور ثابت قدم رہنے کی جیسا کہ اس کی مرضی اور مشیت ہے توفیق عطا فرمائے بے شک وہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے۔

اور ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں شرافت وکرامت کے ساتھ سرفرازی عطا فرمائے لہذا یہ وہی ترتیب ہے جس کا میرے معبود حقیقی نے اس بیان میں مجھے القاء کیا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ یہ بات بخوبی سمجھ لو کہ اس کلام کا ماحصل کل سات گھاٹیاں ہیں۔ علم کی گھاٹی، توبہ کا مرحلہ، مشکلات کی گھاٹی، عوارضات کا مقام، برانگیختہ کرنے والے اور برائیوں کی گھاٹی، حمد اور شکر کا مقام

اور ان امور کے پورا ہونے کے ساتھ یہ کتاب منہاج العابدین الی الجنہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی سو ہم ان مقامات کو اس وقت مختصراً بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ نکات عجیبہ پر مشتمل ہیں۔

انشاء اللہ العزیز ہر ایک امر کو علیحدہ علیحدہ باب میں بیان کریں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق اور درستگی کو محض اپنے احسان کے ساتھ عطا و رحمت فرمانے والا ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

مرحلہ اول علم اور اس کی حاجت وضرورت

اللہ رب العزت کی توفیق اور مدد کے ساتھ ابتدا کرتا ہوں کہ اے اخلاص اور عبادت الٰہی کے طلبگار اللہ تعالیٰ تجھے نیک توفیق عطا فرمائے۔ اولاً علم کی حاجت اور ضرورت ہے اس لئے کہ یہی تمام چیزوں کی اصل اور بنیاد ہے۔ اور علم وعبادت الٰہی یہ دو ایسے جوہر ہیں کہ جن کی بنا پر سب کچھ کائنات کا نظام ہے جسے تم دیکھتے اور سنتے ہو خواہ مصنفین کی تصنیفات ہوں یا معلمین کی تعلیمات، واعظوں کے مواعظ، مشاہدہ کرنے والوں کے

مشاہدات سے بلکہ اسی وجہ سے کتابیں نازل کی گئیں، رسول بھیجے گئے اور اسی وجہ سے آسمان وزمینوں اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا۔

قرآن کریم کی ان دو آیتوں کا مطالعہ کر لو۔ ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے سات آسمان
وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ	پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی اور
الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ	ان سب میں اللہ تعالیٰ کے احکامات نازل
اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	ہوتے رہتے ہیں تاکہ تمھیں معلوم ہو جاتے
وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ	کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ تم
شَیْءٍ عِلْمًا۔	ہر ایک شی کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

یہ آیت فضیلت علم پر دلیل بننے کے لئے کافی ہے خصوصیت کے ساتھ علم توحید پر اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	اور میں جن وانس کو اسی واسطے پیدا کیا
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔	ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت میں بھی عبادت الٰہی کو اختیار کرنے اور اس کو لازم پکڑنے پر بین دلیل موجود ہے۔ سو ان دونوں چیزوں ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی وجہ سے دنیا اور آخرت وجود میں آئے۔

اس بنا پر بندہ پر یہ واجب اور ضروری ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی شی میں مشغول نہ ہو۔ اسی وجہ سے تعب و تھکان ہو انہی امور میں غور و خوض کرنا اس کا مشغلہ ہو۔ اور ان کے علاوہ اور تمام امور لغو اور بیکار ہیں، ان میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہیں۔ اور اس کے بعد پھر علم کو ان دونوں چیزوں میں خصوصی شرف حاصل ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ	عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسا کہ مجھے
كَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنٰی رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ۔	اپنی امت کے ایک ادنیٰ انسان پر۔

اور ارشاد ہے :۔

نظرۃ الی العالم احب الی من عبادۃ سنۃ صیامھا وقیامھا۔ | عالم کی جانب ایک نظر دیکھ لینا یہ میرے نزدیک ایک سال کی عبادت سے مع صیام وقیام کے افضل ہے۔

اور حضور کا ارشاد ہے :۔

الا ادلکم علیٰ اشرف اھلِ الجنّۃ قالوا بلیٰ یا رسول اللّٰہ قال ھم علماء اُمتی۔ | کیا میں تمھیں جنت کی اشرف ترین جماعت نہ بتلادوں (کہ وہ کونسی ہے) صحابہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلایئے آپ نے فرمایا یہ میری امت کے علماء ہیں۔

سو یہ چیز بخوبی معلوم ہوگئی کہ علم عبادت میں سے اشرف ترین جوہر ہے لیکن عبادت کے لئے علم کی یہی حاجت ہے ورنہ تنہا اس کا یہ علم ہباءً منثورا سے کم نہیں۔ تو علم درخت کے مرتبہ میں ہے اور عبادت الٰہی اس کے ثمرات ہیں۔ لہٰذا فضیلت اور فوقیت درخت ہی کو حاصل ہوسکتی ہے اس لئے کہ وہی اصل اور بنیاد ہے لیکن نفع اس کے ثمرات سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ تو اس حیثیت سے بندہ کو دونوں کاموں میں نصیب وافر حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔

اسی کے پیش نظر حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ علم اس طرح حاصل کرو کہ وہ عبادت الٰہی میں مخل نہ ہو اور عبادت الٰہی اس طریقہ پر کرو کہ یہ علم میں رکاوٹ نہ بنے جب یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ بندہ کے لئے علم اور عبادت دونوں ہی چیزوں کی حاجت درپیش ہے تو علم یقینی طور پر تقدیم کے زیادہ لائق ہے اس لئے کہ یہی اصل اور دلیل ہے اور اس کی وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوجائے گی۔

العلم امام العمل والعمل تابعہ | علم عمل کے لئے امام اور پیشوا ہے اور عمل اس کا تابع وپیرو ہے۔

تو حقیقۃً علم ہی اصل اور منبع ہوا۔

علم کو عبادت الٰہی پر دو طریقے سے تقدم حاصل ہے

علم کو عبادت الٰہی پر دو طریقے سے مقدم کرنا واجب اور ضروری ہے۔ ایک تو اس لئے کہ عبادت کا راستہ متعین ہو جائے اور عوارضات سے حفاظت ہو جائے اس لئے کہ اولاً معبود حقیقی کو پہچاننا اور اس کی عبادت کرنا واجب اور ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اسے اس کے اسمائے حسنیٰ وصفات ذاتیہ اور اس کے حقوق و واجبات کے ساتھ نہ پہچانا جائے۔

کیونکہ بسا اوقات بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ایسے غلط عقائد اختیار کر جاتا ہے کہ جس کی بنا پر (عیاذاً باللہ) تمام عبادت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اور ہم نے ان تمام خطرات عظیمہ کو سوء خاتمہ کے ماتحت کامل طور پر باب الخوف کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کر دیا ہے۔ اب اس کے بعد تیرے لئے یہ چیز بھی واجب اور ضروری ہے کہ واجبات شرع میں سے جو چیزیں تیرے اوپر واجب ہیں تو ان کا علم حاصل کرے کہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان کو بجا لائے اور جن اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے۔

ان اشیاء کے بغیر عبادت الٰہی پر قیام ناممکن ہے جب کہ تجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا امور ہیں؟

کیسے انہیں ادا کیا جا سکتا ہے کس طریقہ پر ان کو بجا لانا واجب اور ضروری ہے؟ اور اس کے ساتھ ساتھ معاصی سے کیسے بچ سکتا ہے جب کہ ان کے معاصی ہونے کا تجھے علم ہی نہیں کہ یہ معاصی ہیں ان کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ چنانچہ عبادت شرعیہ، طہارت نماز روزہ وغیرہ ان کے احکامات اور شرائط کو سیکھنا واجب اور ضروری ہے تاکہ ان کی ادائیگی کامل طور پر ہو سکے اس لئے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالہا سال اور بہت زمانہ تک تو کسی عبادت کو کرتا رہتا ہے مگر اس میں سے کوئی بھی قبولیت کے قابل نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کی ادائیگی اور طہارت وغیرہ کوئی بھی سنت کے موافق نہیں ہو پاتی اور تجھے ان کا

علم بھی نہیں ہوتا کبھی ان امور کی ادائگی میں مشکل پیش آجاتی ہے اور تجھے ان کے معلوم کرنے کے لئے کوئی نہیں ملتا اور سارا لطیفہ یہ ہو رہا ہے کہ تو نے ان امور کو حاصل ہی نہیں کیا پھر اس کے باوجود ان عبادتوں کا تعلق عبادت باطنیہ کے ساتھ بھی ہے جو کہ قلبی کاوشوں کا نتیجہ ہے جیسا کہ توکل، تفویض، رضا، صبر، توبہ اور اخلاص وغیرہ ان امور کی تحصیل بھی ضروری ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان بھی آجائے گا۔

اور ان امور کے اضداد و مناہی جیسا کہ سخط امل، ریا اور کبر کا بھی حاصل کرنا اور ان سے باز رہنا ضروری ہے اس لئے کہ یہ تمام فرائض ہیں کہ جن کے کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن عزیز اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تصریح فرمادی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ	اگر تم ایمان کامل رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو اور صبر کر اور بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے تیرا صبر ممکن نہیں۔
اور وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا	یعنی اس کے ساتھ اخلاص کا معاملہ رکھو۔

اس کے علاوہ اور بہت سی کلام اللہ کی آیتیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ کی ترغیب فرمائی ہے سو تجھے کیا ہوا کہ نماز اور روزہ پر تو توجہ کر لیتا ہے اور ان فرائض کو کلی طور پر ترک کر دیا ہے حتیٰ کہ رب واحد نے ایک ہی کتاب میں دونوں کا حکم فرمایا ہے بلکہ اس سے توکلی طور پر لاپرواہی اختیار کی ہے کہ ان میں سے کسی چیز کو بھی اس شخص کے طریقہ پر کہ صبح اس حالت میں کرتا ہے کہ اس کا حصہ کامل ہوتا ہے نہیں پہچان سکا حتیٰ کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنالیا۔ اور جس شخص نے ایسے علوم کو ترک کر دیا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نور حکمت اور ہدایت فرمایا ہے اور حرام کاموں کو اختیار کر لیا تو ایسی شکل میں اپنے کو دوزخ کا ایندھن بناتا اور اس کے لئے تیار کرتا ہے۔ بسوائے عبادت کے طلبگار کیا تجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تو ان واجبات کو ترک کر رہا ہے بلکہ اس کے

اکثر حصّہ کو چھوڑ کر نفلی نماز اور روزہ کے ساتھ مشغولیت اختیار کیے ہوئے ہے کہ وہ بھی لاشی کے درجہ میں ہو جائیں۔

اور اکثر ان معاصی میں سے کسی بھی معصیت کا ارتکاب کرتا رہتا ہے جس کے ذریعہ سے نار دوزخ واجب ہو جاتی ہے اور کھانے پینے سونے وغیرہ میں ان مباح امور کو ترک کئے ہوئے ہے کہ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے اس شکل کے بعد اب تو کسی کام کا بھی نہیں رہتا۔

اور ان تمام باتوں سے سخت چیز یہ ہے کہ امل (امیدوں کی درازی) کے ارتکاب میں مصروف رہتا ہے اور امل ایک معصیت ہے۔ مگر اس میں فرق نہ کرنے اور بعض امور میں مقاربت کی وجہ سے نیت خیر کا گمان رکھتا ہے۔ اور ایسے جزع وفزع میں مبتلا رہتا ہے اور اسے تضرع اور ابتہال الی اللہ خیال کرتا ہے اور ریا و نمائش میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا تصور رکھتا ہے یا انسانوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دینے کا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں معاصی کو طاعات کا لگساں کر کے پیش کرتا ہے۔

اور مقام عتاب اور عذاب میں ثواب کی امید رکھتا ہے۔ تو اس وقت تو بڑے دھوکے اور بہت بڑی غفلت میں گرفتار ہے اور خدا کی قسم یہ عظیم الشان مصیبت اور ان حضرات کے لئے جو کہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، گھبراہٹ اور افسوس کا مقام ہے

اور پھر اس کے باوجود تمام اعمال ظاہریہ کے لئے باطنی ملائق بھی ہیں (جو اس کی اصلاح اور فساد میں لگے رہتے ہیں، جیسا کہ اخلاص اور ریا، عجب اور منت وغیرہ۔

لہٰذا جو شخص ان باطنی کاوشوں کو عبادت ظاہریہ میں نہ معلوم کرے اور ایسے ہی ان کے حاصل کرنے کا طریقہ اور ان سے اپنے اعمال کو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ سوچے تو بہت کم ایسے حضرات ہوں گے کہ جن کے اعمال ظاہریہ سالم اور محفوظ رہ سکتے ہیں مگر یہ ظاہری و باطنی عبادات بسبب ختم اور برباد ہو جاتی ہیں اور ان کے ہاتھوں میں سوائے

شقاوت اور کدورت کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی، یہی خسران بدترین ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تعریف فرمایا ہے۔

ان تنوما علی علم خیر من صلوٰۃ علی جہل

تحصیل علم کے بعد سوجانا یہ جہالت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

اس لئے کہ بغیر علم کے عمل کرنے والا اصلاح اور درستی سے زیادہ فساد برپا کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے متعلق فرمایا ہے، یہ نیک بختوں کو عطا ہوتا ہے اور بدبخت اس سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ شقاوتوں میں سے پہلی شقاوت علم کا نہ حاصل کرنا اور پھر بغیر علم کے عبادت میں سعی و کوشش کرنا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی سرکشی و روگردانی نہیں ہو سکتی۔ اللہ رب العزت سے ایسے علم و عمل سے پناہ حاصل کرنی چاہیے جس سے کوئی نفع نہ حاصل ہو۔ اسی وجہ سے تمام انسانوں پر علمائے کرام اور زاہدین و عابدین کی عنایت و مہربانی خصوصیت کے ساتھ علم کی ترغیب کے متعلق رہی ہے اس لئے کہ عبادت کا مدار اور اس کا ملاک اور اللہ تعالیٰ کی خدمت یہ سب چیزیں علم ہی پر موقوف ہیں اور یہی اصحاب بصیرت اور اہل توفیق کا نظریہ ہے۔

سو جب یہ بات کلی طور پر ثابت ہو گئی کہ عبادت الٰہی بندہ کو کرنا چاہئے اور یہ بغیر علم کے صحیح و سالم نہیں رہ سکتی اس وجہ سے عبادت پر علم کو مقدم کرنا واجب اور ضروری ہے۔

اور دوسری وجہ ہے کہ جس کی بنا پر علم کو عبادت الٰہی پر تقدم حاصل ہے۔ یہ وہ ہے کہ علم نافع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف طاری ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کی معرفت کے مطابق نہیں پہچان سکتا تو وہ اس سے اس کی ہیبت و جلال کے مطابق خوف اور اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی کے موافق اس کی عظمت نہیں کر سکتا۔ سو علم ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت عظمت اور اس کا خوف حاصل ہوتا ہے۔ علم ہی تمام طاعات پر برانگیختہ کرتا اور تمام معاصی سے

روکتا ہے۔ غرضیکہ ان اشیاء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بندہ کا اور کوئی مقصد مطلب نہیں۔ لہٰذا اے اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والے اللہ تعالیٰ تجھے ہر ایک چیز کی ابتداء میں ہدایت عطا فرمائے علم کا حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و رحمت سے اس کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

کون سے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اور کس کی عبادت کے موقع پر جاتا ہے؟

اب تو یہ دریافت کر سکتا ہے کہ صاحب شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

سو یہ کونسا علم ہے جس کا طلب کرنا فرض ہے اور عبادت الٰہی کے بندہ کو کس علم کی حاجت درکار ہے۔ تو کلیہ یہ چیز سمجھو کہ جن امور کا طلب کرنا فرض اور ضروری ہے وہ تین ہیں علم توحید، علم سر جس کا قلب اور مساعی قلب کے ساتھ تعلق ہے اور تیسرا علم شریعت اور ان میں سے ہر ایک علم کی وہ مقدار جس کا حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ تو علم توحید سے اس قدر ضروری ہے کہ تجھے اصول دین معلوم ہو جائیں اور وہ یہ کہ تیرے لئے ایک معبود حقیقی ہے جو علیم، قدیر، متکلم، مرید، حی، سمیع، بصیر اور وحدہ لاشریک ہے اوصاف کمال کے ساتھ اس کی ذات متصف۔ نقائص، زوال اور عارض وحدوث سے منزہ ہے۔ اور صفت قدم کے ساتھ موصوف ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان فرماتے اور امور آخرت کے متعلق خبر دینے میں صادق امین۔

پھر سنت نبویہ کے کچھ اصول جن کی معرفت بھی ضروری ہے۔ اور جب تک کلام اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی چیز سامنے نہ ہو دین میں اپنی رائے سے احتراز کرنا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو خطرات عظیمہ سے دوچار ہو جائے اور یہ کہ تمام توحید کے ادلہ کی اصلیت کتاب اللہ میں موجود ہے اور ہمارے مشائخ نے اصول دین پر جو تصنیفات کی ہیں

ان میں ان کو بیان کر دیا ہے غرضکہ کلی طور پر یہ چیز سمجھ لو کہ جس شے میں تم اپنی جہالت کی بنا پر ہلاکت سے مامون نہ ہو ان کا حاصل کرنا فرض اور ضروری ہے۔ اور ان کا ترک کسی حالت میں بھی مناسب نہیں۔ اور علم سر میں سے ضروری اور اس کے واجبات اور ممنوعات کا پہچاننا اور معلوم کرنا ہے تاکہ تجھے اللہ جل جلالہ کی عظمت اخلاص و سنت اور اعمال کا سالم و محفوظ ہونا حاصل ہو جائے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ تمام چیزیں ہماری اس کتاب میں آجائیں گے۔

اور رہا علم شریعت کہ اس میں سے کن امور کی تحصیل ضروری ہے سو ہر وہ کام جس کی ادائگی تجھ پر فرض ہے اس کی معرفت بھی تیرے لئے ضروری ہے تاکہ اس کو ادا کر سکے جیسا کہ طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد۔ اگر ان امور کی ادائگی فرض ہے تو ان کے احکامات کو بھی معلوم کرنا واجب ہے تاکہ ان کو ادا کر سکے ورنہ نہیں تو علم کی وہ مقدار جس کی تحصیل ضروری ہے۔

غرض کہ علم کی فرضیت متعین ہو گئی سو اس کے بغیر کوئی اور چارۂ کار نہیں۔

اب اگر تو دریافت کرے کہ کیا مجھ پر علم توحید سے اتنا حصہ بھی حاصل کرنا فرض ہے جس کے ذریعہ سے میں تمام کفر کی قوموں کو مٹا دوں اسلام کی محبت ان پر راسخ، تمام بدعتوں کی بیخ کنی اور سنت کے راستہ کو ان کے لئے لازم کر دوں؟

تو پھر بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ اس قدر علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور تجھ پر اتنا علم فرض ہے کہ جس کے ذریعہ سے اصول دین میں سے تو اپنے عقائد درست کر سکے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور ایسے ہی تمام فروع دین اور ان کے حقائق کا حاصل کرنا اور تمام مسائل پر عبور حاصل کرنا فرض نہیں۔ ہاں اگر تجھے اصول دین میں کوئی شبہ پیش آجائے جس کی بنا پر تو اپنے عقائد مشتبہ ہو جانے کا خوف اور اندیشہ کرے تو پھر اس قدر معلومات حاصل کرنا ضروری ہے جس سے وہ شبہ زائل ہو جائے۔ اس کے ساتھ مناظرہ اور باہمی جدال سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ محض ایک بیماری ہے، کوئی فائدہ مند شے نہیں اس سے اپنی کوششوں کو محفوظ رکھنا چاہئے کیونکہ جو اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کی فلاح و کامیابی مشکل ہو جاتی ہے مگر یہ کسی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت

اور لطف سے ملطف فرماتے۔

اس کے بعد یہ بھی سمجھ لو کہ جب داعیان اہل سنت کے اقوال سے شبہ حل ہو سکتا ہو بدعتیوں کی اس سے تردید ہو علم اس کے ذریعے سے مضبوط ہو رہا ہو اور بدعتیوں کے وسوسوں سے اہل حق کے قلوب صاف ہو رہے ہوں تو اس شکل میں ان کے علاوہ اور حضرات سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی تمام علمی دقائق اور قلبی عجائبات کی بھی تحصیل ضروری نہیں مگر جب تیری عبادت میں اس کی لاعلمی مخل ہو رہی ہو تو پھر اس کا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے فساد سے محفوظ ہو سکے اور جو امور افعال و عبادت کے کرنے میں ضروری ہیں ان کی بھی تحصیل تجھ پر ضروری ہے تاکہ عبادت الٰہی کی ادائگی ہو سکے جیسا کہ اخلاص، حمد، شکر اور توکل وغیرہ اور اس کے علاوہ دیگر معلومات حاصل کرنا ضروری نہیں۔

اور ایسے ہی تمام ابواب فقہ بیوع، اجارت، نکاح، طلاق اور جنایات وغیرہ ان سب کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے بلکہ ان تمام امور کو حاصل کرنا فرض علی الکفایہ ہے۔

اب یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ کیا علم توحید کی اتنی مقدار بغیر استاد اور معلم کے حاصل کی جا سکتی ہے؟ تو استاد بمنزلہ ناصر و مددگار مشکلات کے مقام پر سہولتیں مہیا کرنے والا ہے اور تحصیل علم اس کے ذریعہ سے سہل اور بہتر ہے باقی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بارشیں نازل کرتا ہے تو حقیقی طور پر وہ ہی ذات معلم ہے۔ اس کے بعد یہ بھی معلوم کرتے چلو کہ یہ علم کی گھاٹی کاوشوں والی گھاٹی ہے لیکن اس کے ذریعہ سے مقصد حاصل ہوتا ہے اس کے منافع بہت زائد ہیں اور ایسے ہی اس کا عبور بہت سخت اور خطرات زائد۔

چنانچہ بہت سے ایسے حضرات ہیں جنہوں نے اس سے روگردانی کی سو وہ گمراہ ہو گئے اور بہت سوں نے اس پر چلنے کی کوشش کی مگر وہ لغزش کھا گئے۔ اکثر اس کے حاصل کرنے والے اس میں پریشان اور عقلاء متحیر ہیں اور بہت سے انسانوں نے اس گھاٹی کو بہت کم مدت میں پار کر لیا مگر دوسرے ایسے بھی حضرات ہیں جو ستر سال تک

اس وادی میں گشت و چکر لگاتے رہے اور تمام امور اللہ رب العزت کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

علم کے تمام منافع ہم بیان کر چکے کہ بندہ کو علم کی کس قدر حاجت اور ضرورت ہے اور عبادت کل کی کل علم ہی پر موقوف ہے خصوصیت کے ساتھ علم توحید اور علم سر پر۔ منقول ہے کہ اللہ رب العزت نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد علم نافع حاصل کرو۔ حضرت داؤدؑ نے عرض کیا الٰہ العالمین علم نافع کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا میرے جلال و عظمت، میری کبریائی اور تمام امور پر قادر ہونے کو پہچانو اس لئے کہ یہ چیز تمھیں مجھ سے قریب کر دے گی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ چیز پسندیدہ نہیں کہ طفولیت کی حالت میں انتقال کر کے جنت میں داخل ہو جاؤں اور بڑا نہ ہوں کہ اپنے پروردگار عالم کی معرفت حاصل نہ کروں۔ اس لئے کہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا سب سے زیادہ عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ کے راستہ پر چلنے والا ہے۔

علم کی شدت یہی ہے کہ اپنے نفس کو طلب علم کے اندر اخلاص کا ملکہ پیدا کرنے میں خرچ کرے تاکہ یہ طلب درایت اور معرفت کی طلب ہو۔ محض روایت کی تحصیل نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حصول علم میں خطرات بہت زائد ہیں۔ اس لئے کہ جس شخص نے علم کو اس وجہ سے طلب کیا تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اپنی طرف مائل کرے، اس کی وجہ سے امراء و اغنیاء کی مجلس آرائی، انسانوں پر اس سے فخر کرے اور دیگر دنیاوی منافع کا شکار کرے تو اس کی یہ تجارت بے سود اور یہ معاملہ خسارہ اور نقصان والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

من طلب العلم لیفاخر	جو شخص علم کو اس لئے طلب کرتا ہے کہ اس
به العلماء او لیماری السفهاء	کی وجہ سے علماء پر فخر کرے یا اس کی وجہ
او لیصرف به وجوه الناس	سے بے وقوفوں سے جھگڑے یا آدمیوں کو

اليه ادخله الله النار۔ — اس کے ذریعہ سے اپنی طرف مائل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

ابویزید بسطامیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک مجاہدہ میں کوشش کی تو میں نے اپنے اوپر علم اور خطرات سے بڑھ کر کوئی سخت چیز نہیں پائی۔ اور اس چیز سے بھی بچنا چاہیے کہ شیطان تیرے لئے زینت کے سامان مہیا کر کے قیل وقال میں مبتلا کر دے۔ لہٰذا جب علم میں یہ خطرات عظیمہ پیش آنے لگیں تو اس کا ترک ہی بہتر ہے۔ یہ چیز تجھے دھوکے میں مبتلا نہ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اطلعت ليلة المعراج — شب معراج میں میرا دوزخ پر سے گزر
على النار فرأيت اكثر اهلها — ہوا تو میں نے دوزخ میں اکثر تعداد فقراء
الفقراء قالوا يارسول الله — کی پائی۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ
من المال قال لا بل من العلم۔ — فقرائے مال فرمایا نہیں بلکہ فقرائے علم۔

سو جو علم حاصل نہیں کرتا تو اس کے لئے عبادت کے احکام ساز گار نہیں ہوتے اور نہ عبادت کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت ملائکہ سموات کے طریقہ پر بغیر علم کے کرے تو خسارہ پانے والوں میں اس کا شمار ہے۔

علم کی طلب میں جستجو تلقین تدریس کے ساتھ سعی و کوشش کرنا اس کے لئے تیار ہو جانا اور سستی و ملال سے اعراض کرنا چاہئے۔ ورنہ عیاذاً باللہ! تیرے لئے بس گمراہی کا دائرہ متعین ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس وقت تو صانع عالم کے دلائل میں غور و فکر کرتا ہے تو یہ بات بخوبی جان لیتا ہے کہ تیرے اور ہمارے لئے ایک معبود حقیقی ہے جو کہ قادر، علیم، حی، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔ حدوث کلام حدوث علم و ارادہ سے منزہ ہر ایک نقص و کمی سے اس کی ذات مقدس۔ محدثین کی صفات کے ساتھ اس کی صفات بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مخلوقات کے ساتھ جن چیزوں کا اتصاف ہو سکتا ہے اس کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ مخلوم میں سے کسی شے کے ساتھ اس کی ذات مشابہ نہیں اور نہ کسی

شے سے اس کی ذات کو تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ مقام و جہات کی اس کو حاجت نہیں اور ایسے ہی حوادثات و عوارضات قطعاً اس سے دوچار نہیں ہو سکتے۔ اور ایسے ہی جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، آیات اور علامات نبوت میں غور کرتا ہے تو تجھے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں وحی کے بیان میں صادق امین ہیں اور وہ امور جن کا سلف صالحین عقیدہ رکھتے ہیں سب برحق ہیں۔ کہ اللہ رب العزت کا آخرت میں مسلمانوں کو دیدار حاصل ہوگا۔ ذات الٰہی موجود ہے وہ کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور وہ حروف مقطعہ واصوات کا نام نہیں اس لئے کہ اگر وہ ایسا ہوتا تو اس کا بھی شمار مخلوقات میں سے ہوتا۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور ملکوت میں کسی وسوسہ ڈالنے والے کے وسوسہ اور کسی ناظر کی نظر سے کچھ نہیں ہو سکتا جو بھی ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قضا، قدرت، ارادہ اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اسی کی طرف سے خیر و شر، نفع نقصان اور ایمان و کفر ہے اور مخلوقات خداوندی میں سے اللہ تعالیٰ پر کوئی اکراہ کرنے والا نہیں اللہ تعالیٰ جسے ثواب عطا فرماتا ہے سو وہ اسی کا فضل و کرم ہے اور جسے عذاب میں مبتلا کرے وہ بھی اس کا عین عدل و انصاف ہے۔ اور یہ کہ صاحب شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی زبان مبارک سے امور آخرت کے متعلق جو احکامات صادر ہوئے ہیں جیسا کہ حشر نشر، عذاب قبر، سوال منکر و نکیر، میزان اعمال اور پل صراط، یہ وہ تمام اصول ہیں جن کو سلف صالحین نے اپنے اعتقادات کے مطابق بیان کیا ہے انہیں مضبوط پکڑنے کی ترغیب دی ہے اور ان تمام اصولوں پر بدعات اور خواہشات کے ظہور سے پہلے اجماع واقع ہو چکا ہے۔ دین میں بدعت ایجاد کرنے اور بغیر دلیل کے خواہشات کی پیروی کرنے سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد تو اعمال قلب اور ممنوعات کو جن کا بیان اس کتاب میں آئے گا غور کرے اور پھر ان چیزوں کو حاصل کرے جن کا استعمال ضروری ہے جیسا کہ طہارت نماز اور روزہ وغیرہ تو اس وقت تو اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کو جو کچھ تجھ پر عائد ہوا ہے ادا کرے گا۔

اور راسخین علمائے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز پر عمل کرتے آرہے ہیں۔ سو اگر تو اپنے علم کے مطابق عمل کرے اور آخرت کی عمارت کی جانب توجہ دے تو تو عالم بندہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر بصیرت کے ساتھ بغیر جہل تقلید اور غفلت کے عمل کرنے والا ہوگا۔

اس وقت تیرے لئے شرافت عظیمہ، تیرے علم کے لئے قیمت کبیرہ اور تیری عبادت کے لئے ثواب جزیل ہے اور گویا کہ تونے اس وادی کو عبور کرلیا۔ اس کے علاوہ تمام امور کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرلیا۔ آخر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے اور ہمیں اپنی حُسن توفیق کے ساتھ قوت عطا فرمائے اس لئے کہ وہی ارحم الراحمین ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

مقام توبہ اور اس کی اہمیت!

اس کے بعد عبادت الٰہی کے طلبگار کے لئے توبہ کی حاجت وضرورت ہے اور یہ دو طریقہ پر متحقق ہو سکتی ہے اولاً امر تو یہ ہے کہ تجھے طاعت الٰہی کی توفیق حاصل ہو۔ اس لئے کہ گناہوں کی بدبختی محرومی کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے بعد ذلت و رسوائی ہے اور معاصی کی قید۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں سبقت کرنے سے روکتی ہے کیونکہ معاصی کا ثقل بھلائیوں کے لئے ہلکا ہونے اور طاعات کے لئے تیار ہونے سے روکتا ہے اور گناہوں پر اصرار یہ قلب کو سیاہ کر دیتا ہے سو وہ محض ظلمت اور قساوت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس میں خلوص صفائی لذت اور حلاوت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس کے ساتھ اگر اللہ رب العزت کی رحمت شامل حال نہ ہو تو یہ چیز کفر اور شقاوت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو کہ بدبختی اور شقاوت میں مبتلا ہے کہ اسے عبادت الٰہی کی کیسے توفیق حاصل ہو سکتی ہے؟ اور وہ شخص جو کہ معاصی پر مصر سرکشی کے لئے تیار ہو کیوں کر عبادت وخدمت کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟

اور جو شخص نجاسات اور گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہو تو وہ مناجات الٰہی کیسے کرسکتا ہے۔

صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اذا کذب العبد تنحیٰ عنہ الملکان من نتن ما یخرج من فیہ۔	جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حفاظت کرنے والے فرشتے اس کے منہ کی بدبو کی وجہ سے دور ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد یہ زبان ذکر اللہ کی کیسے صلاحیت رکھ سکتی ہے گناہوں پر اصرار کرنے والا۔ وہ توفیق الٰہی کے قریب بھی نہیں ہو سکتا اس کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تخفیف ہو سکتی ہے۔ سو اگر توفیق حاصل بھی ہو جائے تو زیادہ کارگر نہیں اس لئے کہ اس میں صفائی اور حلاوت ہی نہیں۔ اور یہ تمام امور گناہوں کی بدبختی اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ بے شک جس نے بھی کہا سچ کہا ہے:۔

"کہ جب تو قیام لیل اور صیام نہار پر قوت نہ پائے پس تو سمجھ لے کہ تو کم زور اور سست ہو گیا۔ ہے مجھے تیرے گناہوں نے کمزور کر دیا۔ سو یہ تمام چیزیں اسی وجہ سے ہیں۔

اور توبہ کے لازم اور ضروری ہونے کا دوسرا امر یہ ہے کہ تیری عبادت مقبول ہو کیونکہ جس کا قرضہ ہوتا ہے وہ ہدیہ کو قبول نہیں کیا کرتا اور معاصی سے توبہ اپنے گناہوں کا اقرار فرض و لازم ہے اور تمام وہ عبادت جسے تو کرتا ہے وہ نفل کے درجہ میں ہیں۔ تو یہ تبرعات کیسے مقبول ہو سکتے ہیں۔ جب کہ فرض تجھ پر واجب ہے جسے تو نے ادا ہی نہیں کیا اور کیسے تو حلال و مباح امور کو اس کی ذات کی وجہ سے ترک کئے ہوئے اور ممنوع کاموں کا ارتکاب کر رہا ہے اور کیسے اللہ رب العزت سے مناجات دعائ اور ثناء میں لگا ہوا ہے جب کہ (عیاذ باللہ) وہ تجھ پر ناراض ہے تو یہ ظاہری حالت ان گنہ گاروں کی ہے جو کہ گناہوں کو برابر کر رہے ہیں۔

(واللہ المستعان)

توبہ کے معنی اور اس کی شرطیں

اب اگر دریافت کرے کہ توبہ نصوح کے کیا معنی، کیا اس کی تعریف ہے اور بندہ کے لئے گناہوں سے پاک وصاف ہونے کے لئے کن امور کی حاجت ہے۔

تو میں بیان کرتا ہوں کہ توبہ قلب کی کوششوں میں سے ایک کوشش کا نام ہے اور وہ چیز علماء کرام کے قول کے مطابق حاصل ہونے کے بعد انسان گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ توبہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ گناہ کے ارتکاب کو چھوڑنا ہے کہ اس جیسا گناہ اس سے باعتبار صورت اور مرتبہ کے پہلے صادر ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی وجہ سے اور توبہ کی چار شرطیں ہیں:۔

پہلی شرط۔ گناہ کے ارتکاب سے باز رہنا اور وہ یہ کہ اپنے دل میں پختہ ارادہ کرے اور اپنی رائے کو اس بات پر مضبوط کرے کہ کبھی اس گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے گا سو اگر گناہ کو چھوڑ دیا اور دل میں یہ ہے کہ پھر اس کا اعادہ کرے گا یا اس پر پختگی نہیں بلکہ شبہ اور تردد ہے کہ بسا اوقات پھر اس کا ارتکاب ہو سکے تو وہ گناہوں سے باز رہنے والا ہے توبہ کرنے والا نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرے کہ جس کے مثل پہلے کر چکا ہے۔ اگر اس جیسا گناہ پہلے سرزد نہیں ہوا تو اس شکل میں متقی شمار ہو گا توبہ کرنے والا نہیں شمار ہو گا کیا نہیں خیال کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متقی عن الکفر کہنا صحیح اور درست ہے کفر سے توبہ کرنے والا کہنا قطعاً درست نہیں۔ اس لئے کہ آپ سے کسی بھی حالت میں کفر کا شائبہ بھی صادر نہیں ہوا۔ اور عمر بن الخطابؓ کفر سے توبہ کرنے والوں میں شمار ہو سکتے ہیں اس لئے کہ آپ سے یہ چیز سرزد ہوئی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ گناہ جو کہ اس سے سرزد ہوئے ہیں ان گناہوں کے درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے برابر ہوں جن کے ارتکاب کو اس وقت ترک کر رہا ہے اور یہ برابری صورت کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ شیخ فانی جس سے زنا اور قطع طریق صادر ہو چکا ہے جب وہ ان سے

توبہ کرنا چاہیے گا یقینی طور پر اس کے لئے توبہ حاصل ہوگی اس لئے کہ اس سے اس چیز کا دروازہ بند نہیں ہوا اور زنا اور قطع طریق کے ارتکاب کے چھوڑنے پر وہ قادر بھی نہیں اور اس وقت وہ ان امور کو کر بھی نہیں سکتا تو وہ اس کے اختیار کے ترک پر بھی قابو نہیں رکھتا لہٰذا ان اوصاف کا اطلاق بھی اس پر نہیں ہو سکتا کہ ان کو ترک کرنے والا ان سے باز رہنے والا ہے وہ تو ان چیزوں کے ارتکاب سے عاجز ہے ان پر اس کو قدرت ہی حاصل نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے افعال پر قادر ہے جو کہ مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے زنا اور قطع طریق کے ہم پلہ ہیں جیسا کہ جھوٹ، تہمت، غیبت اور چغل خوری۔ اس لئے کہ یہ تمام معاصی ہیں جو کہ بدعت کے مرتبہ سے کم اور بدعت کا مرتبہ کفر و شرک کے مرتبہ سے کم ہے سو اسی لئے توبہ کرنا زنا اور قطع طریق اور تمام ان سابقہ گناہوں سے جن کی صورۃً آج نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے درست ہے۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کا ترک محض اللہ عزوجل کی عظمت اس کی ناراضگی اور دردناک عذاب سے بچنے کی وجہ سے ہو کسی دنیوی رغبت، لوگوں کے خوف، تعریف اور عذاب یا کمزوری نفس اور فقیری کی وجہ سے نہ ہو۔ یہ تمام توبہ کی شرائط اور اس کے ارکان ہیں، سو جس وقت یہ چیزیں حاصل ہو جائیں اور کمال کو پہنچ جائیں تو یہی حقیقی طور پر سچی توبہ ہے۔

اور رہا مقدمات توبہ سو وہ تین ہیں۔ ایک گناہ کی حد درجہ برائی کا ذکر کرنا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی عقوبت کی شدت اور اس کے دردناک عذاب اور ایسے غصہ اور ناراضگی کو ذکر کرنا جس کی بندہ میں قوت و طاقت نہیں۔

اور تیسرے اپنی کمزوری اور قلت حیار کو ذکر کرنا اس لئے کہ جو شخص سورج کی تیزی شرطی کے کوڑے اور چیونٹی کے کاٹنے کی قوت اور طاقت نہیں رکھتا تو نار دوزخ کی شدت اور فرشتوں کی مار کو کیسے برداشت کر سکتا ہے اور ایسے سانپوں کا کاٹنا جو کہ بختی اونٹوں کے برابر ہوں گے اور بچھوؤں کا ڈسنا جو کہ خچر، بیل کی مانند ہیں جن کو نار دوزخ سے غصہ اور ہلاکت کے مقام پر پیدا کیا گیا ہے۔

ہم بار بار اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی خفگی اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔
سو جس وقت ان تمام اشیاء پر مداومت کرے گا اور رات دن ان امور کا خیال رکھے گا تو گناہوں سے تجھے پختہ توبہ حاصل ہو جائے گی۔

اس کے بعد اگر کہا جائے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ شرمندگی اور ندامت توبہ ہے اور آپ نے ان شرائط اور امور کو نہیں بیان فرمایا جنہیں تم نے ذکر کیا ہے؟

تو اولاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ندامت بندہ کے قبضۂ قدرت ہی میں نہیں۔ بسا اوقات انسان کو چند قلبی امور کی وجہ سے ندامت اور پشیمانی لاحق ہو جاتی ہے اور وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ یہ چیز اس سے زائل ہو جائے اور توبہ تو بندہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ اس کا مامور ہے پھر ہم یہ چیز بھی جانتے ہیں کہ اگر گناہ پر ندامت بھی ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے نہ تو لوگوں کے درمیان والی عزت ختم ہوتی ہے اور نہ اس کا کچھ مال صرف ہوتا ہے۔

سو اس لئے یہ چیز قطعاً توبہ نہیں بن سکتی۔ پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث کا مطلب اور ہے جو کہ ظاہری الفاظ سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ وہ یہ کہ ندامت اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عقاب کے خوف سے جو کہ توبہ نصوح کے متعلق ہے ہونی چاہیئے اس لئے کہ یہ چیز تائبین کی صفات اور احوال سے ہے کیونکہ جس وقت ان تینوں امور کا ذکر کیا جائے گا جو کہ توبہ کے مقدمات میں سے ہیں یقینی طور پر نادم ہو گا اور یہ ندامت گناہوں کے ارتکاب کے ترک پر مجبور کرے گی اور آئندہ کے لئے اس کے قلب میں یہ ندامت باقی رہے گی جس کا نتیجہ تضرع اور ابتہال کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

جب یہ چیزیں اسباب توبہ اور صفات تائب میں سے ہوئیں تو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو توبہ کے ساتھ موسوم فرمایا۔ غرضکہ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ بخوبی سمجھ لینا چاہیئے اس کے بعد اگر تو دریافت کرے کہ انسان کے لئے یہ چیز کیسے ممکن ہے کہ کبھی اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہی سرزد نہ ہوا۔

اور انبیائے کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم ، وہ تو اللہ رب العزت کی مخلوق میں سے اشرف ترین ہستیاں ہیں ، ان کے متعلق بھی علمائے کرام میں اختلاف ہے کہ انہوں نے بھی اس درجہ کبریٰ کو حاصل کیا کہ نہیں ؟

تو یہ چیز انسان کے قبضۂ قدرت میں ہے ، محال نہیں آسان ہے ، اور رب رب العزت اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص فرما لیتا ہے ۔ پھر توبہ کی شرط یہ ہے کہ عمداً کوئی گناہ نہ کرے اگر خطاء سہو کے طور پر صادر ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاف ہے اور یہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے اس کے لئے آسان ہے ۔

اس کے بعد اگر شبہ پیدا ہو کہ مجھے توبہ سے یہ چیز مانع ہے کہ میں اپنے نفس کی حالت سے بخوبی واقف ہوں کہ میں گناہ کا ارتکاب کروں گا اور توبہ پر ثابت نہیں رہ سکتا ، تو پھر توبہ کرنے سے کیا حاصل ؟ تو یہ چیز شیطان کے دھوکے اور وساوس میں سے ہے ۔ اور پھر تجھے یہ چیز کیسے معلوم ہو گئی ۔ ممکن ہے کہ تیرا توبہ ہی کی حالت میں انتقال ہو جائے اور گناہ کا ارتکاب ہی نہ ہو ۔ اور رہا گناہ کے ارتکاب کا خوف تو اس پختگی اور صداقت حاصل کرنی چاہئے ۔ اور رب العزت پایہ تکمیل تک پہنچانے والے ہیں ۔ اگر یہ چیز کمال تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی مقصود ہے اور اگر اس کی تکمیل نہ ہو سکے تو تیرے پچھلے تمام گناہ تو معاف ہو چکے اور تو ان سے چھٹکارا اور رہائی حاصل کر چکا اور تیرے اوپر اس گناہ کے علاوہ جو کہ اب کیا ہے اور کوئی گناہ نہیں ۔

سو یہی بہت بڑا نفع اور عظیم الشان فائدہ ہے ۔ گناہ کے ارتکاب کا خوف تجھے توبہ سے نہ روکے اس لئے کہ تو توبہ کی وجہ سے ہمیشہ بھلائیوں میں سے کسی ایک بھلائی کو حاصل کرنے والا رہے گا ۔

اور اللہ رب العزت ہی ان تمام امور کی ہدایت اور توفیق عطا فرمانے والا ہے ۔

گناہ سے نکلنے اور چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ

معاصی کی کلی طور پر تین قسمیں ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے واجبات کو ترک کرنا جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور کفارہ وغیرہ جس قدر ممکن ہو ان کی ادائگی کرنی چاہیئے۔

دوسرے وہ گناہ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واقع ہیں جیسا کہ شراب پینا مزامیر وغیرہ بجانا اور سود کھانا وغیرہ سو ان پر ندامت ہونی چاہیئے اور اپنے قلب کو ان معاصی کے اعادہ کے ترک کرنے پر مضبوط کرے۔ تیسرے تیرے درمیان اور بندوں کے درمیان جو حقوق واقع ہیں ان میں معاصی کا ارتکاب ہونا۔ سو یہ مقام بہت مشکل اور دشوار ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں۔ کبھی یہ چیز مال کے اندر متحقق ہوتی ہے اور کبھی نفس آبرو و حرمت اور دین میں ثابت ہوتی ہے۔ مال کی اقسام سے جو چیزیں سرزد ہوں سو اگر تجھ میں قدرت حاصل ہو تو ان کا واپس کر دینا واجب ہے اور اگر فاقہ و مفلسی کی وجہ سے تو ان کے واپس کرنے سے عاجز ہو تو پھر اس شکل میں یہ اشیاء تیرے لئے ہیں اور اگر اس آدمی کے غائب ہونے یا اس کے انتقال کر جانے کی وجہ سے اس میں رکاوٹ در پیش ہو اور تو اس کا صدقہ کر سکتا ہے تو کر دے اور صدقہ و خیرات پر اگر قدرت حاصل نہ ہو تو نیکیاں بکثرت کرے اور اللہ رب العزت کے سامنے آہ و زاری کرے تا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکے۔

اور اگر انسانوں کے حقوق ان کی ذات سے وابستہ ہوں تو ان کو یا ان کے اولیا کو انتقام لینے کی اجازت دے تا کہ وہ تجھ سے بدلہ لے لیں یا معاف کر دیں اگر اس سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور آہ و زاری کرے تا کہ قیامت کے روز اس کو تجھ سے راضی کر دے اور عزت و آبرو کے متعلق جو اشیاء سرزد ہوئی ہیں سو اگر تو نے اس کی غیبت کی یا بہتان لگایا اور گالی گلوچ دی ہے تو تجھ پر یہ چیز واجب ہے کہ جس کے سامنے تو نے یہ افعال کئے ہیں اپنے نفس کو جھٹلائے اور اگر قدرت ہو تو اپنے ساتھی سے ان کو معاف کرائے جب کہ اس اظہار میں اس کے غصہ اور فتنہ کھڑا ہو جانے کا خدشہ نہ ہو۔ اور اگر اس کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اپنے ساتھی کے لئے استغفار کر

تاکہ حق تعالیٰ اس کو تجھ سے راضی کردے اور اس کے لئے ان امور کے مقابلہ میں خیر کثیر مہیا کرے۔

اور رہا حرمت کا معاملہ۔ بایں طور کہ اس کے اہل وعیال کے ساتھ خیانت کی ہے تو ان امور کو اس سے معاف کرانے اور ظاہر کرنے کی کوئی سبیل نہیں اس لئے کہ ان سے فتنہ کھڑا ہو جانے کا خدشہ ہے اگر اللہ رب العزت کے سامنے تضرع و ابتہال کرے تاکہ حق تعالیٰ اس کو تجھ سے راضی کردے اور ان امور کے مقابلہ میں اس کو خیر کثیر عطا فرمائے اور اگر فتنہ وغیرہ سے مامون ہو مگر یہ چیز نادر ہے تو اس سے معاف بھی کرالے۔

اور دین میں اگر اس قسم کی لغزشیں صادر ہو جائیں بایں طور کہ تو نے کسی کو کافر بدعتی یا گمراہ وغیرہ کہا اور یہ مرحلہ بہت سخت اور دشوار ہے۔ تو جن کے سامنے تو نے یہ کلمات کہے ہیں ان کے سامنے اپنی تکذیب کرے۔ اور اگر قدرت ہو تو اپنے ساتھی سے معاف کرائے ورنہ پھر اللہ رب العزت کے سامنے مع ندامت کے آہ و زاری کرے تاکہ حق تعالیٰ اس کو تجھ سے راضی کردے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس جگہ خصم کو راضی کرنے پر قدرت حاصل ہو اس مقام پر تو وہ کرے اور جس مقام پر یہ نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی جانب ابتہال اور تضرع، صدقہ اور خیرات کے ساتھ رجوع کرے تاکہ حق تعالیٰ اس کو تجھ سے راضی فرمادے اور یہ تمام امور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مشیت سے قیامت کے روز واقع ہوں گے۔

اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور احسان عمیم کے ساتھ کامل امید رکھنی چاہیئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب بندہ کے صدق قلب کو جان لیتا ہے تو اس کے خصم کو اپنے فضل وکرم کے خزانوں سے راضی فرمادیتا ہے۔ یہ اس کے حقوق میں بھلائی کے ساتھ ان کو لازم پکڑ لینا چاہیئے۔

غرضکہ جب تو ہمارے بیان کے مطابق عمل پیرا ہوگا اور قلب کو آئندہ کے لئے ان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ کرے گا تو اب تمام گناہوں سے بری ہو جائے گا۔

اور اگر قلب کی حفاظت میسر ہو جائے لیکن فوائت کی ادائگی اور خصم کی رضامندی نہ حاصل ہو تو ان امور کا تعاقب لازم ہے اور تمام گناہوں کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ غرض کہ اس مقام پر بہت شرح کی حاجت ہے کہ یہ مختصر سی کتاب اس کی گنجائش نہیں رکھتی۔

اگر زیادہ شوق ہو تو اولاً کتاب التوبہ ثانیاً کتاب القربۃ الی اللہ تعالیٰ۔ ثالثاً کتاب الغایۃ القصویٰ، کتاب احیاء علوم الدین میں سے مطالعہ کر لینا چاہیے۔ بہت فوائد اور عجیب و غریب نکات معلوم ہو جائیں گے مگر جو کچھ ہم نے اس مقام پر بیان کر دیا اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

فصل

پھر یقینی طور پر یہ بات بھی معلوم کر لو کہ یہ گھاٹی بہت سخت اور دشوار گھاٹی ہے اس کے معاملات بہت عظیم الشان اور اس کے نقصان زائد ہیں۔

ہم کو استاذ ابی اسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ سے (جو راسخین علم اور زہاد عابدین میں سے ہیں) یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ رب العزت سے تیس سال تک دعا مانگی کہ مجھے توبہ نصوح کی توفیق عطا فرما۔ اس کے بعد میں اپنے دل میں تعجب کرنے لگا کہ سبحان اللہ ایک حاجت کے متعلق میں نے اللہ تعالیٰ سے تیس سال تک دعا مانگی مگر ابھی تک ابھی مقبول نہیں ہوئی تو میں نے دیکھا جیسا کہ خواب دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ ایک کہنے والا مجھ سے کہہ رہا ہے کیا اس بات سے تجھے تعجب ہو رہا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تو نے کس چیز کا سوال کیا ہے تو نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کیا ہے کہ حق تعالیٰ تجھ سے محبت فرمائیں اور اس کے ساتھ تو نے اللہ جل جلالہ کا ارشاد نہیں سنا۔ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ایسی عظیم الشان چیز کا سوال کر رہا ہے۔ ان ائمہ کرام کو نہیں دیکھتا کہ قلب کی صفائی کے لئے کس قدر ان کا اہتمام اور دوام ہے اور آخرت کے لئے تیاری میں کتنے مصروف ہیں۔ اور رہا وہ نقصان جس کا توبہ کی تاخیر میں خدشہ ہے

سو وہ یہ ہے کہ گناہ کی ابتدا قساوت اور سختی ہے اور عیاذاً باللہ اس کی انتہا محرومی اور بدبختی کا باعث ہے۔ ابلیس اور بلعم باعوراء کے معاملہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ ان دونوں کے امور کی ابتداء محض دنیا تھی۔ اور انتہا کفر یہ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تباہ و برباد ہو گئے تجھے ہمیشہ کوشش اور بیداری اختیار کرنی چاہئے ممکن ہے کہ اس جدوجہد کی وجہ سے تیرا قلب پسیج جائے اور تیری گردن ان گناہوں سے آزاد ہو جائے اور گناہوں سے قلب کے سخت ہونے کی وجہ سے بھی مایوس نہ ہو اور اپنی حالت کو ملحوظ رکھ۔ بعض صالحین نے فرمایا ہے کہ قلب کی سیاہی یہ گناہوں کی وجہ سے ہے اور قلب کے سیاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ گناہوں سے کوئی گھبراہٹ کا مقام نہ نظر آئے۔ طاعت الٰہی کے لئے کوئی موقع میسر اور نہ نصیحت مؤثر ہو اور گناہ میں سے کسی کو کم بھی نہ سمجھو کہ اپنے کو تائب شمار کرنا شروع کر دو اور حقیقت میں کبائر کے ارتکاب پر رہو۔

ابوعبداللہ بن الحسن سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اس کی وجہ سے میں چالیس سال سے برابر رو رہا ہوں۔ دریافت کیا گیا کہ ابوعبداللہ وہ کیا گناہ ہے؟

فرمایا میرا ایک دینی بھائی مجھ سے ملاقات کے لئے آیا۔ میں نے اس کے لئے مچھلی خریدی۔ چنانچہ اس نے بھی کھائی۔ پھر کھانے کے بعد میں ایک پڑوسی کی دیوار کی جانب کھڑا ہوا اور اس دیوار سے مٹی کا کچھ حصہ لے کر اس سے اپنے ہاتھ دھوئے۔ (سبحان اللہ)

سو اپنے نفس کے ساتھ مناقشہ اور محاسبہ کر، توبہ کی طرف سبقت اور جلدی کر اس لئے کہ موت کا کسی کو علم نہیں اور دنیا محض دھوکا ہے۔ نفس اور شیطان یہ دونوں اس کے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ اللہ رب العزت کے سامنے آہ و زاری کر۔

اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کی حالت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اپنی روح خاص ان میں پھونکی اور جنت تک فرشتوں کے کاندھوں پہ پہنچایا۔ صرف ایک لغزش ان سے سرزد ہو گئی ان پر اللہ رب العزت کا

عتاب نازل ہوا حتیٰ کہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے دریافت کیا اے آدم تمہارا پڑوسی کون ہے؟ عرض کیا اے العالمین بہت ہی عمدہ پڑوسی ہے ارشاد ہوا، آدم میرے پڑوس سے چلے جاؤ اور اپنے سر سے میری کرامت کے تاج اتار دو۔ اس لئے کہ جو میری نافرمانی کرے وہ میرے پڑوس میں نہیں رہ سکتا چنانچہ یہ بھی منقول ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے اس گناہ پر دو سو سال تک آہ وزاری کی جب اللہ رب العزت نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان کے صرف ایک گناہ کی معافی ہوئی۔

یہ اللہ رب العزت کی اپنے نبی اور صفی کے ایک گناہ کے متعلق یہ شان ہے۔ تو اغیار کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔ جب گناہ بھی بے شمار ہوں۔

یہ تائب کی آہ وزاری کا مقام ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کی حالت کیا ہو سکتی ہے اور کسی نے بہت ہی اچھا کہا ہے!

جو شخص توبہ کرتا ہے وہ بھی اپنے نفس پر خوف کرتا ہے تو اس شخص کا کیا عالم ہوگا جو کہ توبہ بھی نہیں کرتا۔

سو اگر تو توبہ کر لینے کے بعد پھر اس کو توڑ دے اور دوسری مرتبہ پھر گناہ کا اعادہ کرے تو توبہ کی جانب بھی تیزی کے ساتھ سبقت کرنی چاہئے اور اپنے دل سے کہے، کاش میں مر جاؤں اس سے قبل کہ اس مرتبہ پھر گناہ کا ارتکاب کروں اور اسی طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ اگر یہ واقعہ پیش آ جائے تو پھر کرنا چاہئے اور جب بھی گناہ اور اس کے اعادہ کا ارتکاب ہو تو اسی وقت توبہ اور اس کی تجدید ہونی چاہئے اور توبہ میں اپنے گناہ کرنے سے کم اور شست نہ ہونا چاہئے اور اس وجہ سے شیطان توبہ کرنے سے نہ روکے اس لئے کہ یہ بھی خیر امور بھلائی کی طرف دلالت ہے۔ کیا تو نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سنا۔ خیارکم کل مفتن تواب یعنی کہ تم میں سے بہترین حضرات زائد گناہوں میں مبتلا ہونے والے اور زائد اس سے توبہ کرنے والے۔ اور اللہ رب العزت کی طرف ندامت و استغفار کے زائد رجوع کرنے والے ہیں اور سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کو یاد کرے:۔ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔

اور جو شخص کہ کوئی برا کام کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

لہٰذا ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے اضداد کے ساتھ وابستہ کر لینا چاہئے۔

فصل۔ گناہوں سے معافی مانگنے کا طریقہ

خلاصہ کلام یہ کہ جب تو ان امور کی ابتدا کرے اور تیرا قلب تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو جائے بایں طور کہ اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ ان گناہوں کا کبھی بھی ارتکاب نہ کروں گا مگر جس کا صدور مقدر میں ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کے مطابق توصفائی قلب کے ساتھ تیرا یہ ارادہ سچا ہونا چاہئے اور خصم کو حتی الوسع راضی کرے اور اس کے ساتھ ساتھ فوائت میں سے جس قدر پر قادر ہو اس کو پورا کرے اور باقی گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف آہ وزاری کے ساتھ رجوع کرے تاکہ یہ چیز تجھے کافی ہو جائے پھر اس کے بعد جا کر غسل کرے اور اپنے کپڑوں کو تبدیل کرے چار رکعت نفل پڑھے اور اپنے سر کو ایسی تنہائی کی جگہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ تجھے اور کوئی نہ دیکھ رہا ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر رکھ دے اپنے سر پر مٹی ڈالے اور اپنے چہرہ کو جو کہ تمام اعضا میں عزیز ہے خاک آلود کرے اس طرح کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں قلب غمگین آواز بلند ہو اور حتی الوسع ایک ایک گناہ کا تذکرہ کرے اور اپنے گنہگار نفس کو ملامت کرے۔

اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہے کہ اے نفس کیا اب بھی وقت نہیں آیا، کیا اب بھی تجھے توبہ کی ضرورت نہیں آئی کیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے (قوت وطاقت ہے) اور کیا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی حاجت وضرورت پیش آگئی۔ اس قسم کی بہت سی چیزیں ذکر کرے اور خوب روئے۔ اس کے بعد رب رحیم کے سامنے اپنے ہاتھوں کو

بلند کرے اور کہے کہ الٰہ العالمین تیرا بھاگا ہوا بندہ تیرے در پر حاضر ہو گیا، گنہگار بندہ معافی کے لئے آ گیا، تیرا خطاکار بندہ عذر لے کر حاضر ہو گیا۔ سو محض اپنے جود و کرم سے میرے عذر کو قبول فرما اور میری جانب اپنی نظر رحمت فرما۔ اے الٰہ العالمین میرے تمام سابقہ گناہ معاف فرما اور بقیہ زندگی میں مجھے معاصی سے محفوظ رکھ اس لئے کہ تمام خزاین خیر تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اور توہی رؤف و رحیم ہے۔

اس کے بعد پھر بہت کوشش سے دعا مانگے اور وہ یہ ہے

اے تمام عظیم الشان کاموں کے ظاہر کرنے والے! اے غمگساروں کے ملجا و ماویٰ، اے وہ ذات جو کسی امر کا ارادہ فرمائے تو کُن کہتے ہی وہ شئے موجود ہو جاتی ہے۔ ہم کو گناہوں نے گھیر لیا، توہی تمام گناہوں کا احاطہ فرمانے والا ہے۔ اے تمام امور کے احاطہ فرمانے والے میں ان تمام گناہوں کو تیری خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں تو میری توبہ کو قبول فرما۔ بیشک توہی توبہ قبول فرمانے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد اپنی آہ و زاری اور ذلت کو خوب ظاہر کرے اور یہ کہے کہ اے وہ ذات جسے کوئی حالت کسی حالت کی وجہ سے مشغول نہیں کرسکتی اور نہ کوئی بات کسی بات سے۔ اور اے وہ ذات جسے سوالوں کی کثرت و زیادتی مغالطہ میں مبتلا نہیں کرسکتی اور اصرار کرنے والوں کا اصرار اسے رکاوٹ میں نہیں ڈال سکتا۔ ہمیں اپنی معافی کی توفیق عطا فرما اور اپنی رحمت کے ساتھ اپنی مغفرت سے نواز یا ارحم الراحمین (اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب پر درود بھیجے اس کے بعد مومنین اور مومنات کے لئے استغفار کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار ہو جائے تو اب تو، توبہ نصوح کرنے والا ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسا کہ تجھے تیری ماں نے آج ہی جنا ہے اور اللہ رب العزت شرف محبت سے نوازیں گے، ثواب و اجر عطا فرمائیں گے۔ اور اپنی برکات و رحمتوں کی اتنی بارشیں نازل فرمائیں گے کہ اوصاف بیان کرنے والے ان کے

اوصاف بیان کرنے سے عاجز ہیں، امن وخلاصی کی دولت نصیب ہوگی اور اللہ العالمین کے عذاب ومعاصی کے غصہ سے بری ہوجائے گا اور اس کے ساتھ دنیا وآخرت میں آزمائش ہوچکی ہوگی۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اذن سے تو اس وادی کو بھی عبور کرنے والا ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے احسان اور فضل کے ساتھ ہدایت فرمانے والا ہے۔

مشکلات کی گھاٹی

اس کے بعد عبادت الٰہی کے طلب گار کو مشکلات کا مقابلہ کرنا اور اس کا عبور کرنا ہے تاکہ عبادت الٰہی پر استقامت حاصل ہو۔

اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ مشکلات کی چار قسمیں ہیں۔

امر اول۔ دنیا اور اس سے علیحدگی

دنیا اور اس کے لوازمات کا دفعیہ صرف اس سے تجرد اور علیحدگی اختیار کرنے میں ہوسکتا ہے اور دنیا سے علیحدگی اور تجرد دو وجہ سے ہوسکتی ہے۔

اول یہ کہ عبادت الٰہی پر استقامت، اس میں زیادتی اور کثرت واقع ہو۔ اس لئے کہ دنیا کی رغبت اور خواہش عبادت الٰہی سے مشغول کرنے والی ہے ظاہر کو تو دنیا کی طلب اور باطن کو دنیا کا ارادہ اور اس کا وسوسہ اور یہ دونوں امور ایسے ہیں جو کہ عبادت الٰہی میں مانع ہیں اس لئے کہ نفس ایک اور قلب بھی ایک جب ایک شے کے ساتھ مشغولیت ہوگی تو اس کی ضد فوراً ختم ہوجائے گی۔

آخرت کی مثال سوتنوں کے طریقہ پر ہے۔ اگر ایک کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا تو دوسری ناراض ہوجائے گی اور ان دونوں امور میں مثل مشرق ومغرب کے تفاوت ہے اگر ایک کی طرف التفات کرے گا تو دوسری شے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

رہا ظاہر کے اعتبار سے مشغولیت۔ تو جیسا کہ ہم نے حضرت ابوالدرداء رضی۔۔۔

نقل کیا ہے کہ فرماتے ہیں: میں اس کوشش میں لگا رہا کہ عبادت اور تجارت دونوں پر قابو حاصل کرلوں تو دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکیں نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے عبادت کو لازم پکڑ لیا اور دنیا کو ترک کردیا۔

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں چیزیں کسی اور شخص کے لئے جمع ہو سکتیں تو میرے لئے جمع ہو جاتیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت اور نرمی یہ دونوں امور عطا فرمائے ہیں۔ بسو اگر واقعہ یہی ہے تو فانی چیز سے خدشہ کرنا اور سالم و محفوظ شئے کو اختیار کرنا چاہئے اور رہی باطن کے اعتبار سے مشغولیت، سو یہ ارادہ کی وجہ سے متحقق ہو سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

من احب دنیاہ اضر باٰخرتہٖ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاٰثروا ما یبقٰی علٰی ما یفنٰی۔

جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگا آخرت کی وجہ سے وہ نقصان میں رہے گا اور جو آخرت ہی کی محبت میں لگا رہے گا وہ دنیا میں نقصان و کمی میں رہے گا لہٰذا باقی چیز کو فانی پر ترجیح دو۔

سو یہ چیز بخوبی ظاہر ہو گئی جب کہ ظاہر دنیا میں مشغولیت کے ساتھ اور باطن اس کے ارادہ کے ساتھ مصروف رہے گا تو تجھ کو کما حقہٗ عبادت الٰہی نصیب نہیں ہو سکتی اور جب دنیا سے بے رغبتی حاصل کرے گا اپنے ظاہر اور باطن کو اس سے فارغ کرے گا تو عبادت الٰہی تیرے لئے آسان ہو جائے گی۔ بلکہ تیرے اعضا تجھے عبادت الٰہی کے لئے تیار کردیں گے۔

سلمان فارسیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بندہ جس وقت دنیاوی امور سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اس کا قلب حکمت کے ساتھ منور ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اعضا عبادت الٰہی کے لئے مددگار بن جاتے ہیں۔ لہٰذا باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی پر ترجیح دینی چاہئے۔ اور دنیا سے تجرد اور علیحدگی کی دوسری وجہ

یہ ہے کہ تیرے عمل کی قیمت بڑھ جائے اور اس کی شرافت و قدر میں اضافہ ہو جائے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَرکعتان من رجل عالم	عالم آدمی کی دو رکعتیں کہ جس کا قلب
زاهد قلبه خير و احب	زاہد ہو۔ انتہائے زمانہ تک ہمیشہ ہمیشہ
الی اللہ جل جلالہ من عبادۃ	عبادت کرنے والوں کی عبادت سے
المتعبدین الی آخر الدہر ابدا سرمدا	بہتر اور پسندیدہ ہیں۔

سو جبکہ عبادت اس چیز کی وجہ سے مقبول اور زائد ہوتی ہے تو طالب عبادت کے لئے یہ چیز ضروری ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور علیحدگی اختیار کرلے۔

زہد فی الدنیا کے معنی اور اس کی حقیقت

اب اگر دریافت کیا جائے کہ زہد فی الدنیا کے معنی اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ سو یہ جان لینا چاہیئے کہ زہد ہمارے علمائے کرام کے نزدیک دو قسم کا ہوتا ہے ایک زہد تو وہ ہے جو کہ بندہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور دوسرا زہد بندہ کی قدرت سے باہر ہے۔ سو جو زہد بندہ کی قدرت میں ہے وہ تین قسم کا ہو سکتا ہے دنیا کی معدوم اشیا کی طلب کو چھوڑنا۔ دنیا کی جو چیزیں جمع ہو گئی ہیں ان کو علیحدہ کر دینا اور اس کے ارادہ و اختیار کو قطعاً ترک کر دینا۔

اور رہا وہ زہد جو کہ بندہ کی قدرت ہی میں نہیں وہ زاہد کے قلب پر کسی چیز کے متعلق اطمینانی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہے پھر یہ کہ وہ زہد جو بندہ کے قبضۂ قدرت میں ہے یہ مقدمہ اور تمہید ہے اس زہد کے لئے جو انسان کی طاقت سے خارج اور بلند ہے۔

جب بندہ اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے بایں طور کہ دنیا کی جو چیزیں اس کی قدرت میں ہیں ان کو طلب نہیں کرتا۔ اور امور دنیا میں سے جو چیزیں اس کے پاس ہیں ان کو تقسیم کر دیتا ہے اور قلب سے اس کے ارادہ و اختیار کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور آفتوں اور پریشانیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترک کر دیتا ہے

تو دنیا کی ذلت اس کے قلب پر راسخ ہو جاتی ہے اور یہی چیز زہد حقیقی ہے۔

پھر ان امور ثلاثہ میں سب سے دشوار اور شاق مرحلہ، وہ قلب سے ارادہ ترک کو دینا ہے اس لئے کہ بہت حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ باعتبار ظاہر کے تو دنیا کو ترک کرنے والے، اس سے بے رغبتی ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں تو نفس کے لئے یہ بہت بڑی مصیبت اور پریشانی کا مقام ہے اور معاملہ تمام اس ہی پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک کو بغور ملاحظہ فرماتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو کہ دنیا میں برائی کرنا اور فساد مچانا نہیں چاہتے۔

آیت کریمہ میں حکم کو ارادہ کے منفی ہونے کے ساتھ معلق فرمایا۔ طلب اور فعل مقصود کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ۔

جو کوئی (نیک عمل کر کے) آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کی کھیتی کو اور بڑھائیں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہے تو ہم اس کو وہی دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ رہے گا۔

اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ۔

اور جو شخص دنیا کی بھلائی چاہتا ہو تو جتنا ہم چاہتے ہیں اس کو جلدی سے دنیا میں دے دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول:۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

اور جو شخص آخرت کی بھلائی چاہتا ہو اور اسی کے لئے جیسی کوشش کرنا چاہیے

مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۔ — ویسی کوشش کرے اور ایماندار ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہے ۔

ان تمام آیتوں میں خداوند عالم کا اشارہ محض ارادہ ہی کی طرف ہے ۔ بسو اس وقت یہی چیز زائد مہتم بالشان ہے لیکن بندہ جس وقت معدوم کی طلب اور دنیا کی تفریق اور جدائی پر مواظبت اور استقامت اختیار کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس چیز کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کے ترک کی توفیق عطا کر کے قلب کو اس پر آمادہ فرمادے ۔ اس لئے کہ وہی ذات فضل وکرم کی بارشیں نازل فرمانے والی ہے پھر وہ چیز جو کہ اس کے ترک اور جدائی پر برانگیختہ کرتی اور اس چیز کو تیرے لئے آسان بناتی ہے وہ یہ کہ دنیا کی آفتیں اور ان کے عیوب کو بیان کیا جائے اور اس کے متعلق علماء نے بکثرت چیزیں بیان کی ہیں ۔ انہی اقوال میں سے بعض حضرات کا قول ہے کہ میں نے دنیا کو اس کی قلت غناء، سرکشی کی کثرت، جلد ختم ہو جانے اور اس کے شرکاء کے ذلیل وخوار ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا لیکن اس چیز سے بہت ہی بری رغبت کی بو آتی ہے اس لئے کہ جو شخص کسی جدائی کی شکایت کرتا ہے تو اس کی ملاقات کو محبوب رکھا کرتا ہے اور ایسے ہی جو کسی شئے کو شرکاء کی کثرت اور شرکت کی بناء پر ترک کیا کرتا ہے تو وہ اس کی تنہائی کو مرغوب رکھتا ہے ۔ بسو اس کے متعلق بہترین شئے وہ ہے جو کہ ہمارے شیخ نے فرمائی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے اور تو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے تو لامحالہ اس کے دشمن سے نفرت ہوا کرتی ہے اور فرمایا کہ اس کے ساتھ ساتھ دنیا ایک سڑا ہوا جیفہ ہے ، کیا اس کا خیال نہیں کرتا کہ دنیا کی انتہا فساد، گندگی، اضمحلال اور نجاست پر ہے ۔ لیکن اس جیفہ کو طلب نے فربہ کر دیا اور زینتوں نے اس کو آراستہ اور مزین کر دیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ غافل اس کے ظاہر کو دیکھ کر دھوکا کھا گئے ، عاقل اور سمجھ دار اس چیز سے بچے رہے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زہد ہمارے نزدیک حلال اور حرام ہر ایک چیز میں متحقق ہو سکتا ہے بسو حرام کے اندر تو فرض ہے اور حلال امور میں بمنزلۂ نفل کے ہے اور ان حرام کا

مرتبہ طاعات الٰہی پر استقامت حاصل کرنے والوں کے لئے بمنزلہ مردار اور گندگی کے
ہے ضرورت کے وقت محض ضرر و نقصان کے دفع کرنے کی خاطر وہ اس کی جانب متوجہ
ہوتے ہیں اور رہا امور حلال میں زہد کرنا سو یہ اولیاء اللہ کی شان ہے کہ ان کے نزدیک
حلال بھی بمنزلہ مردہ کے ہے۔ بقدر حاجت وضرورت وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور حرام
تو ان کے نزدیک بمنزلہ نار دوزخ کے ہے کہ اس کے ارتکاب کا شائبہ بھی ان کے دل
میں نہیں گزرتا اور یہی معنی برودت قلب کے ہیں کہ ان امور کی وقعت ختم ہو جاتی ہے اور
ان اشیاء کو بہت منکر اور بہت برا خیال کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ اس کے قلب میں ان چیزوں
کا اختیار اور ارادہ کلی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

اگر اس کے بعد یہ چیز کہی جائے کہ دنیا اپنی شہوات اور لذات عجیبہ کے باوجود
جن کا انسان طالب ہے بمنزلہ نار دوزخ اور ناپاک جیفہ کے کیسے ہو سکتی ہے جبکہ مقصود
ہماری ذات اور طبائع ہماری طبیعتیں ہیں۔

سو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جسے توفیق خاص حاصل ہوتی ہے اور وہ دنیا کی آفات اور
اس کے حقیقی نجس ہونے کو پہچان لیتا ہے تو اس کے نزدیک دنیا کی یہی حقیقت ہو جاتی
ہے اور اس چیز سے وہ حضرات جو کہ دنیا کے طالب اور اس کے عیوب و آفات سے بہرہ
اور دنیا کی زینت و ظاہر سے دھوکا کھا جانے والے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں، غرض کہ میں اس
چیز کو ایک مثال سے واضح کر دیتا ہوں۔

وہ یہ کہ ایک آدمی نے حلوہ مع اس کے لوازمات کے تیار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ
اس میں زہر بھی ملا دیا۔ ایک شخص نے تو اس کا مشاہدہ کر لیا اور دوسرے کی نظر اس
جانب متوجہ نہیں ہوئی چنانچہ اس نے حلوے کو مزین و آراستہ کر کے دونوں کے سامنے
رکھ دیا لہٰذا جس نے اس زہر کو دیکھ لیا وہ یقینی طور پر اس سے علیحدہ رہے گا اور اس کے
دل میں یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوگا کہ اس حلوے سے کچھ کھائے اور یہ چیز اس کے
سامنے بمنزلہ آگ بلکہ اس سے بھی زیادہ شاق ہو جائے گی۔

کیونکہ وہ اس راز سے واقف ہے تو وہ اس کی آب و تاب دیکھ کر کبھی بھی دھوکا

نہیں کھا سکتا اور دوسرے شخص نے یہ چیز دیکھی بھی نہیں کہ اس میں کس چیز کی آمیزش ہے تو یقینی طور پر وہ اس کی ظاہری زینت سے دھوکا کھا جائے گا اور حرص و طمع میں مبتلا ہو کر قوت صبر اور برداشت کو کھو بیٹھے گا اور ساتھ ساتھ اپنے ساتھی سے متعجب ہو گا۔

غرضکہ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ اس کو بے وقوف ہی خیال کرے گا۔ اصحاب استقامت اور دنیا والوں میں سے ہر ایک کی یہی مثال ہے۔

اور اگر حلوے میں زہر نہیں ڈالا۔ بلکہ لعاب اور ریزش دہن وغیرہ ڈال دی اور اس کو بھی آراستہ وغیرہ کر دیا۔ تو جس نے اس کا مشاہدہ کر لیا وہ اس حلوے سے بھی علیحدہ رہے گا اور اس کو منکر سمجھے گا ضرورت اور شدت حاجت کے بغیر کسی بھی حال میں اس کی طرف سبقت نہیں کر سکتا اور برخلاف اس کے جس نے اس کو دیکھا نہیں وہ اس کی ظاہری آب و تاب کو دیکھ کر دھوکا کھا جائے گا اور اس پر حرص، طمع، خوشی اور لذت کے ساتھ فریفتہ ہو جائے گا۔ یہ دنیا کی حلال اشیاء کی مثال ہے دونوں فریقین کے سامنے اہل بصیرت اور استقامت اور اہل رغبت و غفلت۔ ان دونوں حضرات کی باوجود طبع اور نیت میں برابری ہونے کے حالت اس وجہ سے مختلف ہوئی کہ ایک نے تو بصارت اور علم سے کام لیا اور دوسرے نے جہالت و سرکشی اختیار کی۔ اگر فریق ثانی اس بصارت اور علم کو حاصل کرے جس کو اس زاہد نے اختیار کیا ہے تو یہ بھی اس ہی زاہد جیسا ہو گا اور اگر زاہد ان امور کو نظر انداز کر دے تو وہ راغب جاہل کی طرح ہو گا بخوبی یہ چیز معلوم ہو گئی کہ تمیز اور جدائی طبیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ بصیرت اور علم کی بنا پر ہے۔ لہٰذا یہی مفید اور نافع کلیہ اور کلام فیصل ہے۔ جس میں عقل اور انصاف کا کچھ بھی مادہ ہو گا وہ اس کو یقینی طور پر تسلیم کر لے گا باقی توفیق و ہدایت پروردگار عالم محض اپنے فضل سے عطا فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد اگر شبہ پیدا ہو کہ دنیا کی بھی تو قدرے حاجت ہے تاکہ ہمیں اس سے

قوت حاصل ہو تو پھر کلی طور پر کیسے زہد حاصل ہو سکتا ہے۔

تو اس کا جواب میں دیئے دیتا ہوں کہ زہد ان فضول اشیاء میں ہونا چاہیئے جن کی قوام انسانی میں ضرورت اور حاجت نہیں مقصود بالذات تو قوت اور طاقت حاصل کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے کھانا پینا اور لذت حاصل کرنا یہ تو مقصود نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو کسی شے اور سبب کے ساتھ قوت عطا فرما دیتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو بغیر سبب کے اس کی قوت عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ ملائکہ علیہم السلام۔

اور پھر اگر یہ طاقت و قوت کسی شے کی بنا پر حاصل ہوتی ہے تو اس میں دو شقیں ہیں۔ یا تو ایسی چیز کے ذریعہ سے جو کہ تیرے پاس تیری طلب اور کمائی اور جستجو کی بنا پر ہے قوت عطا فرما دیتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس کے علاوہ اور کسی شے سے طاقت عطا فرماتا ہے جو کہ تیرے خیال سے بالاتر اور تیرے کسب و طلب سے بلند ہوتی ہے اسی چیز کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ	اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ
يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	اس کے لئے ایک راستہ نکال دیتا ہے
وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ	اور اس کو وہاں سے روزی پہنچاتا ہے
لَا يَحْتَسِبُ ۔	جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا ۔

تو اس شکل میں کسی بھی حالت میں طلب اور ارادہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس زہد کو نہیں حاصل کر سکتا۔ اور طلب و ارادہ ہی ہے تو اس چیز اور قوت کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے محض شہوت اور لذت پیش نظر نہ ہو۔ اس لئے اگر یہ چیز پائی جائے گی تو تیرا ارادہ اور طلب سب خیر ہی میں شمار ہوگا۔ اور یہی حقیقی طور پر آخرت کی طلب سمجھی جائے گی جس میں دنیا کا کوئی شائبہ بھی نہ ہوگا اور اب تیرے زہد اور تجرد پر کوئی نکتہ چینی کی گنجائش ہی باقی نہیں رہے گی (غرض کہ ان امور کو اللہ رب العزت کی توفیق اور ہدایت کے ساتھ

خوب سمجھ لینا چاہیئے)

مرحلۂ ثانی۔ مخلوق

اس کے مخلوق سے بھی تنہائی اور علیحدگی اختیار کرنی چاہیئے اور یہ تنہائی و علیحدگی بھی دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ امر اول تو یہ ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتی اور بے پرواہ بناتی ہے جیسا کہ بعض حضرات سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں ایک جماعت پر گزرا جو کہ تیراندازی کر رہی تھی اور ایک آدمی ان سے دور بیٹھا ہوا تھا تو میں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ ان سے گفت و شنید کروں۔ لہٰذا ان صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنا یہ تم سے باتیں کرنے سے مجھے زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہے۔

میں نے کہا تو صرف آپ ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار اور میرے دونوں فرشتے ہیں۔ میں نے عرض کیا ان حضرات میں سے اس چیز کی جانب کون سبقت کرتا ہے۔ فرمایا جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتے اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ وہاں تک وصول کا راستہ کونسا ہے۔ انہوں نے آسمان کی جانب اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتلا دیا اور مجھے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخلوق عبادت الٰہی سے بے پرواہ بلکہ اس سے روک دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہلاکت اور فساد میں مبتلا کر دیتی ہے جیسا کہ حاتم اصم نے فرمایا کہ میں نے مخلوق سے پانچ چیزوں کا مطالبہ کیا جن میں سے ایک بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ میں نے مخلوق سے طاعت الٰہی اور زہد کا مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی مدد اور اعانت کی درخواست کی۔ اس پر بھی یہ تیار نہ ہوئی۔ پھر میں نے کہا کہ میرے ان کاموں پر مجھ سے راضی ہی رہو۔ مگر وہ نہ مانی۔

میں نے کہا اچھا کم از کم مجھے ان کی ادائگی سے منع تو نہ کرو۔ مگر وہ روکتی رہی۔ آخر میں میں نے کہا اچھا جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کی مجھے دعوت نہ دو۔

تمہاری پیروی نہ کرنے پر میرا تعاقب نہ کرو۔ غرضکہ وہ اس پر بھی تیار نہ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ میں سب کو چھوڑ کر محض اللہ رب العزت کی عبادت میں مصروف ہوگیا۔ میرے محترم بھائی تیرے نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی اختیار کرنے کے زمانہ کو بتلادیا۔ اس لے اوصاف اور اس زمانہ والوں کے اوصاف کو بخوبی بتلادیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس زمانہ میں تنہائی اختیار کرنے کا حکم بھی فرمادیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لقینی طور پر صالح امور کو جاننے والے اور ہمارے لئے ہم سے زیادہ نصیحت و خیر خواہی کا معاملہ فرمانے والے ہیں۔ سو اگر تو اپنے زمانہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور اوصاف کے مطابق پالے۔ تو آپ کے ارشاد میں سبقت کر اور اس نصیحت عظمیٰ کو قبول کر اور اس امر میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرے زمانہ کے احوال سے جو کہ تیرے لئے مناسب ہیں بخوبی واقف تھے۔ اور علل کا ذیبا اس میں تلاش کرکے اپنے نفس کو دھوکے میں نہ مبتلا کر ورنہ پھر تو ہلاک وبرباد ہوجائے گا اور وہ اوصاف جن کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے وہاں احادیث مشہورہ کے اندر مذکور ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ:۔

بینا نحن حول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ ذکر الفتنة فقال اذا رأیتم الناس مرجت عهودهم و خفت اماناتهم و کانوا هکذا و شبك بین اصابعه قلت ما اصنع عند ذالك جعلنی اللہ فداك قال الزم بیتك و املك علیك لسانك	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم انسانوں کو دیکھو کہ ان کے وعدے مخلوط ہوگئے اور امانتیں ختم ہوگئیں اور آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرکے فرمایا کہ وہ اس طرح ہوجائیں حضرت عبداللہ نے عرض کیا میری جان آپ پر قربان ہو میں اس وقت کیا کروں۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر کو لازم پکڑ اور اپنی زبان کو قابو میں

وخذ ما یعرف ودع ما تنکر وعلیک بامر الخاصة ودع عنك امر العامة	رکھ اور جس چیز کو اچھا جانتا ہو اس کو اختیار کر اور جس کو برا سمجھتا ہو اس کو چھوڑ دے اور صرف اپنی ذات کو سنبھال اور عوام کے معاملات سے علیحدہ رہو۔

اور دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

ذلک ایام الھرج قیل وما ایام الھرج قال لا یأمن الرجل جلیسه۔	کہ یہ فتنوں کے دن ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ فتنوں کے دن کونسے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جس وقت کوئی انسان اپنے ساتھی سے مامون نہ ہو۔

ایک اور مقام پر عبداللہ بن مسعودؓ نے حارث بن عمیرہؓ سے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ اگر تمہاری زندگی رہی تو تمہارے سامنے ایسا زمانہ آئے گا جس میں خطباء اور واعظین زیادہ ہوں گے اور علماء کرام بہت کم سوال کرنے والے بہت زائد دینے والے بہت کم اور خواہش علم کا پیشواء و مقتداء دریافت کیا کہ یہ وقت کب آئے گا۔ فرمایا جب کہ نماز کی کوئی اہمیت نہ باقی رہے اور رشوتوں کا بازار گرم ہو جائے اور دین دنیا کے تھوڑے سامان کے بدلے فروخت کیا جانے لگے سو ایسے وقت سے نجات مانگنی چاہیئے، تیرے لئے ہلاکت ہو ایسے وقت سے نجات مانگنی چاہیئے۔

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں ہم نے احادیث سے جو کچھ ان امور کو بیان کر دیا ان کو تو اپنی آنکھوں سے اس زمانہ اور زمانہ والوں میں دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا اپنی ذات کے لئے ہی کچھ سوچ لینا چاہیئے۔ سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے زمانہ میں ان امور سے ڈرانے پر اتفاق کیا ہے اور تنہائی کو ترجیح دی ہے اور اسی کا حکم اور وصیت فرمائی۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی حضرات ناصح اور بصیرت رکھنے والے

اور زمانہ ان حضرات کے بعد ان کے زمانہ سے بہتر نہیں بلکہ بدترین ہے۔

اور یہی چیز یوسف بن اسباط سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ثوری رضی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عزلت اور تنہائی اس زمانہ میں حلال ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ چیز ان کے زمانہ میں حلال ہے تو ہمارے زمانہ میں واجب اور فرض ہے۔ سفیان ثوری رضی سے یہی منقول ہے کہ انھوں نے اپنے خدام خاص کو لکھا:

ابا بعد تم ایسے زمانے میں موجود ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس زمانہ سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کہیں یہ زمانہ ان کی موجودگی میں نہ آجائے اور انہیں وہ علوم حاصل تھے جو ہمیں حاصل نہیں۔ سو ہماری کیا حالت ہونی چاہیئے جبکہ ہم نے اس زمانہ کو قلت علم، قلت صبر اور خیر پر مدد کرنے والوں کی تعداد کم، دنیا میں سرکشی اور انسانوں میں فساد برپا ہے۔ اس حال میں پایا ہے۔

اسی کے پیش نظر عمر فاروق رضی نے فرمایا ہے عزلت اور تنہائی میں بروں کی صحبت نہ اختیار کرنے سے راحت اور آرام ہے اور اسی چیز کی ادائیگی کے لئے یہ اشعار بھی کہے گئے ہیں۔ یہ زمانہ جس سے ہم حضرت کعب اور عبد اللہ بن مسعود رضی کے قول کے مطابق نبرد رہے ہیں۔ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں حق تو کلی طور پر مفقود، ظلم اور سرکشی اس میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔

زمانوں کے احوال سے اندھا اور بہرا اس میں پریشان ہو رہا، ابلیس کی ترقی اور اشاعت ہے اگر یہی حالت رہی یہی حالت ہی اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ نہ تو کسی مرنے والے پر غم کیا جائیگا اور نہ کسی پیدا ہونے والے پر خوشی اور سفیان بن عیینہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انھوں نے سفیان ثوری رضی سے فرمایا مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔

فرمایا انسانوں سے تعلقات کم رکھو۔ سفیان بن عیینہ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں کیا حدیث میں یہ نہیں آیا کہ انسانوں سے تعلقات بڑھاؤ اس لئے کہ ہر مومن کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا سفیان ثوری نے فرمایا مجھے تیرے متعلق یہی گمان ہے کہ تجھے جتنی باتیں ناگوار ہوں گی وہ دوست اور احباب ہی سے پیش آئیں گی۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے کہا: درست ہے اس کے بعد سفیان ثوری انتقال فرما گئے میں نے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ کچھ امور بیان کر رہے ہیں میں نے پھر عرض کیا ابو عبد اللہ مجھے وصیت فرمائیے۔

انھوں نے پھر یہی فرمایا۔ حتی الوسع انسانوں سے تعلقات کم رکھو۔ اس لئے کہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا

بہت مشکل اور دشوار ہے اور اس مضمون کی وضاحت کے لئے کچھ اشعار بھی کہے گئے ہیں۔

اور جب سے میرے اوپر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوئے برابر میں مخلوق کی تفتیش اور ان سے تعلقات بڑھانے میں لگا رہا سو انسانوں میں سے جس کو بھی پہچانتا تو اسے بعد میں برا ہی خیال کرتا۔

اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو خیر اور بھلائی کے ساتھ بدلہ عطا فرماتے جسے میں نہیں پہچانتا۔ اور میرا کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی وجہ سے مجھے مشقت اور پریشانی لاحق ہوئی ہو۔

علاوہ اس کے کہ میں نے ان حضرات سے محبت شروع کر دی جن میں انصاف کا مادہ ہی مفقود ہے اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے مکان کے دروازہ پر لکھ دیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بھلائی عطا فرمائے جو کہ ہمیں نہیں پہچانتے اور ہمارے احباب کو اس میں سے کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہ عطا فرمائے اس لئے کہ ہمیں کوئی بھی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچی۔ مگر ان حضرات کی بنا پر۔ انتہیٰ۔

اور اسی چیز کو اشعار میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو خیر اور بھلائی عطا فرمائے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دوستی اور تعارف نہیں اس لئے کہ ہمیں انسانوں سے دوستی اور تعارف ہی کی بنا پر مشقت اور تکلیف لاحق ہوتی ہے۔

حضرت فضیل ؒ نے فرمایا ہے، یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں اپنی زبان کو محفوظ رکھ اپنے مرتبہ کو کم سمجھ اور اپنے قلب کا علاج کر۔ اور ساتھ ساتھ معروف کو لازم پکڑ۔ اور امور منکرہ کو چھوڑ۔

اور سفیان ثوری ؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، یہ خاموشی، مکانوں کو لازم پکڑنے اور موت تک بقدر ضرورت پر راضی ہونے کا زمانہ ہے۔

اور داؤد طائی ؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، دنیا سے غفلت، آخرت پر نظر رکھو اور انسان سے ایسا بھاگ جیسا کہ شیر سے بھاگا جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ سے

منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی بھی حکیم کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ انہوں نے اپنی گفتگو کے آخر میں فرمایا۔ اگر تو اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ تو مشہور و معروف نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خوشی کی چیز ہے۔

اس چیز کے بیان کے لئے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ یہ کتاب ان تمام واقعات کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں رکھتی اور ہم نے اس مضمون پر ایک علیحدہ کتاب تالیف کر دی ہے جس کا نام کتاب "اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار" رکھا ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کرو عجیب و غریب واقعات معلوم ہوں گے اور عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

واللہ ولی التوفیق والھادی الیہ بفضلہ۔

اور مخلوق سے تنہائی اور علیحدگی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مخلوق سے اگر عصمت الٰہی شامل نہ ہو عبادت الٰہی کرنے میں ایسے اسباب کی بنا پر جو کہ ان کی جانب سے پیش آتے ہیں جیسا کہ ریا، نمائش وغیرہ مانع اور حائل بنے گی۔

یحییٰ بن معاذ الرازی نے سچ فرمایا ہے کہ انسانوں سے ملنا یہ ریاکار کا بستر ہے۔ اور زاہدین نے ایسی چیز کا اپنے اوپر خوف کیا ہے حتیٰ کہ ملاقات اور ملنا ترک کر دیا

ہرم حیان نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہمیں اپنی ملاقات کے ساتھ مشرف فرمائیے۔ اویس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہارے ساتھ ایسی چیز کا تعلق قائم کر لیا ہے جو کہ زیارت اور ملاقات سے بہت ہی نفع مند ہے اور تمہاری عدم موجودگی میں دعا کرنا ہے اس لئے کہ زیارت اور ملاقات میں ریا اور نمائش لاحق ہوتی ہے۔

جس وقت ابراہیم ادہم تشریف لائے تو سلیمان خواص سے کہا گیا کہ آپ ملاقات کے لئے کیوں نہیں آئے سلیمان خواص نے کہا کہ کسی سرکش شیطان سے ملنا مجھے پسندیدہ ہے بہ نسبت اس کے کہ ان سے ملاقات کے لئے آؤں۔ حاضرین کو ان کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی فرمایا کہ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر میں ان سے ملاقات کروں تو ان کے لئے نمائش اور زینت نہ بن جاؤں۔ اور اگر شیطان سے ملنا ہو۔ تو پھر میں اسے ان کے پاس آنے سے روک دوں۔

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں) میرے شیخ نے بعض عارفین سے ملاقات کی کچھ دیر تک دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ گفتگو کے بعد پھر دونوں صاحبان نے دعا مانگی۔ شیخ امام عارف نے کہا مجھے کوئی ایسی مجلس اس سے زیادہ امید اور فضیلت والی یاد نہیں کہ جس میں میں بیٹھا ہوں۔ اس پر عارف صاحب نے فرمایا۔ لیکن میں کسی مجلس میں نہیں بیٹھا کہ ان مجلس والوں کے لئے مجھے خوف ہوا ہو مگر یہ مجلس اس لئے کہ کیا آپ نے بہترین علمی باتیں اور دقائق میرے سامنے نہیں بیان کئے میری بھی یہی حالت ہے۔ تو لامحالہ اس میں ریا رفرور ہوئی۔ یہ سُن کر میرے شیخ کچھ دیر تک روتے رہے پھر اُن پر غشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد یہ اشعار ان کی زبان پر جاری ہوئے۔

ہائے کاش ایسی توفیق جس کے ذریعہ سے اس شخص کو زیادہ خوف ہو جو کہ حاکم سے انصاف کی درخواست کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کو لے کر مبارزت کرتا ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ میرے اوپر اس کے علاوہ اور کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ اے پروردگارِ عالم میں تجھ سے ہر اس گنہگار کی بابت معافی کی درخواست پیش کرتا ہوں کہ جس نے گناہوں میں زیادتی کی۔ مگر یہ کہ وہ نادم و شرمندہ ہونے کے بعد رات کی اندھیریوں میں کہتا ہے۔ افسوس ہے ایسے گناہ پر کہ جس نے تمام عالم کو گھیر لیا۔

سو یہ زاہدین اور عابدین کی ملاقات کے احوال ہیں۔ تو سرکش اور دنیا پرستوں کا کیا حال ہو سکتا ہے بلکہ شریر اور جاہلوں کا۔

زمانہ نے فسادِ عظیم کی حالت میں ظہور کیا ہے اور انسان بہت ہی خسارہ اور نقصان میں مبتلا ہیں یہ تمام امور تجھے عبادت الٰہی سے بے پرواہ بنا دیں گے حتیٰ کہ ان سے کوئی چیز بھی نہیں حاصل ہو سکتی۔ پھر عبادت الٰہی میں سے جو امور کر چکا ہے ان کو تباہ و برباد کر دیں گے کہ جس کی حفاظت و سلامتی تیرے لئے مشکل اور شاق ہو جائے گی۔

لہٰذا انسانوں سے عزلت اور تنہائی اور اس دور فتن سے استعاذہ لازم اور ضروری ہے اور اللہ رب العزت ہی اپنے فضل و رحمت سے حفاظت عطا فرمانے والا ہے

عزلت اور تنہائی کا حکم اور اس کی مقدار

اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ عزلت اور تنہائی کا کیا حکم ہے۔ ہمارے سامنے مخلوق کے طبقات اور اس مقدار کو جو ہمارے لئے واجب و ضروری ہیں، ان کو بیان کرو۔

سو یہ بات سمجھ لو کہ اس چیز کے اندر انسان دو قسم کے واقع ہوتے ہیں۔ پہلا شخص تو وہ ہے جسے مخلوق سے علم اور کسی امر وغیرہ میں حاجت اور ضرورت درپیش نہیں۔ لہٰذا اس شخص کے لئے یہ چیز بہتر ہے کہ انسانوں سے تنہائی اختیار کرے اور سوائے جمعہ، جماعت، عید، حج، مجلس علم اور دنیوی امور جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ ان سے ملاقات نہ کرے اور اپنی حیثیت کو پوشیدہ رکھے اور جو امور معلوم نہیں کئے جا سکتے ان کی حقیقت کو لازم پکڑے سو اگر یہ انسان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مخلوق سے بالکل ہی علیحدگی اختیار کر لوں تو کسی بھی معاملہ میں کبھی بھی اُن سے نہ ملاقات کرے خواہ وہ دین ہو یا دنیا یا جماعت وجمعہ وغیرہ۔

بوجہ اس شے کے کہ اسے ترک ملاقات اور علیحدگی میں مصلحت نظر آتی ہے۔ اور یہ دو وجہ سے متحقق ہو سکتی ہے۔ یا تو ایسے مقام پر چلا جائے کہ جہاں اس پر یہ فرائض ہی نہیں عائد ہوتے جیسا کہ پہاڑ کی چوٹیاں اور گھاٹیاں وغیرہ اور ممکن ہے کہ یہی وجہ ہے جس پر عابدین حضرات انسانوں اور مخلوق سے دوری حاصل کر لیتے ہیں اور یا تحقیقی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ نقصان کہ جو ان فرائض کی ادائگی میں انسانوں کے ساتھ میل جول رکھنے میں حاصل ہوگا وہ ان کے ترک سے زائد اور اشد ہے تو اس وقت ان فرائض کے ترک پر اس کے لئے ایک عذر کی شکل نکل آئے گی۔

میں نے خود مکہ مکرمہ میں بعض مشائخ منفردین کو دیکھا کہ وہ جماعت میں مسجد حرام میں باوجود اس کے قریب ہونے اور اپنی صحت کے درست اور اچھا ہونے کے حاضر نہیں ہوتے تھے۔

تو میں نے اپنے شک اور تردد کے عالم میں ایک دن اس کی تاک لگائی چنانچہ
انہوں نے اس چیز کے متعلق اپنا عذر بیان کیا کہ جس کا ہم نے اشارہ کیا ہے۔
یعنی جماعات کی حضوری میں جو ثواب حاصل ہوتا ہے وہ مسجد تک جانے اور
انسانوں سے ملاقات کرنے میں جو گناہ لاحق ہو جاتے ہیں ان کو کفایت نہیں کر سکتا۔
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ تمام معاملات میں معذور پر کوئی جبر نہیں
اللہ رب العزت عذر سے بخوبی واقف اور علیم بذات الصدور ہے۔ جمعہ، جماعت
اور تمام امور خیر میں ملاقات کرے لیکن منصفانہ طریقہ اس میں وہ پہلا ہی ہے کہ انسان
سے اور ان امور کے علاوہ ان سے علیحدہ اور جدا رہے۔
اور اگر شق ثانی مرغوب ہے کہ انسانوں سے بالکل جدائی اختیار کر لی جائے تو
اس میں بہتر سبیل یہ ہے کہ انسان ایسے مقام پر چلا جائے کہ جہاں یہ فرائض ہی واجب نہیں ہو۔
اس لئے کہ تیسری شکل وہ یہ کہ مخلوق کے ساتھ ایک ہی شہر میں موجود رہے
مگر جمعہ اور جماعت میں کسی عذر کی بنا پر جو اسے گناہ اور ہلاکت کی وجہ سے لاحق ہو،
نہ حاضر ہو۔ تو اس میں نظر دقیق اور عوارض عظیم کی حاجت و ضرورت ہے تاکہ یہ فریضہ
اس سے ساقط ہو جائے۔
اور اس میں مغالطہ اور بدگمانی کا بھی خدشہ ہے باقی پہلے دونوں طریقے اسلم
اور احفظ ہیں باقی اللہ رب العزت ہی محض اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمانے والے ہیں
اور رہا دوسرا شخص سو وہ جبکہ علم میں انسانوں کا مقتدا، اور پیشوا ہو بایں طور کہ
انسانوں کو اپنے دینی امور میں اس کی حاجت اور ضرورت در پیش ہو۔
اس طور پر کہ کسی حق کو بیان کیا جائے یا کسی بدعتی کی تردید یا قول اور فعل کے ساتھ
خیر کی جانب دعوت دی جائے تو ایسے شخص کا انسانوں سے تنہائی حاصل کرنا قطعی مناسب
نہیں۔ بلکہ انسانوں ہی کے درمیان رہنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نصیحت کی
جا سکے۔ اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات
کو بیان کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

إذا ظهرت البدع	جب بدعات کا ظہور ہو جائے اور عالم
وسكت العالم	اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کرے
فعليه لعنة الله	سو ایسے عالم پر اللہ کی لعنت نازل ہو

(والعیاذ باللہ)

یہ چیز اس وقت ہے جب کہ وہ عالم ان کے درمیان موجود ہو لیکن اگر یہ ان کے باہر بھی چلا جائے تو پھر بھی عزلت اور علیحدگی جائز نہیں۔

استاذ ابا بکر بن فورک کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے اس بات کا قصد و ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخلوق سے علیحدگی اختیار کی جائے چنانچہ وہ ایک پہاڑ پر سے گزر رہے تھے کہ ایک آواز سنائی دی۔ اے ابوبکر! جب کہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی حجتوں میں سے ایک حجت اور دلیل بن گیا تو تو نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا ساتھ چھوڑ دیا چنانچہ یہ واپس ہو گئے اور ان کا مخلوق خدا کے ساتھ نسبت اختیار کرنے کا یہی سبب ہوا۔

اور مجھ سے مامون بن احمدؒ نے بیان کیا ہے کہ استاذ ابا اسحٰق نے عابدین حضرات سے فرمایا: جبل لبنان یا اکلۃ الحشیش.. تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بدعتیوں کے ہاتھ میں دے دیا اور یہاں آکر گھاس پھونس کھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا، ہم انسانوں کے ساتھ رہنے کی طاقت اور قوت نہیں رکھتے۔

اللہ رب العزت نے اس چیز کی آپ کو قوت عطا فرمائی۔ چنانچہ ابو اسحٰق نے انسانوں کے ساتھ صحبت اختیار کر لی، اور اس کے بعد کتاب الجامع للجلی والخفی تصنیف فرمائی۔ اور ان حضرات کو باوجود علمی کمال حاصل ہونے کے عمل پر عبور یکتائی اور طریق آخرت کو اختیار کرنے میں نظر دقیق حاصل تھی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔)

اور اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لو کہ اس شخص کو کہ جس کے انسان امور دین میں محتاج ہیں، انسانوں کے ساتھ صحبت اختیار کرنے میں دو ضروری چیزوں کی حاجت اور ضرورت ہے۔ ایک تو صبر طویل، حلم عظیم، نظر لطیف اور تمام امور پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ

سے استعانت حاصل کرنا۔ دوسرے دیگر تمام امور میں ان سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیئے اگرچہ باعتبار شخصیت وجسم کے ان کے ساتھ موجود ہو ۔ لہٰذا ۔ اگر وہ گفتگو کرنا چاہیں تو یہ بھی گفتگو کرے اور اگر وہ ملاقات کے لئے حاضر ہوں تو باعتبار ان کے مرتبہ وقدر کے ان کی تعظیم کرنی چاہیئے اور اگر انسان اس سے اعراض اور خموشی اختیار کرے تو ایسے موقع کو غنیمت سمجھے۔ اگر بھلائی اور حق کا کوئی معاملہ کر رہے ہیں تو ان کی مدد کرے اور اگر لغویات اور برائیوں میں مبتلا ہیں تو ان کی مخالفت اور علیحدگی اختیار کرے اگر قبول کی امید ہو تو ان کی تردید اور اس چیز کے ارتکاب پر خفگی کا اظہار کرے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جتنی قوت وطاقت ہو ان کے تمام حقوق کو پورا کرے خواہ ملاقات کر کے عبادت میں شرکت حاصل کرکے اور ان کی ان ضروریات پورا کر کے جو کہ اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور بدلہ ومکافات کا طلبگار نہ ہو اور نہ اس کی ان سے امید رکھے اور ان امور میں ان کو اپنے سے بدگمان نہ بنائے۔ اگر قدرت حاصل ہو تو ان پر خرچ کرنے میں فراخ دلی سے کام لے اور کسی چیز کے لینے پر اگر وہ دیں تو انقباض حاصل نہ کرے۔

اور ان سے برائیوں کو دور کرے اور بشارتوں کا اظہار کرے اور اپنے ظاہر کو ان کے سامنے صاف اور ستھرا رکھے اور اپنی حاجتوں کو ان سے پوشیدہ کرے کہ وہ اپنی ذات پر قیاس کئے رکھیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر اس کا تدارک کریں۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ اس چیز کی بھی حاجت ہے کہ اپنے نفس اور ذات کے لئے خاص طور پر توجہ کرے تاکہ عبادت خالصہ کی دولت حاصل ہو۔ جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں رات کو آرام کروں تو اپنے نفس کو خسارہ ونقصان میں مبتلا کرتا ہے اور اگر دن میں آرام کروں تو یہ رعایا کے حقوق کو ضائع کرنا ہے تو ان دونوں وقتوں میں مجھے آرام کا موقع کیسے مل سکتا ہے۔

اس مضمون کو ادا کرنے کے لئے میرے ذہن میں کچھ اشعار آگئے ہیں:۔

اگر تجھے ائمہ کرام کی سیرت سے رغبت ہے تو اپنے نفس کو اس چیز پر مضبوط رکھ

کہ تجھے مصیبتیں بلادیں۔ باوقار نفس کے ساتھ ہر بُری شے کے وجود پر اور ایسے صابر قلب کے ساتھ کہ وہ سینہ میں رکاوٹ کا کام انجام دے۔

تیری زبان پوشیدہ تیرے اطراف جکڑے اور ایسے ہی تیرے اسرار پوشیدہ ہوں عقلاء کے نزدیک یہی چیز مشہور ہے۔

تیرا تذکرہ بُرا اور تیرا دروازہ بند ہو اور دانتوں پر مسکراہٹ ہو لیکن تیرا پیٹ بھوکا ہو۔

تیرا قلب زخمی تیری تجارت ٹھنڈی تیری فضیلتیں غائب اور تیرے عیوب بیان کئے جائیں۔

اور یومیہ تو، زمانہ اور بھائیوں سے غصہ پینے والا ہو اور قلب اس کی خواہش رکھنے والا ہو تو دن میں انسانوں کے کام میں بغیر احسان کے معروف رہے اور رات کو اپنا وہ شوق ادا کرے کہ جس سے قافلہ والے بھی بے خبر ہیں۔

لہٰذا ان راتوں کو ایسے سخت دن کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنا لے جس روز کوئی ذریعہ کام نہ دے گا۔

پس حالت یہ ہو کہ نفس تو انسان کے ساتھ اور قلب ان سے بہت بعید اور دور ہو اور خدا کی قسم یہ چیز بہت شاق ہے اور زندگی بہت کٹھن ہے۔

اسی کے متعلق ہمارے شیخ نے اپنی وصیت میں فرمایا اے لڑکے زمانہ والوں کے ساتھ رہ کر ان کی اقتدار نہ کر۔ پھر فرمایا یہ چیز کس قدر دشوار ہے جیش زندوں کے ساتھ اور اقتدار مُردوں کی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا انسانوں سے میل ملاپ قائم رکھو۔ مگر تمہارا دین ان سے نہ بائیں کرے۔ سو یہ بہت ہی عظیم الشان نکتہ ہے۔

دورِ فتن میں عالم کے لئے تنہائی اور عزلت کا حکم

اس کے بعد یہ چیز بھی معلوم کر لو کہ جب فتنے بکثرت ظاہر ہو جائیں اور ہر ایک کام الٹا ہونے لگے اور انسان امور دین سے پشت پھیر جائیں اور کسی مومن

نہ کسی صاحب عہد کا خیال کیا جائے، نہ عالم کی تلاش ہو نہ امور ناصحہ کی قدر ہو اور اپنے دینی امور میں کسی قسم کی معاونت نہ کریں۔ اور فتنہ عوام میں شائع و ذائع ہو جائے۔ اور خواص کو امور دین کی ادائگی میں تنگی محسوس ہونے لگے۔ تو اس وقت عالم کے لئے بھی تنہائی اور علیحدگی حاصل کرنے کے لئے اور علم کو چھپانے میں عذر کا موقع مل سکتا ہے اور مجھے یہ خوف اور خدشہ ہے کہ جو امور ہم نے بیان کئے وہ اسی شاق اور دشوار زمانہ ہی میں موجود نہ ہوں۔

سو یہ انسانوں سے عزلت اور تنہائی حاصل کرنے کا حکم ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اس لئے کہ اس میں مغالطہ بڑا اور نقصان زائد ہے۔

اگر اس کے بعد کہا جائے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

علیکم بالجماعۃ فان ید اللہ تعالٰی علی الجماعۃ وانّ الشیطٰن ذئب الانسان یاخذ الشاذۃ والناجیۃ والقاصیۃ والفلاذۃ وقال انّ الشیطانَ مع الفرد وھو من الاثنین ابعد۔	جماعت اور مجمع کو لازم پکڑو اس لئے کہ اللہ تعالٰی کی رحمت جماعت پر ہے اور شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جماعت سے جدا ہونے والے، کنارہ پر ہونے والے اور علیحدہ ہونے والے کو پکڑ لیتا ہے اور شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہے اور وہ دو سے بہت دور ہے۔

سو یہ حدیث بھی حضور سے منقول ہے اور اس کے علاوہ اور بھی منقول ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اپنے مکان کو لازم پکڑو اور خواص کی صحبت اختیار کرو عوام کی صحبت قطعاً چھوڑ دو۔ لہٰذا برے زمانہ میں عزلت اور تنہائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ سو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔ مگر اس کے ساتھ دونوں فرمانوں میں تطبیق کرنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، علیکم بالجماعۃ (کہ جماعت کو لازم پکڑو) لیکن توجیہات کا احتمال رکھتا ہے، ایک تو یہ کہ حضور کا مقصود اس سے دین اور احکام دین ہیں۔ اس لئے کہ امت محمدیہ گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو سکتی تو اجماع

امت کی خلاف ورزی کرنا اور جمہور کے خلاف کسی امر کے متعلق فیصلہ کرنا۔ ایسے ہی ان سے علیحدگی وتنہائی اختیار کرنا۔ یہ تمام امور باطل اور موجب ضلالت اور گمراہی ہیں۔ ہاں اپنے دین کی وابستگی کی خاطر ان سے علیحدگی اختیار کرنا یہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو یعنی جمعہ اور جماعت میں علیحدگی نہ اختیار کی جائے اس لئے کہ اس میں دین کی قوت، اسلام کا کمال اور ساتھ ساتھ کفار اور ملحدین کو غیظ وغضب میں مبتلا کرتا ہے اور یہ چیز برکات کے ظہور اور اللہ رب العزت کی نظر رحمت سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم شخص منفرد کو کہتے ہیں کہ وہ خیر اور بھلائی کے تمام مجموعوں میں شرکت کرے اور تنازع اور مزاحمت کی تمام شکلوں سے جدا رہے اس لئے کہ اس میں قسم قسم کی آفتیں ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ امن اور سلامتی کے زمانہ میں اس شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ جو دین کے اعتبار سے کمزور ہو اور زیادہ طاقتور جو کہ اللہ تعالیٰ کے امور سے بخوبی واقف ہو جب فتنوں کا زمانہ دیکھے کہ جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ڈرایا ہے اور اس میں عزلت اور تنہائی کا حکم فرمایا ہے تو ایسے شخص کے لئے اس وقت عزلت اور تنہائی اولیٰ اور بہتر ہے۔

اس لئے کہ انسانوں کے ساتھ اختلاط میں فساد اور آفات کا خدشہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے اجتماعات اور عام امور خیر سے علیحدگی نہ اختیار کرے اور اگر انسانوں سے جدائی اور علیحدگی ہی مقصود ہے تو کسی پہاڑ کی چوٹی یا گھاٹی وغیرہ میں چلا جائے تاکہ اس مقام پر اپنے دین کو محفوظ کر سکے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا آدمی جس مقام پر بھی ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے جماعت جمعہ اور تمام اسلام کے اجتماعات میں حاضر ہونے کی توفیق عطا کرتا ہے سو ایسے مقامات پر بھی حاضر ہونا چاہیئے تاکہ اس ثواب عظیم سے بھی محرومی نہ ہو اس لئے کہ دین کے اجتماعات خواہ کسی مقام پر ہوں اللہ کی جانب سے ہیں اگرچہ انسانوں کے احوال میں فساد اور تغیر واقع ہو جائے ابدال اور اقطاب کے بھی احوال سننے میں آئے ہیں کہ وہ جس مقام پر

بھی ہوں اسلام کے اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں اور جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں پہنچ جاتے ہیں اور زمین اس کے لئے بمنزلہ ایک قدم کے ہے ۔

اور منقول ہے کہ زمین ان حضرات کے لئے لپیٹ دی جاتی ہے اور سلامتی کے ساتھ ان کو پکارا جاتا ہے۔ کرامات اور بھلائیاں ان پر سایہ فگن ہوتی ہیں۔

سوہم ان حضرات کو مبارکباد پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس چیز میں کامیابی حاصل کرلی اور اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ثابت قدمی کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے اپنے نفس کے چھٹکارا دلانے میں غفلت اختیار کرلی ہے اور ہم جیسے طالبین کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے جو کہ مقصود تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور میں نے اپنی حالت و کیفیت کو ان اشعار میں ظاہر کیا ہے۔ ؎

طالب حضرات کامیاب ہوگئے اور مقصود تک جا کر مل گئے ۔ اور احباب احباب کی وجہ سے کامیاب ہوگئے۔ ہم مقصود تک پہنچنے اور اس سے باز رہنے کے درمیان مذبذب اور پریشان رہ گئے۔ نزدیکی کو بعد اور دوری کے ساتھ تلاش کرتا ہے اور یہ نفس ایسا ہے کہ جس نے محال شے کو عقلوں کے سامنے کردیا ہے۔

سوہم کو ایسی چیز پلائیے جس سے غم دور ہوجائے اور صراط مستقیم کی رہنمائی حاصل ہو۔ اے بیماروں کے طبیب ان کا زخم ہی دعوت دیتا ہے اور اے مصیبتوں سے نجات دینے والے۔

مجھے معلوم نہیں کہ کس چیز کے ساتھ میں اپنی بیماری کا علاج کروں یا کس چیز کے ذریعہ میں قیامت کے دن کامیابی حاصل کروں۔ انتہیٰ۔

اب اصل چیز کو پکڑنا اور مقصود عزلت اور تنہائی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہم باب کی شرط سے دور چلے گئے۔ پھر اگر کوئی دریافت کرے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمایا میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھنا ہے تو اس میں علیحدگی اور تنہائی سے ممانعت کی گئی ہے۔

تو جیسا کہ ہم بیان کرچکے کہ حضورؐ کا یہ حکم فتنوں کے زمانہ کے لئے نہیں ہے اور

پھر یہ کہ مساجد میں بیٹھے اور انسانوں سے ملاقات اور مداخلت نہ کرے تو ظاہر کے اعتبار سے
تو ان کے ساتھ رہے لیکن باطن کے اعتبار سے علیحدہ۔
یہی عزلت اور تنہائی کا مقصود ہے جو کہ ہم نے بیان کیا ظاہر اور باطن کی
تنہائی مقصود نہیں۔ اسی کے متعلق ابراہیم بن ادہم جو بیان کرتے ہیں، واحد و جمع
رہنا چاہئے بایں طور کہ پروردگار سے انسیت اور انسانوں سے وحشت ہو۔
علمائے کرام کے مدارس اور صوفیائے کرام کی خانقاہیں اور ان میں سکون اختیار
کرنے کے متعلق کیا خیال اور رائے ہے سو بخوبی سمجھ لو کہ علمائے کرام کے نزدیک یہ
طریقہ اپنی شان کے اعتبار سے یکتا طریقہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مقصود کو شامل ہے
اور ان دونوں فائدوں کو کہ جن میں سے ایک انسانوں سے عزلت اور تنہائی ہے۔
اور مخلوق کے ساتھ رہنے و میل جول کرنے اور مزاحمت سے علیحدگی اختیار کرنا ہے۔
دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ جمعہ اور جماعت میں شریک ہونا اور اسلام کے شعائر میں
کثرت اور زیادتی کرنا سو اس شکل میں وہ سلامتی حاصل ہو جاتی ہے جو کہ عزلت اور تنہائی
اختیار کرنے والوں کے لئے ہے اور وہ خیر کثیر اس میں موجود ہے جو کہ عام انسانوں
کے لئے ہے اس لئے کہ عام انسانوں کے ساتھ اس میں قوت اور برکت حاصل
ہوتی ہے۔ لہٰذا ان مقامات پر سکونت اختیار کرنا یہ منصفانہ راستہ بہترین حال اور
محفوظ طریقہ ہے اسی بلندی کی بنا پر اکثر عارفین نے انسانوں کے درمیان قیام کیا
ہے تاکہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالےٰ کے بندوں کو نفع حاصل ہو اور ان کی برائیاں کم
ہوں اور ساتھ ساتھ مخلوق ان کے آداب کا مشاہدہ کرے اور ان کے احوال کو
بہتر سمجھے تاکہ اس کی اقتدا کرے۔
اس لئے کہ حالت پیدا کر کے بتلانا یہ زیادہ فائدہ مند ہے اس سے کہ انسان
محض باتیں کرے۔ لہٰذا دین کے معاملہ میں علم اور عبادت کے لئے یہ بہترین تدبیر اور
مضبوط اور محکم رائے ہے۔
اب مریدین کی حالت قابل دید ہے کہ ان کو اپنے شیوخ اور اولیاء کے ساتھ

رہنا چاہئے یا ان سے عزلت اور علیحدگی اختیار کرنا چاہئے۔

تو اگر صوفیائے کرام نشان اول اور سلف صالحین کی سیرت پر قائم ہوں تو وہ بہترین دینی بھائی، عمدہ اصحاب اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مددگار ہیں تو ان سے علیحدگی اور تنہائی اختیار کرنا مناسب نہیں۔ اور ان کی مثال کنبان کے زاہدوں کے طریقہ پر ہے کہ ان کے متعلق یہ سننے میں آیا ہے کہ وہ بر اور تقوی پر مدد کرتے حق اور صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

اور اگر یہ صوفیا اپنے طریقہ نقش اول اور سلف صالحین سے جو چیزیں منقول ہیں ان کو ترک کر دیں تو اس مرید اور مجتہد کا حکم ان کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ اس کا اور تمام انسانوں کے ساتھ۔ ان کے دائرہ کو لازم پکڑے اور اپنی زبان کو روکے رکھے اور ان کے ساتھ بھلائیوں میں شرکت کرے اور تمام احوال و آفتوں میں ان سے علیحدہ اور جدا رہے تو اس کے ساتھ ساتھ وہ عزلت والوں کے ساتھ تنہائی بھی اختیار کرنے والا ہوگا اور تفرد اختیار کرنے والوں سے جدا بھی رہے گا۔

اس کے بعد اگر یہ مرید اور مجتہد اس بات کو پسند کرے کہ اس دائرہ اور احاطہ سے نکل کر علیحدہ اپنی اصلاح اور درستی کرے اور ان آفات سے محفوظ ہو جائے جو کہ ان کی صحبت میں لاحق ہو جاتی ہیں

تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مدارس اور خانقاہیں بمنزلہ ایک مضبوط قلعہ کے ہیں کوشش کرنے والے اس میں چور اور ڈاکوؤں سے آ کر پناہ حاصل کرتے ہیں اور ان سے باہر رہنے والا کہ بمنزلہ صحرا اور میدان کے ہے کہ اس میں شیاطین کے سوار لشکر اور جماعتوں کی شکل میں گشت اور چکر لگاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس کا سامان چھین لیتے ہیں یا قید کر کے لے جاتے ہیں تو صحرا اور جنگل میں نکلنے کے بعد کیا حالت ہو سکتی ہے کہ دشمن ہر جانب سے اس پر قابو حاصل کر لے اور پھر جو چاہے سو کرے سو اس وقت اس کمزور انسان کے لئے سوائے قلعہ میں پناہ حاصل کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

اور رہا وہ طاقتور اور باخبر انسان جس پر دشمن غلبہ نہ حاصل کر سکتے ہوں اور اس کے

نزدیک قلعہ و میدان دونوں برابر ہوں سو اس پر کوئی خوف و خدشہ نہیں جب کہ وہ دائرہ سے خروج کا ارادہ رکھے مگر ہر حال میں دائرہ اور قلعہ ہی میں رہنا سلامتی اور حفاظت کا باعث ہے اس لئے کہ بُرے ساتھیوں کے ساتھ پریشانیوں اور برائیوں سے دوچار ہوتا ہی رہے گا۔

جب ان تمام امور کی یہ شان ہے تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کا دامن پکڑنا اور ان کے ساتھ مشقتیں برداشت کرنا مرید اور طالب خیر کے لئے اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور طاقتور بالغ انسان کے لئے کوئی مانع نہیں کہ وہ ان حضرات سے تفرد اور علیحدگی حاصل کر کے استقامت حاصل کر سکے۔

لہٰذا ان امور کو غنیمت سمجھ کر ان میں غور و خوض کے ساتھ قدم رکھنا چاہیئے اب رہا دینی حضرات سے ملاقات اور مراسلت وغیرہ کرنے کا معاملہ تو دینی بھائیوں سے ملاقات کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے جواہرات سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کا بہترین طریقہ مع فوائد اور اصلاح قلب کے لیکن یہ چیز بھی دو شرطوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اولاً تو یہ ہے کہ اس شے میں افراط اور زیادتی قطعاً نہ ہونا چاہیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے فرمایا ہے تیسرے روز ملاقات کرو یہ زیادتی محبت کا سبب ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ ریاء اور نمائش غیبت اور لغو امور سے احتراز کے ساتھ اس کے حقوق کی رعایت تاکہ تجھ پر اور تیرے بھائی پر کسی قسم کا وبال اور آفت نہ نازل ہو جائے۔ منقول ہے فضیل رحؒ اور سفیان دونوں نے گفتگو کی اس کے بعد دونوں خوب روئے۔ سفیان رضؓ بولے۔ ابوعلی میں کسی مجلس میں نہیں بیٹھا کہ مجھے اس مجلس سے زیادہ اس میں ثواب کی امید ہو فضیل رضؓ نے جواب دیا کہ میں کسی مجلس کا اس مجلس سے زیادہ اپنے اوپر خوف نہیں رکھتا۔

سفیان رضؓ نے عرض کیا اے ابوعلی رحؒ یہ کیسے ہو سکتا ہے فضیل رضؓ نے کہا کہ کیا آپ نے مجھ سے بہت عمدہ اور اچھی باتیں نہیں بیان کیں اور میں نے بھی اپنی عمدہ

اور اچھی باتیں تلاش کر کے تمہارے سامنے بیان کر دیں، سو یہ چیز میرے لئے بھی زینت کا باعث بن گئی۔ یہ سن کر سفیانؒ رونے لگے۔ لہٰذا یہ چیز واجب اور ضروری ہے کہ تیرا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا اور ملاقات کرنا، قصد احتیاط اور نظر لطیف کے پہلو سے تجاوز نہ کرے۔ سو اس وقت تیری عزلت اور انسانوں سے تنہائی میں بھی کوئی عیب اور برائی نہ ہوگی اور ایسے نہ تجھ پر اور نہ تیرے ساتھی پر کوئی آفت اور پریشانی لاحق ہوگی بلکہ خیر کثیر اور نفع عظیم حاصل ہوگا۔

تنہائی اور انسانوں سے عزلت اختیار کرنے پر کونسی شے برانگیختہ کر سکتی ہے تاکہ یہ چیز بھی آسان اور سہل ہو جائے۔ سو تین اشیاء اور امور کی بنا پر یہ چیز بھی آسان اور سہل ہو سکتی ہے۔

اولاً امر تو یہ ہے کہ اپنے تمام اوقات کو عبادت الٰہی میں صرف کر دے اس لئے کہ عبادت الٰہی بہترین مشغلہ ہے اور انسانوں سے ملاقات کرنا، افلاس اور فراغت کی علامت ہے۔

لہٰذا جب تو اپنے نفس کو دیکھے کہ بغیر حاجت اور ضرورت کے انسانوں سے ملاقات اور کلام کرنے کی خواہش اور تمنا ہونے لگے تو سمجھ لے کہ یہ فضول شے ہے جس کا داعیہ فراغت اور سرکشی ہے کسی نے بہت ہی اچھے طریقہ پر اس چیز کو ظاہر کیا ہے۔

فراغت تیری سلامتی کی جانب مجھے کھینچ لائی

بسا اوقات فارغ آدمی فضول کام کر لیتا ہے۔ لہٰذا جب تو عبادت الٰہی کو کما حقہٗ ادا کرنا شروع کر دے گا تو مناجات الٰہی کی شیرینی اور حلاوت تجھے محسوس ہونے لگے گی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب سے انسیت، انسانوں سے اعراض اور ان کے ساتھ صحبت اور کلام سے وحشت پیدا ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مناجات الٰہی سے واپس آئے تو انسانوں سے ان کو بہت وحشت ہو گئی حتیٰ کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دینے لگے۔ تاکہ ان کی گفتگو کو نہ سن سکیں اس وقت کلام جماعتوں اور افراد کے اعتبار سے تھا اور اب وحشت گروہوں

کی آواز کے طریقہ پر تھی۔

لہٰذا ہمارے شیخ نے جو کچھ کلمات فرمائے ہیں ان کو لازم پکڑ لو۔
کہ اللہ رب العزت کو دوست بنانے پر راضی ہو جا۔ اور تمام انسانوں کو ایک طرف چھوڑ دے محبت کے صادق اور طلبگار اس بات کو سمجھ لے کہ تو ان میں ہو اور وہاں موجود نہ ہو۔ انسانوں کو جس طریقہ پر چاہے بدل دے بگران کو بمنزلہ بچھوؤں کے پائے گا۔ اور امر ثانی یہ ہے کہ طمع اور خواہشات کو ایک ہی مرتبہ ختم کر دے تو اس شکل میں یہ امر تیرے لئے آسان ہو جائے گا اس لئے کہ جن حضرات سے نہ نفع کی امید اور نہ نقصان کا خوف اور خدشہ ہو تو ان کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔

تیسری شئے یہ ہے کہ ان کی آفات کا ملاحظہ اور تذکرہ کر اور اپنے قلب اور دل میں ان کو جگہ دے اس لئے کہ ان تینوں اشیاء کو جب تو لازم پکڑ لے گا تو یہ تجھے مخلوق کی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی جانب پھیر دیں گی اور تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور خدمت کے لئے تفرد اور علیحدگی کا موقعہ مل جائے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اللہ رب العزت کے دروازہ کو مضبوط پکڑ لے گا اور حق تعالیٰ توفیق اور حفاظت عطا فرمانے والے ہیں۔

تیسرا مرحلہ شیطان

شیطان سے جنگ اس کے دبانے اور مغلوب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور یہ چیز بھی دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

اولاً تو یہ کہ شیطان کھلا ہوا دشمن ہے تیری بقاء اور مصلحت سے اسے کوئی سروکار نہیں اور ہمیشہ تیری ہلاکت اور بربادی کے علاوہ اس کی کوئی طمع اور خواہش نہیں۔ لہٰذا ایسے دشمن سے کسی وقت بھی مامون اور بے خوف نہ ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ کلام اللہ کی ان دونوں آیتوں کا بغور مطالعہ کر لینا چاہئے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں تاکید

اَوْ مَا اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے :۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ بے شک شیطان تمہارا جانی دشمن ہے تم بھی اس کے دشمن بن جاؤ۔

ان آیتوں کے بعد شیطان سے ڈرانے اور خوف دلانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا۔ اور امر ثانی یہ ہے کہ شیطان تیری ہی دشمنی کے لیے پیدا کیا گیا ہے ہمیشہ تیری لڑائی کے لئے تیار اور رات دن تیرے نشانہ میں لگا ہوا ہے اور تو ان تمام باتوں سے بے خبر ہے تو زندگی اور صورت حال کیسے درست ہو سکتی ہے۔

اور پھر لطیفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف مخلوق خدا کو اپنے قول و فعل کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی جانب دعوت دے رہا ہے اور یہ چیز شیطان کے افعال کے خلاف، اس کے ارادہ، ہمت اور تدبیر کے مغائر ہے تو گویا کہ تو نے شیطان سے دشمنی ناراضگی اور لڑائی کرنے کی تیاری کر لی ہے شیطان بھی تجھ سے لڑائی اور قتال، مکر اور فریب کرنے پر آمادہ اور تیار رہے حتیٰ کہ تیری حالت میں فساد برپا کر دیا۔ ہلاکت اور بربادی مچا دی۔ جڑ اور بنیاد کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد اس کی مصاحبت سے امن حاصل کرنا مشکل اور دشوار ہے۔

اس لئے کہ شیطان تو جو اس سے معارضہ اور مناقشہ نہیں کرتے بلکہ اس کی تصدیق اور تائید کرتے ہیں جیسا کہ کفار گمراہ حضرات اور طالبین دنیا۔ ان کو تباہ و برباد کرنے کے درپے رہتا ہے تو وہ اس شخص کے حال پر کیسے رحم کر سکتا ہے جو اس کی لڑائی اور دشمنی پر آمادہ ہے اس لئے اس نے تمام انسانوں کے ساتھ دشمنی اور جنگ کا عام طور پر اعلان کر دیا ہے اور عبادت الٰہی اور علم کے طلبگاروں کے لئے تو خاص طور سے عداوت اور دشمنی ہے اور تیرا معاملہ اس کے سامنے بہت عظیم الشان ہے اور شیطان کے ساتھ تیری دشمنی اور مخالفت کے لئے معاون اور مددگار رہے۔

ان میں سب سے بڑھ کر اور طاقتور معاونین نیز النفس اور خواہشات ہیں اور شیطان کے لئے بہت سے اسباب و وسائل اور دروازے ہیں جن سے تو غافل ہے۔

یحییٰ بن معاذ الرازی نے سچ فرمایا ہے، شیطان فارغ اور تو مصروف ہے شیطان تجھے دیکھتا ہے مگر تو شیطان کو نہیں دیکھ سکتا اور ایسے شیطان کو تو فراموش کر دیتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں بھلا سکتا اور تیرا النفس خود تیرا مخالف اور شیطان کا مددگار ہے لہٰذا ان سے جنگ اور ان کے مغلوب کرنے کی سعی اور کوشش بہت سخت ضروری ہے ورنہ پھر ہلاکت اور تباہی سے بچنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔

کس طرح شیطان سے جنگ اور اسے مغلوب کرنا چاہیئے

اس امر کو بایۂ تکمیل تک پہنچانے والے کے لئے دو طریقے اور پہلو سامنے ہیں ایک تو یہ ہے جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ شیطان کو دفع کرنے کی تدبیر اور طریقہ اللہ رب العزت سے پناہ مانگنا ہے اس کے علاوہ اور کوئی سبیل نہیں اس لئے کہ شیطان ایسا کتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تجھ پر مسلط فرما دیا ہے لہٰذا تو اگر اس سے جنگ اور اس کے دفع کرنے کے درپے ہوگا تو وہ تجھے تکان میں مبتلا کر دے گا اور تیرے اوقات برباد کر دے گا اور تیرے اوپر کامیابی حاصل کر کے تجھے زخمی کر دے گا۔ لہٰذا اس کتے کے رب کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ اسے تجھ سے علیحدہ اور جدا کر دے یہی چیز بہتر ہے

اور دوسرا طریقہ جیسا کہ اور حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے محاربت، مخالفت اور اس کے دور کرنے پر کمربستہ ہونا چاہیئے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک بہترین اور جامع طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں امور کو جمع کیا جائے لہٰذا اولاً تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے شیطان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیئے جیسا کہ اس چیز کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ رب العزت ہی اس پر قابو پانے والا اور اس کے لئے کافی ہے پھر اس کے بعد اگر ہم دیکھیں کہ وہ

ہمارے اوپر غلبہ حاصل کر رہا ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمارے مجاہدہ اور قوت کی صفائی اور سچائی ثابت اور ہمارے صبر کرنے کا اندازہ ہو جائے جیسا کہ کافروں کو ہم پر مسلط کیا گیا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ ان کے شر اور ان کے مغلوب کرنے پر قادر تھا تاکہ ہمیں جہاد، صبر، شجاعت اور شہادت میں سے کچھ حصہ مل جائے ـــــ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ — تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لیویں اور تم سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ — ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہے۔

تو شیطان سے محاربت اور مخالفت کی بھی یہی وجہ ہے۔ پھر اس محاربت اور مناقشہ کرنے کے ہمارے علمائے کرام کے قول کے مطابق تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ شیطان کے حیلے اور تدابیر سے بخوبی واقفیت حاصل کرے اس لئے کہ اس شکل میں وہ تجھ پر جسارت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ چور کو جب یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مکان والے نے میری آمد کو محسوس کر لیا تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کی دعوت کی کوئی حقیقت نہ سمجھی جائے اور اپنے قلب کو اس کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے اور نہ اس کی اتباع و پیروی کی جائے۔ اس لئے کہ شیطان بھونکنے والے کتے کے طریقے پر ہے اگر تو اس کی جانب متوجہ ہو گا تو وہ تجھ پر حملہ کرے گا اور زخمی کر دے گا اور اگر اس سے کنارہ کشی اختیار کرے گا تو پھر وہ خاموش ہو جائے گا۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی زبان اور قلب کے ساتھ اللہ رب العزت کا ذکر کرتا رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان کے بعد اللہ سبحانہٗ کا تذکرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ انسان کے پاس کوئی لقمہ ہو اور وہ اس کو کھائے)

اب رہی یہ چیز کہ شیطان کے مکر و فریب کو کیسے معلوم کیا جائے اور اس کو معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے تو شیطان کی جانب سے انسان کے قلب پر وساوس کا ہجوم ہوتا ہے جو کہ بمنزلہ تیروں کے ہوتے ہیں اور یہ چیز وساوس اور اس کے اقسام کے کے معلوم کرنے کے بعد سمجھ میں آسکتی ہے۔

دوسری شئے یہ ہے کہ شیطان کی ایسی تدابیر ہوتی ہیں جیسا کہ اس نے دروازے قائم کر دیئے ہوں اور یہ چیز شیطان کے مکر، اوصاف اور مظالم معلوم کرنے کے بعد ظاہر ہو سکتی ہے۔

اور علمائے کرام نے وساوس کے ضمن میں اس قسم کی اشیاء کا تذکرہ کیا ہے اور ہم نے خود ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام تلبیس ابلیس رکھا ہے اور اس کتاب میں اس قسم کی زائد اشیاء بیان کرنے کی گنجائش نہیں لیکن پھر انشاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک شئے کی اصل اور بنیاد بیان کریں گے جس کو تو مضبوط پکڑ سکے۔

وساوس اور خطرات کی اصلیت اور اس کی بنیاد

اللہ رب العزت نے انسان کے قلب پر ایک فرشتہ کو مسلط اور متعین کر دیا ہے جو اس کی خیر اور بھلائی کی دعوت دیتا رہتا ہے اور اس کو ملہم کہا جاتا ہے اور اس کی اس دعوت کو الہام اور اس کے برخلاف ایک شیطان کو بھی اس کے اوپر مسلط کیا ہے جو بندہ کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے اس شیطان کا نام وسواس اور اس کی دعوت کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

اکثر علماء کے قول کے مطابق ملہم خیر اور بھلائی کے علاوہ اور کسی چیز کی دعوت

نہیں دیتا۔ ایسے ہی وسواس (شیطان) شر اور برائی کے علاوہ کسی چیز پر آمادہ نہیں کرتا۔

اور ہمارے شیخؒ نے فرمایا کہ شیطان بھی کبھی خیر اور بھلائی کی دعوت دیتا ہے۔ مگر اس سے اس کا مقصود شر اور برائی ہوتا ہے یاں طور کہ وہ مفضول کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ انسان فاضل کے کرنے سے باز رہے یا کسی خیر اور بھلائی کی جانب دعوت دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے کسی بڑے گناہ کا اس سے ارتکاب کرائے کہ یہ خیر اور بھلائی اس گناہ کی کفایت نہ کر سکے تو یہ دونوں داعی انسان کے قلب پر قائم اور مسلط رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنا کام کرتے رہتے ہیں کہ جس کو قلب سنتا ہے اور ان امور کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اذا ولد لابن ادم مولود قرن اللہ سبحانہ بہ ملکا و قرن الشیطان بہ شیطانا فالشیطان جاثم علی اذن قلب ابن ادم الایسر والملک جاثم علی اذن قلبہ الایمن فھما یدعوانہ۔

جب ابن آدم (انسان) کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اس کا ایک ساتھی متعین فرما دیتے ہیں ایسے شیطان (شیطانوں میں سے تو شیطان انسان کے قلب کے بائیں حصہ پر مسلط ہو جاتا ہے اور فرشتہ انسان کے قلب کے دائیں حصہ پر اور دونوں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ایک شیطان کا اثر ہے اور ایسے ہی ایک فرشتہ کا اثر ہے یعنی کہ ان کی دعوت کا اثر ہے (لَمّۃ اور اَلمَّۃ کے معنی کسی مکان پر اترنے کے آیا کرتے ہیں) پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے خمیر میں ایسی چیز رکھ دی ہے جو کہ شہوات کی طرف مائل ہونے والی اور لذات سے فائدہ اٹھانے والی ہے۔ جیسا کہ حسن اور قبیح

سو یہی چیزیں خواہشات نفس کو آفات کی جانب پھیرنے والی ہیں یہ تین قسم کے داعی ہوگئے
اب اس مقدمہ کے بعد یہ چیز سمجھنی چاہئے کہ یہ خواطر وہ آثار ہیں جو کہ بندہ کے قلب میں پیدا ہوتے ہیں اور اسے افعال اور ان کے ترک پر برانگیختہ کرتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے انتشار کی وجہ سے ان کو خطرات کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے جیسا کہ ہوا وغیرہ۔ یہ سب بندہ کے قلب پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے وارد ہوتے ہیں۔ بہرکیف ان کی چار قسمیں ہیں۔

بعض تو وہ ہیں کہ جن کو ابتداءً اللہ تعالیٰ قلب انسانی میں پیدا کر دیتا ہے اور ان کا نام خاطر ہے اور بعض اقسام طبیعت کے موافق ہو جاتے ہیں تو ان کو ہوائے نفس بولا جاتا ہے اور وہ اسی کی جانب منسوب ہو جاتے ہیں اور بعض امور ملہم کی دعوت کے بعد ظہور میں آتے ہیں اور ان کی نسبت اسی کی جانب ہوتی ہے ان کو الہام کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔

اور کچھ شیطان کی دعوت کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ان کی نسبت بھی اسی کی جانب ہوتی ہے اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے اور ان کو خواطر شیطان بولا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ اس کی دعوت کے وقت ظہور میں آتے ہیں تو بہ سبب کے مرتبہ میں ہوئے لیکن ان کو اسی کی جانب منسوب کر دیا جاتا ہے تو یہ وساوس کی چار شکلیں ہوئیں۔

پھر اس کے بعد یہ بات بھی معلوم کرو کہ ابتداءً جو خاطر من جانب اللہ بندہ کے قلب پر اثر پذیر ہوتا ہے کبھی وہ خاطر خیر ہوتا ہے اکرام و الزام حجت کے لئے۔
اور کبھی وہ شر کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ امتحان اور مشقت میں زیادتی کرنے کی وجہ سے ہاں ملہم کی جانب سے جو خاطر صادر ہوتا ہے وہ خیر ہی خیر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ناصح اور مرشد ہے اس کے علاوہ اور کسی چیز کا اس سے صدور نہیں ہوگا
اور شیطان کی جانب سے جو خواطر پیش آتے ہیں وہ شر اور برائی کے علاوہ اور کسی قسم کے نہیں ہوتے گمراہ کرنے اور عقائد میں شبہ پیدا کرنے کی وجہ سے۔

اور کبھی یہ اشیاء خیر کی شکل میں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں مگر مقصود مکر و استدراج ہوتا ہے اور خواہشات نفسانی کی جانب سے جو وساوس پیش آتے ہیں وہ صرف شر اور برائی کے ہوتے ہیں اس میں خیر اور بھلائی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے۔

میں نے بعض سلف سے یہ چیز محسوس کی ہے کہ ہوائے نفس بھی کبھی کبھی خیر کی دعوت دیتا ہے مگر مقصود اس سے شر اور برائی ہے جیسا کہ شیطان کا یہ شیوہ ہے۔

خواطر اور وساوس کا فرق اور وجہ امتیاز

اس کے بعد تین چیزوں کے پہچاننے کی سخت حاجت و ضرورت ہے اور یہی مقصود بالذات ہیں۔ ایک تو یہ کہ خاطر خیر اور خاطر شر کے درمیان فرق کو معلوم کیا جائے۔ دوسرے خاطر شر ابتدائی و شیطانی و ہوائی کے درمیان فرق کو معلوم کیا جائے اور یہ کہ ان میں کیسے فرق ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ فی الجملہ شریک ہے۔ اور تیسرے خیر ابتدائی یا الہامی یا شیطانی یا ہوائی کے درمیان فرق کو محسوس کیا جائے تاکہ اس بات کی تلاش شروع ہو جائے کہ کونسی شے اللہ کی جانب سے ہے یا کونسی ملہم کی طرف سے اور جو اشیاء شیطان کی جانب سے ہوں ان سے بچا جائے اور پرہیز کیا جائے۔ اسی طرح ہویٰ کے تعلق سے اجتناب اور پرہیز کیا جائے۔

امر اول

علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ جب تو اس بات کا قصد و ارادہ کرے کہ خاطر خیر کو خاطر شر سے علیحدہ پہچان لے اور ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو جائے۔ تو چار میزانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کا موازنہ کرے تاکہ یہ امر ظاہر ہو جائے۔

پہلا طریقہ تو یہ ہے جو خطرات تیرے قلب پر پیش آئے ہیں ان کو شرع کے ساتھ موازنہ کرے اگر شرع کے مطابق ہوں تو خیر ہیں اور اگر اس کے برخلاف ہوں کسی شبہ وغیرہ کی وجہ سے تو شر اور برائی ہیں۔ اگر اس میزان سے یہ چیز ظاہر نہ ہو تو اقتداء

کی میزان پر اس کا موازنہ کرے۔

سو اگر ان افعال میں سلف صالحین کی اقتدا ہے تو یہ شے خیر ہے اور اگر اس میں فاسقین وملحدین کی اتباع ہے تو یہ شر اور برائی ہے۔

اس کے بعد اگر میزان سے بھی یہ چیز ظاہر نہ ہو سکے تو نفس اور ہوی سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے اگر نفس کو اس سے طبعی طور پر نفرت پیدا نہیں ہوتی ہے خشیت اور خوف کی بنا پر نفرت پیدا ہوتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شے خیر ہے۔ اور اگر نفس اس کی طرف طبعاً و فطرۃً مائل ہوتا ہے اللہ رب العزت سے کسی چیز کی امید اور ترغیب کی وجہ سے نہیں مائل ہوتا تو یہ شے شر ہے اس لئے کہ نفس برائیوں کی بنیاد اور اصل ہے اس میں خیر اور بھلائی کا کبھی بھی شائبہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب ان میزانوں میں سے کسی ایک پر غور کرے گا اور گہرائی کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرے گا تو تیرے سامنے خاطر خیر خاطر شر سے نمایاں اور ظاہر ہو جائیں گے۔

باقی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی محض اپنے فضل وکرم سے ہدایت کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ جواد کریم ہے۔

امر ثانی

اس کے بعد جب اس خاطر شر کے درمیان جو کہ شیطان کی جانب سے ہے، اور اس خاطر شر میں جو کہ ہوائے نفس کی طرف سے ہے اور ان وساوس میں جو کہ ابتداءً اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارد ہوئے فرق کرنا چاہے تو تین طریقہ سے اس میں غور کرنا چاہئے۔

اولاً امر تو یہ ہے کہ اگر ان وساوس کو پختہ مرتب طریقہ پر ایک حالت کے مطابق محسوس کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یا ہوائے نفس کی طرف سے اور اگر اس شے کا احساس تردد اور اضطراب کی شکل میں ہو تو یہ چیز شیطان کی جانب سے ہے۔ بعض صالحینؒ فرمایا کرتے تھے ہوائے نفس کی مثال چیتے کی طرح ہے جب وہ مقابلہ

اور قتال پر آمادہ ہو جاتا ہے تو شکست فاش اور تمام ذرائع منقطع ہونے کے بغیر پیچھے نہیں ہٹتا۔ یا اس خارجی کے طریقہ پر ہے جو کہ تدیناً قتال کرتا ہے کہ بغیر قتل ہوئے واپس نہیں لوٹتا۔ اور شیطان کی مثال بھیڑیے کی طرح ہے ایک جانب سے بھگا دے گا تو دوسری طرف سے آجائے گا۔

اور ثانیاً یہ چیز ہے کہ اگر تو ان خطرات کو گناہ کے ارتکاب کے بعد محسوس کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس چیز کی اہانت اور گناہ کی بدبختی کو ظاہر کرنے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ — ہرگز ایسا نہیں ان کے دلوں پر اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

ہمارے شیخ امام نے فرمایا۔ اسی طریقہ پر گناہ قساوت قلبی کے باعث ہوتے ہیں کہ اولاً تو یہ چیز محض خاطر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے پھر قساوت حقیقی بن جاتی ہے۔

اور اگر یہ وساوس ابتدائی طور پر نمودار ہوئے کسی گناہ کے ارتکاب کے بعد واقع نہیں ہوئے تو ان کی ابتدا تیری ہی طرف سے ہوئی اور سمجھ لے کہ ان کا محرک شیطان ہے۔ اکثر وساوس کی یہی حالت ہے اس لئے کہ ان کی ابتدا شر اور برائی کی دعوت کے ساتھ ہوتی ہے اور مطالبہ اغوار اور سرکشی کا ہوتا ہے اور ثالثاً شئے یہ ہے کہ ان وساوس کو ایسی حالت میں پائے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اس میں کمی اور کسی قسم کی کمزوری نہ محسوس ہو تو یہ خواہشات کی جانب سے ہے۔ اور اگر اللہ رب العزت کے ذکر سے اس میں کمی و نقص پیدا ہو رہا ہو تو یہ چیز شیطان کی طرف سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے قلب پر شیطان اثر کرتا رہتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اور جب غفلت اختیار کرتا ہے تو وساوس میں

مبتلا کرتا ہے۔

امر ثالث

اس کے بعد جب تو اس بات کا قصد و ارادہ کرے کہ اس خاطر کے درمیان جو کہ منجانب اللہ یا اس کے جو کہ فرشتہ کی جانب سے ہے فرق کرے تو اس میں تین پہلوؤں سے غور کرنا چاہیئے۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر وہ وسوسہ قوی اور پختہ ہو تو یہ شئے منجانب اللہ ہے اور اگر اس میں کسی قسم کا شبہ ہے تو یہ چیز فرشتہ کی طرف سے ہے اس لئے کہ وہ بمنزلہ ناصح کے ہے کہ تیرے پاس ہر جانب سے آسکتا ہے اور تیرے سامنے ہر ایک نصیحت کی بات پیش کرتا ہے۔ تیری قبولیت کی امید رکھتے ہوئے اور تیرے خیر کی جانب رغبت کی وجہ سے۔

دوسرے یہ کہ جو وساوس اجتہاد اور طاعت کے بعد واقع ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور جو حضرات ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنے رستے ضرور دکھائیں گے۔

اور:۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى۔ اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت عطا کرتا ہے۔

اور اگر ابتداً ہی ان وساوس کا ظہور ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ اگر یہ وساوس اصول اور اعمال باطنہ میں ظہور پذیر ہوں تو اللہ رب العزت کی جانب سے ہیں اور اگر فروع اور اعمال ظاہر میں ان کا ظہور ہو۔ تو اکثر یہ فرشتہ کی طرف سے ہیں۔ اس لئے کہ اکثر علمائے کرام کے قول کے مطابق فرشتہ

بندہ کے باطنی امور سے واقف نہیں۔

اور رہا وہ خاطر خیر جو کہ شیطان کی طرف سے بندہ کے قلب پر شر اور برائی کے ارتکاب کرانے کے لئے وارد ہوتا ہے تو اس کے متعلق ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ غور کرنا چاہیئے اگر اپنے نفس کو اس فعل کے ساتھ جو کہ تیرے قلب پر وارد ہوا انشاط کے ساتھ پاتا ہے کہ جس میں خشیت نہیں۔ ایسے ہی عجلت کے ساتھ پاتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاخیر نہیں اور امن وسلامتی کے ساتھ اس کو پاتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا خوف اور خدشہ نہیں اور اس کے ساتھ انجام سے بیخبر ہے اس کے متعلق کسی قسم کی بصیرت نہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ چیز شیطان کی جانب سے ہے۔ اس سے احتراز اور اجتناب کرنا چاہیئے۔

اور اگر اپنے نفس کو اس کے برخلاف پائے کہ خشیت ہو اس میں نشاط اور خوشی کا شائبہ نہ ہو، تاخیر ہو جلدی نہ ہو۔ اور خوف ہو، امن اور سلامتی نہ ہو، ایسے ہی انجام سے باخبر ہو، اس سے اندھا اور بہرا نہ ہو تو پھر یہ چیز اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی جانب سے یا فرشتہ کی طرف سے ہے۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ نشاط انسان کے افعال میں بغیر بصیرت کے خفت پیدا کرتا اور ایسے ثواب کا تذکرہ کرتا ہے جو کہ اس کے بارے میں اس کو خوش کر دے۔

اور تاخیر پسندیدہ شئے ہے مگر چند مقامات پر عجلت ہی مرغوب ہے۔ حدیث میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلعجلة من الشيطان	عجلت شیطان کی طرف سے ہے مگر
الا فی خمسة مواضع	پانچ مقامات پر۔ بالغہ کی شادی کرنا،
تزويج البكر اذا	جب کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائے۔ قرض کو
ادركت وقضاء الدين اذا	ادا کرنا جب کہ وہ واجب ہو جائے۔
وجب وتجهيز الميت اذا	میت کے مرنے کے بعد (فوراً) اس کی

مات وقری الضیف اذا نزل والتوبۃ من الذنب اذا اذنب۔ — تجہیز وتکفین کرنا اور مہمان کے آنے پر اس کی مہمان نوازی کرنا اور گناہ کے صادر ہوجانے پر اس سے توبہ کرنا۔

اور رہا خوف تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ وہ اس فعل کے کمال اور پورا کرنے میں اس کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے قبول کرنے کے پیش نظر ہو۔

اور عافیت کو پیش نظر رکھنا تو ممکن ہے کہ اس بات کا یقین ہوجائے کہ یہ شے رشد اور خیر کی بنا پر ہے کہ یہ چیز آخرت میں ثواب اور اس کی امید کے پیش نظر ہو غرضیکہ ان تمام امور پر توفیق حاصل کرلی چاہیئے اور یہ تمام ان تینوں اصولوں کا خلاصہ ہے جنہیں تجھے خواطر کی بحث میں معلوم کرنا اور پہچاننا ضروری ہے۔ لہٰذا ان کو محفوظ کرکے حتی الوسع اس میں غور وخوض کر اس لئے کہ یہ اس مضمون کے علمی لطائف اور اسرار عجیبہ ہیں۔

شیطان کے مکر وفریب اور اس کی تدابیر

شیطان کی تدابیر انسان کے ساتھ اطاعت الٰہی میں سات قسم کی ہیں۔ شکل اول تو یہ ہے کہ شیطان انسان کو عبادت الٰہی سے روکتا ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس سے محفوظ کرلیتا ہے تو اسے اس طریقہ پر رد کردیتا ہے کہ مجھے عبادت الٰہی کی بہت سخت حاجت اور ضرورت ہے اس لئے کہ مجھے اس دار فانی سے دار البقاً یعنی آخرت کے لئے زاد راہ تیار کرنا بہت ضروری ہے تو اس کے بعد شیطان تاخیر اور سستی کرنے کا حکم دیتا ہے اگر اس سے بھی اللہ تعالےٰ محفوظ کرلیتا ہے اور یہ کہہ کر وہ انسان اس کو بھی رد کردیتا ہے کہ میری زندگی میرے قبضہ میں نہیں کہ آج کا کام کل پر چھوڑ دوں تو پھر کل کا کام کس وقت کروں گا۔ اس لئے کہ ہر ایک دن کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ اعمال ہیں۔

تو اس کے بعد شیطان جلدی کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جلدی

جلدی اس کو کرتا کہ فلاں کام کے لئے فارغ ہو جائے۔ اب اگر اس سے بھی اللہ تعالےٰ اس کو محفوظ کر لیتا ہے بایں طور کہ انسان اس کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ تھوڑا اور کم عمل کمال خوبی کے ساتھ اس زائد عمل سے بہتر ہے جو کہ خامی اور نقص کے ساتھ ہو۔ اس کے بعد شیطان اعمال کو انسانوں کو دکھا کر اور ریا کے ساتھ پورا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ کر لیتا ہے تو یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ کسی عمل کرنے والے کو انسان کے دکھاوے سے کیا حاصل۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رویت کافی نہیں۔ اس کے بعد انسان کو خود پسندی اور عجب میں مبتلا کرتا ہے اور کہتا ہے کتنا بڑا کام کیا، کتنا عمدہ کیا، کیا اچھا کیا۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال ہوتی ہے تو یہ کہہ کر اس کو رد کر دیتا ہے کہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے میری اس میں کوئی خوبی نہیں، اس ذات نے مجھے اپنی توفیق کے ساتھ خاص فرما لیا اور اپنے فضل اور کرم سے میرے عمل کی یہ قیمت عظیم اس نے عطا فرمائی۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کا فضل اور کرم شامل حال نہ ہو تو میرے اس عمل کی کیا قیمت جب کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر اس قدر نعمتیں نازل فرمائیں اور اس کے ساتھ ساتھ مجھ سے اتنی معصیتوں کا صدور ہوتا ہے پھر شیطان انسان کے پاس چھٹے طریقہ سے آتا ہے اور یہ حربہ سب سے بڑا اور شاق ہے اور اس پر باخبر انسان کے علاوہ اور کوئی مطلع نہیں ہوتا اور اس طریقہ پر آکر بہکاتا ہے کہ تو پوشیدگی میں سعی اور کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو تیرے اعمال کو ظاہر فرمادے گا۔

اور ہر ایک عامل پر اس کے عمل کو ملبس کر دیتا ہے اور اس کے ذریعہ سے ریا اور نمائش کا قصد اور ارادہ کرتا ہے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ بندہ کو اس سے بھی محفوظ کر لیتا ہے اور وہ یہ کہہ کر شیطان کو واپس کر دیتا ہے کہ اے ملعون ابھی تک تو تو میرے پاس میرے اعمال کو فاسد کرنے کے لئے آتا تھا اور اس وقت اس کی اصلاح کی غرض سے آتا ہے تاکہ اس کو بالکل ہی ختم کر دے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور وہ میرا مالک اور آقا ہے اگر چاہے وہ کسی چیز کو

ظاہر فرمائے اور اگر چاہے پوشیدہ کرے اور چاہے مجھے عزت عطا فرمائے اور چاہے تو حقیر اور ذلیل کر دے۔ یہ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ مجھے اس چیز کی پروا نہیں کہ یہ اعمال انسانوں کے سامنے ظاہر ہوں یا نہ ہوں انسانوں کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد شیطان ساتواں طریقہ اختیار کرتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ ان اعمال کے کرنے کی تجھے کیا حاجت اور ضرورت۔ اس لئے کہ اگر تجھے سعید پیدا کیا گیا تو اعمال کا چھوڑنا کوئی مضر نہیں۔ اور اگر ایسے ہی شقی و بدبخت بنایا گیا تو پھر اعمال کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ اگر اس کو محفوظ کر لیتا ہے تو یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیتا ہے میں تو رب العزت کا ایک بندہ ہوں اور بندہ پر اس کی عبادت کرکے اس کے احکام کی بجا آوری ضروری ہے اور اللہ رب العزت اپنی ربوبیت سے بخوبی واقف ہے جس کا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا ہے سو وہ کرتا ہے۔ اور یقینی طور پر مجھے اعمال فائدہ مند ہیں خواہ میں کسی بھی حالت میں ہوں۔ اس لئے کہ اگر میں سعید ہوں تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں زیادتی ثواب کی درخواست پیش کروں گا۔ اور اگر میں شقی ہوں تو پھر بھی مجھے اس کی حاجت اور ضرورت ہے تاکہ بعد میں، میں اپنے نفس پر ملامت نہ کروں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی حالت میں مجھے طاعت الٰہی کی توفیق عطا کی نہیں۔ اور اعمال مجھے کسی بھی حالت میں نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لئے کہ اگر مجھے دوزخ میں داخل کر دیا جائے حتیٰ کہ میں مطیع اور فرماں بردار ہوں تو یہ چیز مجھے زائد مرغوب ہے اس سے کہ میں دوزخ میں معصیت اور نافرمانی کی حالت میں داخل کیا جاؤں۔ لہٰذا یہ چیزیں کیسے متحقق ہو سکتی ہیں کیونکہ اس کا وعدہ برحق اور اس کا قول صادق ہے اور اللہ تعالیٰ نے طاعات پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایمان اور اطاعت الٰہی کے ساتھ جا کر ملاقات کرے گا۔ وہ دوزخ میں کبھی بھی داخل نہیں ہوگا۔ بلکہ جنت میں داخل ہوگا۔ اپنے استحقاق کی وجہ سے نہیں کہ جنت کے لئے اعمال کئے۔ بلکہ رب العزت کے سچے اور مقدس وعدہ کی وجہ سے

اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے سعداء کی طرف سے نقل فرمایا ہے:۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ
اور وہ (بہشتی) کہیں گے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے ان تمام امور سے باخبر رہنا چاہیے اس لئے کہ معاملات اور تمام امور ویسے ہیں جیسے کہ تو دیکھتا اور سنتا ہے اور اسی پر تمام احوال وافعال کو قیاس کر لینا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے طاعات پر مدد طلب کر اور معاصی کے ارتکاب سے پناہ مانگ اس لئے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ولاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چوتھا مرحلہ

اس کے بعد طالب عبادت کے لئے نفس امّارہ بالسوء سے بھی بچنے اور حفاظت کرنے کی سخت حاجت اور ضرورت ہے اس لئے کہ یہ تمام دشمنوں میں سب سے بڑا اور تباہ کن دشمن ہے اور اس کی مصیبتیں بہت شاق ہیں اس کا علاج بہت سخت، اس کی بیماری بہت مشکل اور اس کی دوا اور علاج بہت دشوار ہے۔

اور یہ تمام باتیں دو وجہ سے ہیں:۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اندرونی دشمن ہے۔ اور ڈاکو جس وقت مکان میں داخل ہو جاتا ہے تو اس سے بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نقصان بہت زائد پہنچاتا ہے۔ اور کسی نے سچ کہا ہے۔

میرا نفس اس چیز کے باعث جو کہ میرے دائی نے نقصان پہنچایا ہے متاثر ہے اس لئے کہ اس چیز نے میری بیماری اور دردوں کو زائد کر دیا ہے۔ اس دشمن کا میں کیسے علاج کروں جب کہ دشمن میری پسلیوں کے درمیان موجود ہے۔

اور دوسری یہ ہے کہ نفس محبوب دشمن ہے اور انسان اپنے محبوب کی دشمنی سے بے خبر اور بہرا ہوا کرتا ہے، اسے اپنے محبوب کے عیوب نظر ہی نہیں آیا کرتے جیسا کہ کوئی کہنے والا کہہ گیا ہے۔

اور سب مجھے دوست اور بھائی کے عیوب نظر نہیں آتے۔ اور اس میں کوئی اشکال ہی نہیں جب کہ تو ان سے راضی ہو اور رضامندی اور خوشنودی کی آنکھیں ہر عیب سے مثل رات کے اندھی ہیں، لیکن ناراضگی کی آنکھیں برائیوں کو ظاہر کر دیا کرتی ہیں تو اس وقت انسان اپنے نفس میں ہر بری بات کو اچھا خیال کرے گا اس کے عیوب پر مطلع نہیں ہو سکتا اور نفس اس کی دشمنی اور نقصان پہنچانے میں لگا رہتا ہے۔ پس قریب ہے کہ نفس اس کو فضیحت اور ہلاکت میں مبتلا کر دے اور یہ اس کا احساس بھی نہ کر سکے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی اپنے فضل سے حفاظت فرمائے اور اپنی رحمتوں سے اس کی اعانت اور مدد فرمائے۔

تمام برائیوں کی جڑ نفس ہے

اس کے بعد ایک بہترین اور عمدہ نکتہ بھی سمجھ لینا چاہئے وہ کہ جب تو غور کرے اور سوچے تو ہر ایک قسم کا فتنہ، فضیحت اور رسوائی ہلاکت گناہ اور آفت ابتدا خلق سے لے کر قیامت تک جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں واقع ہوئیں وہ محض اسی نفس کی وجہ سے ہیں۔ یا تو صرف اسی کی کارگزاری ہے یا اس کے ساتھ اس کے معاونین اور شرکار کی بھی۔ سب سے پہلی معصیت اللہ تعالیٰ کی ابلیس سے سرزد ہوئی۔ اور اس کا سبب بھی قضا کے بعد نفس کی خواہشات نفیس کر اسی کے کبر اور حسد کے (۸۰) اسی ہزار سال کی عبادت کے بعد اس معصیت کے ارتکاب پر برانگیختہ کیا۔ اور ہمیشہ کے لئے یہ چیز جدائی اور تفریق کا باعث ہو گئی اور اس وقت اس مقام پہ نہ دنیا تھی نہ مخلوق اور نہ شیطان، بلکہ نفس ہی کا کبر اور حسد تھا۔ اسی کی وجہ سے جو کچھ سرزد ہونا تھا سو ہوا۔ اس کے بعد حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے گناہ کا

صدور ہوا جس کا سبب بھی شہوت نفس اور اس کا بقاء اور حیات کی ترغیب دینا تھا یہاں تک کہ ابلیس اور شیطان کے بہکانے پر دھوکا کھا گئے اور یہ چیز نفس اور اس کے شر کار کی مدد کی وجہ سے ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور جنت الفردوس کی سکونت سے اس حقیر اور ذلیل فانی دنیا کی طرف اتار دیئے گئے۔ چنانچہ دونوں کو وہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جو کہ ظاہر ہے۔ اور ایسے ہی ان کی اولاد کو اس دن سے لے کر ہمیشہ کے لئے ان پریشانیوں میں گرفتاری لاحق ہو گئی۔

اس کے بعد قابیل اور ہابیل کا واقعہ سامنے ہے ان دونوں کے معاملہ کا سبب بھی حسد اور بخل تھا اس کے بعد ہاروت اور ماروت کا واقعہ پیش نظر ہے اس کا سبب بھی شہوت نفسانی تھی غرضکہ قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اور مخلوق میں کوئی بھی فتنہ اور رسوائی ضلالت اور معصیت نہیں سرزد ہوئی مگر سب کی جڑ اور بنیاد نفس اور خواہشات ہیں۔ ورنہ پھر تو مخلوق سراپا خیر اور سلامتی ہی ہے۔ لہٰذا جب یہ نقصانات پہچاننے کے لئے دشمن موجود ہے تو عاقل اور سمجھ دار کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

نفس کی اصلاح اور اس کا علاج

اب اگر دریافت کیا جاتے ہیں اپنے اس دشمن کے مقابلہ میں کیا حیلہ اور اور تدبیر اختیار کرنی چاہئے اسے بھی ہمارے سامنے بیان کیا جائے؟ تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اس کا معاملہ بہت سخت اور دشوار ہے اور دشمنوں کی طرح یہ ایک مرتبہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔

اس لئے کہ یہی راستہ اور آلہ ہے منقول ہے کہ ایک اعرابی نے ایک انسان کے لئے خیر اور بھلائی کی دعا کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تیرے تمام دشمنوں کو تیرے نفس کے علاوہ حقیر اور ذلیل کر دے۔

اور پہلی مرتبہ میں نفس کو چھوڑنا مناسب ہی نہیں اس لئے کہ اس کے خطرات

زائد ہیں۔ دو راستوں میں سے کسی ایک راستہ کی اس میں حاجت اور ضرورت ہے فعل خیر میں سے جتنی قوت اور طاقت ہو اس سے اس کی نگہداشت اور درستگی کا خیال رکھے اور اسے ایسے طریقہ سے مجبور اور کمزور کرتا ہے کہ یہ سرکشی نہ اختیار کر سکے۔ غرضیکہ اس کے علاج میں احتیاط اور نظر لطیف کی حاجت و ضرورت ہے۔

پھر یہ بہت مضبوط اور سرکش جانور ہے۔ آسانی اور سہولت سے یہ قابو میں نہیں آسکتا اس کے قابو میں کرنے کی تدبیر پر بھی غور کرنا چاہئے۔ تو یہ بات بھی درست ہے۔ مگر اس کو قابو میں کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ اس کو ذلیل و حقیر کیا جائے تاکہ ہمارے قابو میں آجائے۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ نفس کو ذلیل اور اس کی خواہشات کو تین چیزیں منکسر اور ختم کر دیتی ہیں۔ ایک تو شہوات سے باز رہنا اور ان کا ارتکاب نہ کرنا۔ اس لئے کہ طاقتور اور مضبوط جانور کا جس وقت چارہ کم کر دیا جاتا ہے تو اس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے عبادت اور طاعتوں کے بوجھوں کو اس پر لاد دینا۔ اس لئے کہ گدھے اور جانور کے کمزور ہونے کے باوجود جب اس کی طاقت سے زائد اس سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے تو وہ مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے اور تیسرے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور اس کے سامنے آہ و زاری کرنا تاکہ اس پر مدد عطا فرمائے ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی خلاصی کا راستہ نہیں۔ کیا یوسف علیہ السلام کا قول نہیں سنا۔ فرماتے ہیں:۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي۔	نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

لہٰذا جب ان تینوں باتوں پر دوام کیا جائے گا تو اللہ رب العزت کے اذن سے یہ سرکش تیرے تابع ہو جائے گا اور اب موقع مل جائے گا کہ توفیق کر کے اس پر قابو حاصل کر لے اور اس کے لگام ڈال لے اور اس کے نقصانات سے مامون اور محفوظ ہو جائے۔

تقویٰ اور اس کی خوبیاں

تقویٰ ایک بہت بلند اور بہترین خزینہ ہے۔ اگر اس پر کامیابی حاصل ہو جائے تو بہت سے جواہر اور عمدہ اشیاء، خیر کثیر اور رزق کریم بہت بڑی کامیابی، بہت زیادہ غنیمت اور عظیم الشان ملک اور دولت حاصل ہو جائے۔ غرضکہ یہ دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا مخزن ہے۔ ان تمام خوبیوں کو اگر جمع کیا گیا تو یہ تمام ایک ہی خصلت یعنی تقویٰ کے ماتحت آسکتی ہیں۔

تقویٰ کے مطالعہ کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کرکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ کتنی بھلائیوں کو وابستہ فرمایا۔ کس قدر اجر اور ثواب کا اس پر وعدہ فرمایا۔ اور کتنی سعادتوں کو اس کے ساتھ متعلق فرمایا۔ غرضکہ میں ان تمام خصلتوں میں سے اس مقام پر صرف بارہ خصلتوں کو شمار کراتا ہوں:۔

پہلی خصلت تو مدح و ثنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ — اور اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔

دوسرے حفاظت اور حراست۔ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔ — اور اگر تم استقلال و تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا سا ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

تیسرے مدد اور تائید۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ — بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور نیکوکار ہیں

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ — اور اللہ تقویٰ والوں کو دوست رکھتا ہے۔

چوتھے پریشانیوں سے نجات اور حلال روزی کا حصول :-

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ -

اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اسے ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔

پانچویں اعمال کی درستگی :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تمہارے اعمال کو قبول کرے گا۔

چھٹے گناہوں کی مغفرت اور بخشش جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

ساتویں اللہ رب العزت کی محبت :-

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

اللہ بلاشبہ تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے

اور آٹھویں اللہ تعالیٰ کی عبادت زائد ہے اور اعمال صالحہ کا قبول کرنا :-

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ

اللہ تقوے والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

نویں اعزاز واکرام فرمانا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ -

خدا کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

دسویں موت کے وقت بشارت وخوش خبری۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ -

جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔

گیارھویں دوزخ سے آزادی اور نجات۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ پھر ہم اس سے متقیوں کو بچالیں گے۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جوکہ بڑا پرہیزگار ہے۔

اور بارھویں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہنا اور اس کا اعلان۔

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (جنت) متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

غرض کہ دنیا اور آخرت میں ہر ایک سعادت اور خیر کی چیز کو اس تقویٰ کے ماتحت بیان کر دیا گیا۔ لہٰذا اے انسان تجھے اپنے نفس کو اس چیز سے فراموش نہ کرنا چاہئے۔

اس کے بعد عابدین حضرات کو جو ضروری امور درپیش ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں:۔

اولاً تو توفیق اور تائید الٰہی شامل ہونی چاہئے اور یہ بھی متقین حضرات ہی کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے دوسرے اعمال کی درستگی اور خامیوں کی تکمیل یہ شرف بھی متقین حضرات کو حاصل ہے۔

اور تیسری چیز عمل کا مقبول ہو جانا۔ تو یہ بھی متقین ہی کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

اور عبادت کا مدار بھی ان ہی تین اشیاء پر ہے۔ اولاً تو توفیق الٰہی حاصل ہو کر انسان اعمال صالحہ کرے اس کے بعد خامیوں کی اصلاح اور درستی ہونی چاہئے کہ اعمال پورے ہو جائیں۔ اس کے بعد جب وہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں تو ان کی قبولیت کا مسئلہ ہے اور یہ تینوں ہی امور ایسے ہیں کہ جن کے لئے عبادت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی عبادت کی توفیق عطا فرما اور ہماری خامیوں کو

پورا فرما اور ہمارے اعمال کو قبول فرما۔ اور اللہ رب العزت نے ان تمام چیزوں کا تقویٰ ہی پر وعدہ فرمایا ہے۔ اور متقی ہی کو اس کا اعزاز اور اکرام عطا فرمایا ہے علاوہ اس کے کہ وہ ان امور کا سوال کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا اگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عبادت کا قصد و ارادہ ہے تو اس تقویٰ کو لازم پکڑ۔ بلکہ اگر دنیا و آخرت کی سعادت اور بہبودی کا قصد اور ارادہ ہو اور کسی نے سچ کہا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے سو یہ وہ شخص ہے جس کی جانب نفع حاصل کرنے والے چلے آتے ہیں۔ آدمی کے ساتھ سوائے تقویٰ اور عمل کے قبر تک کوئی چیز نہیں جاتی۔

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کو کافی نہ سمجھا تو یہ بدبختی اور محرومی کی چیز ہے۔ بندہ کو مالداری کی عزت بالکل سود مند نہیں۔ اور عزت کامل تو وہ متقی ہی کے لئے ہے۔ اطاعت الٰہی کرنے والے کو کوئی چیز مضر نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی اطاعت میں حاصل ہوئی۔ اور بعض حضرات نے بعض قبروں پر یہ قطعہ ہی لکھ دیا۔

تقویٰ کے علاوہ اور کوئی شے زاد راہ نہیں۔ لہٰذا اسی کو مضبوط پکڑ اور اسی کو محفوظ رکھ۔

اس کے بعد ایک اصل اور بنیاد کو سمجھو۔ وہ یہ کہ تم نے اپنی تمام عمر عبادت الٰہی میں صرف کی۔ اور کوشش کا دارومدار قبولیت پر نہیں اور تجھے معلوم ہے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

تو سب امور کا مرجع تقویٰ ہی ہو گیا۔

اسی لئے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

مَا أعجب رسول الله صلى الله عليه وسلم لشيءٍ من الدنيا ولا أعجبه أحد إلا ذو تقى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں سے کوئی چیز اور کوئی شخص تقویٰ والے کے علاوہ پسند نہیں آیا۔

حضرت قتادہ رضؓ سے منقول ہے، انہوں نے توراۃ میں لکھا ہے اے انسان اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر اور جس مقام پر چاہے آرام کر۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، مجھ کو عامر بن عبد قیس سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ اپنے انتقال کے وقت روتے اور ان کی حالت یہ تھی کہ دن رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے اور ان سے فراغت کے بعد اپنے بستر پر تشریف لاتے اور فرمایا کرتے۔ اے ہر برائیوں کے مسکن خدا کی قسم میں تجھ سے آنکھ کی حرکت کرنے کے بقدر بھی راضی نہ کروں گا۔

پھر ایک روز وہ روئے تو دریافت کیا گیا کہ کس بنا پر یہ گریہ طاری ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ارشاد: إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ کہ اللہ تعالیٰ تقوےٰ والوں سے ہی قبول فرماتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور نکتہ سمجھ لو جو کہ اصل اصول ہے وہ یہ کہ منقول ہے کہ بعض صالحین نے اپنے بعض اشیاخ اور بزرگوں سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو رب العالمین کی وصیت جو کہ اس نے اولین اور آخرین کو فرمائی ہے وہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ۔	اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں تاکیدی حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:-

کیا اللہ تعالیٰ انسان اور بندہ کی اصلاح اور بہبودی کے امور سے خوب واقف نہیں اور کیا اللہ تعالیٰ ہر ایک سے زائد نصیحت، رحم اور نرمی کرنے والا نہیں اور اگر عالم میں اس تقویٰ کی خصلت سے کوئی ایسی خصلت ہوتی جو کہ بندہ کے لئے بہت اچھی اور تمام خیر کے امور کو جامع اور ثواب کے اعتبار سے عظیم، عبودیت کے اعتبار سے بلند مرتبہ اور قدر کے اعتبار سے فائق۔ حال اور وقت کے زیادہ مناسب، مآل میں زائد کامیابی والی۔ تو اللہ رب العزت اپنے بندہ کو اس کا حکم فرماتا اور اپنے خواص کو

بوجہ اپنی کمال حکمت اور وسعت رحمت کے اس کی وصیت فرماتا۔ لہٰذا جبکہ اس ایک ہی خصلت کی وصیت کی اور اپنے بندوں میں سے تمام اولین اور آخرین کو اسی پر جمع فرمایا اور اسی پر اکتفا کیا تو تو نے سمجھ لیا کہ یہ وہ غایت ہے کہ جس کے آگے اور کوئی مقام نہیں اور یہ وہ مقصد ہے کہ جس سے اونچا کوئی درجہ نہیں۔ اور اللہ عز و جل نے تمام امور نصیحت اور خیر اور بھلائی کی دلالت اور تنبیہ و تادیب اور تعلیم و تہذیب کو اس ہی وصیت میں جمع فرمادیا ہے جیسا کہ اس کی حکمت اور رحمت کے یہ چیزیں مناسب تھیں۔

اور یہ بات بھی بخوبی معلوم ہوگئی کہ یہ تقویٰ کی خصلت دنیا اور آخرت تمام امور خیر کو جامع، تمام مہمات کے لئے کافی اور عبودیت میں کمال تک پہنچانے والی ہے۔

اور کسی نے بہت ہی اچھے طریقہ پر اس چیز کو ادا کیا ہے:۔

تقویٰ ہی عزت اور بزرگی کی چیز ہے۔ اور دنیا کی محبت، ذلت اور معدومی کا سبب ہے۔ اور متقی بندہ پر کوئی نقص کی چیز نہیں جبکہ تقویٰ درست ہے۔ اگرچہ کوئی نکتہ چینی کرے یا اس پر زیادتی کرے۔

اب اس کے بعد کوئی زیادتی کا مقام باقی نہیں رہا اور جو شخص نور دیکھے۔ اور ہدایت حاصل کرکے اس پر عمل پیرا ہو اور اس سے غنا حاصل کرے تو اس کے لئے یہی چیز کافی اور شافی ہے۔

تقویٰ کے معنی اور اس کے مراتب

اس کے بعد اگر تو دریافت کرنا چاہے کہ اس خصلت کی قدر و منزلت بہت بلند اور اس کے مواقع بہت عظیم الشان اور اس کے حاصل کرنے اور معلوم کرنے کی بہت حاجت اور ضرورت ہے۔ لہٰذا اب اس کی تفصیل بیان کی جائے۔

تو صورت حال ایسی ہی ہے۔ لہٰذا واجب اور ضروری ہے کہ اس کی قدر و منزلت کو بلند سمجھا جائے اور اس کی طلب کو لازم کیا جائے۔

اور اس کے پہچاننے کی ہی حاجت درکار ہے۔
لیکن تمھیں معلوم ہے کہ ہر بلند اور عظیم الشان چیز کے حاصل کرنے میں بہت جستجو اور تلاش اور ایسا ہی بہت تعب و تکان اور بلند ہمتی اور پوری کوششوں کو صرف کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔
غرض کہ جب یہ خصلت بہت عظیم الشان اور بڑی خصلت ہے تو اسے طلب کرنے اور اس کے حقوق کی ادائگی اور اس کے حصول میں مجاہدہ اور کوشش کرنا بہت بڑا کام اور شان عظیم ہے۔ اس لئے کہ مکارم مشقتوں اور لذات مصیبتوں کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

اور جو حضرات ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ رب العزت وہ رحیم ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر مشکل کو آسان کر دینا ہے۔ ان امور کو بغور سنو اور سمجھو حتیٰ کہ اس کو بخوبی سمجھ لو۔ پھر ان امور کی ادائگی کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو تاکہ جن امور کا علم حاصل ہو گیا ان پر عمل ہو سکے اس لئے کہ حقیقت اسی میں مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہدایت اور توفیق عطا فرمانے والا ہے۔
غرض کہ ہم اصل مقصود کو بتانا چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ تیرے دین میں برکت اور یقین میں زیادتی عطا فرمائے۔ اولاً یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ تقویٰ ہمارے شیوخ کے قول کے مطابق، وہ ایسے گناہوں سے قلب کا پاک صاف ہو جانا ہے کہ اس جیسا گناہ تجھ سے پہلے نہ سرزد ہوا ہو حتیٰ کہ ان معاصی کے ترک پر پختہ ارادہ قائم ہو جائے۔ اور یہ چیز تیرے اور تیرے گناہوں کے درمیان بمنزلہ حفاظت کے ہو جائے۔

یہی ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔ اس لئے کہ لفظ تقویٰ کی اصل لغت میں وقویٰ ہے اور وقایۃ کا مصدر ہے۔ بولا جاتا ہے وقی یقی، وقایۃ، وقویٰ۔ واؤ کو تا سے بدلا گیا جیسا کہ وکلان اور تکلان میں چنانچہ تقویٰ ہو گیا۔

غرضکہ جس وقت بندہ اور اس کے گناہوں کے درمیان حفاظت اور وقایت حاصل ہو جائے گی، اس کے گناہوں کے ترک پر پختہ ہونے کی وجہ سے اور قلب کے اس پر ثابت ہونے کی وجہ سے۔ تو اس وقت کہا جائے گا کہ یہ متقی ہے اور گناہوں سے ثابت قدمی اور ارادہ کی پختگی کا نام تقویٰ ہے۔

قرآن کریم میں تقویٰ کا اطلاق تین اشیاء پر ہوتا ہے ایک تو خشیت اور خوف کے معنی پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ — اور خاص مجھ ہی سے ڈرو

اور ارشاد ہے:- وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔

اور دوسرے طاعت اور عبادت کے معنی پر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے یہ معنیٰ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری اس کی اطاعت کے مطابق کرو۔

اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ اس کے بعد نافرمانی نہ صادر ہو اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کو ایسا یاد کیا جائے کہ اس کے بعد فراموش نہ کیا جائے اور ایسے ہی اس کا شکر ادا کیا جائے کہ اس کے بعد پھر ناشکری سرزد نہ ہو۔

اور تقویٰ کے دوسرے معنیٰ، گناہوں سے قلب کا صاف ہو جانا ہے یہی تقوےٰ کی حقیقت ہے پہلے دونوں معنیٰ اس مفہوم کی ادائگی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ملاحظہ نہیں کرتا۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ — اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا، اللہ سے ڈرے گا اور

اَلْفَائِزُوْنَ — پرہیزگاری اختیار کرے گا، تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

اللہ رب العزت نے اول اطاعت اور خشیت کا تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد تقویٰ کو بیان کیا تو یہ چیز معلوم ہوگئی کہ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے معنی خشیت اور طاعت کے علاوہ ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا قلب کا گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

پھر علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں۔ تقویٰ عن الشرک اور تقویٰ عن البدعۃ اور تقویٰ فرعی اور جزئی گناہوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں چیزوں کا ایک ہی آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔

سو تقویٰ اُولیٰ، تقویٰ عن الشرک ہے اور جو ایمان اس کے مقابلہ میں مذکور ہے وہ توحید ہے اور تقویٰ ثانیہ تقویٰ عن البدعۃ ہے اور وہ ایمان جو اس کے مقابلہ میں مذکور ہے اس سے اہل سنت والجماعت کے عقائد کا اقرار مراد ہے۔ اس مرتبہ کے مقابلہ میں اقرار کا تذکرہ نہیں لہذا احسان کو اس کے مقابلہ میں ذکر فرمایا اور اس سے مراد طاعت اور اس پر استقامت حاصل کرنا ہے۔ تو یہ طاعت پر استقامت حاصل کرنے والوں کا مقام ہے۔

تو آیت کریمہ تینوں مراتب کے ذکر میں جامع ہوگئی۔ منزلۃ ایمان، منزلۃ السنۃ اور منزلۃ استقامت علی الطاعۃ۔ سو یہ وہی چیز ہے جو کہ ہمارے علمائے کرام نے تقویٰ کے معنی بیان کرنے میں ذکر فرمائی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں ہیں نے تقویٰ کے معنی فضول حلال سے بچنے کے پائے ہیں۔ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

انما سمی المتقون متقین لترکہم مالا باس فیہ حذراً عما بہ باس۔

جن چیزوں میں کوئی خدشہ نہیں انہیں امور محرمہ کی بنا پر ترک کرنے کی وجہ سے متقیوں کو متقی بولا جاتا ہے۔

میں نے یہ مناسب سمجھا کہ علمائے کرام کے اقوال اور حدیث کو جمع کر دوں تاکہ تعریف جامع اور کامل معنی معلوم ہو جائیں۔ تو تقویٰ ہر اس چیز سے بچنے کا نام ہے کہ جس سے تیرے دین میں ضرر اور اندیشہ ہو۔

کیا اس مریض کو نہیں دیکھتا کہ جس کو بخار آ رہا ہو۔ جب وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو اس کو نقصان دیتی ہو۔ خواہ کھانے کی قسم سے ہو۔ یا پینے کی یا میوہ وغیرہ ہو۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اس نے ان چیزوں سے تقویٰ (پرہیز) کر لیا ہے۔

پھر وہ امور جن سے دین کے معاملہ میں خوف اور خدشہ ہو وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو محض حرام اور معصیت۔ دوسرے فضول حلال۔ اس لئے کہ فضول حلال کے ساتھ مشغول ہونا اور ان میں انہماک حاصل کرنا یہ اس کے کرنے والے کو حرام اور معصیت کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے اور یہ سب چیزیں نفس کے شریر اور سرکش اور خواہشات کی نافرمانی اور بے حیائیوں کی بنا پر ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے دین میں ضرر سے مامون ہونا چاہے وہ خطرات سے اجتناب کرے اور فضول حلال کے ارتکاب سے باز رہے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں یہ چیز حرام کے ارتکاب کا باعث اور سبب نہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے پیش نظر: لترکہم لا باس بہ حذراً عما بہ باس۔ یعنی فضول حلال کو وقوع حرام کا خوف اور خدشہ رکھتے ہوئے ترک کر دینا۔ تو تقوے کامل درجہ کا ہر اس چیز سے بچنا اور احتراز کرنا ہے کہ جس سے دین میں ضرر کا اندیشہ ہو۔ اور وہ معصیت اور فضول حلال کا ارتکاب ہے۔

اب رہا ظلم شرع کے مطابق تقویٰ کی تعریف۔ تو ہم کہتے ہیں کہ قلب کا ایسی شرارتوں سے پاک اور صاف ہو جانا ہے کہ اس جیسی شرارتیں اس سے پہلے نہ سرزد ہوئی ہوں ان شرارتوں کے ترک پر ارادہ اور عزم کی پختگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ یہ چیز تیرے اور تیری شرارتوں کے درمیان رکاوٹ اور حائل بن جائے۔

اس کے بعد شر اور برائیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شر اصلی ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے باعتبار ان کے حرام ہونے کے ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ محض معاصی اور گناہ اور دوسرے شر غیر اصلی جن کی اللہ تعالیٰ نے ادباً اور مصلحتہً ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ فضول حلال اور دیگر امور مباحات جن کا تعلق شہوت نفسانی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا پہلے قسم کا تقویٰ فرض ہے۔ اس کے چھوڑنے پر عذاب نار کا ہونا ضروری ہے۔ اور دوسرا تقویٰ محض خیر اور ادب کے طور پر ہے۔ اس کے چھوڑنے پر قید اور حساب، عار اور ملامت واجب ہے۔ لہٰذا جس نے پہلے مرتبہ کو حاصل کیا وہ تقویٰ کے ادنیٰ درجہ کو حاصل کرنے والا ہے۔ اور یہی طاعت پر استقامت حاصل کرنے والوں کا مقام ہے۔

اور جس نے دوسرے درجہ کو حاصل کیا یہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے۔ اور یہ مباح امور کو چھوڑنے پر استقامت حاصل کرنے والوں کا مقام ہے۔

غرض کہ جب بندہ ان دونوں امور کو جمع کر لیتا ہے یعنی ہر معصیت اور فضول شئے سے بچنا۔ تو تقویٰ کے معنی اس میں کامل ہو گئے۔ اور اس کے حقوق کی اس نے ادائیگی کر لی۔ اور اس نے ان تمام امور خیر کو جمع کر لیا جو کہ تقویٰ کے معنی میں مضمر اور پوشیدہ ہیں اور یہی وہ صرخ کامل ہے جو کہ تمام امور دین کی جڑ اور بنیاد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ادب کا مقام ہے اور یہی تقویٰ کے معنی اور اس کا بیان ہے۔

نفس میں تقویٰ کے استعمال کا طریقہ

اب اگر تو دریافت کرے کہ ہمارے سامنے اس تقویٰ کی نفس کے متعلق بھی

تفصیل بیان کرو اور اس کے استعمال کا طریقہ اس لئے کہ اس بات کی حاجت درکار ہے کہ نفس میں ہم اس کا کس طریقہ پر استعمال کریں اور نفس پر کس طریقہ پر قابو حاصل کریں۔

تو نفس کے متعلق اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس پر پختہ ارادہ کے ساتھ قائم اور ثابت رہے اور ہر معصیت سے اس کو روکے اور ہر فضول شئے کے ارتکاب سے اس کو محفوظ رکھے۔ غرض کہ جب تو اس کلیہ پر کاربند ہو جائے گا، تو اس وقت تو اپنی آنکھ اور کان، زبان اور دل، پیٹ اور شرمگاہ اور تمام اعضاء میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ حاصل کرنے والا ہو جائے گا۔ اور نفس کے تقویٰ کی لگام ڈال لے گا۔ اس باب کے متعلق بہت تفصیل ہے۔ ہم نے کتاب احیاء علوم الدین میں اس کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔

اور جن امور کا یہاں حاصل کرنا ضروری ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہے تو اعضائے خمسہ میں اس کا لحاظ رکھے اس لئے کہ یہی اصول اور بنیاد ہیں۔ اور وہ آنکھ کان، زبان قلب اور پیٹ ہیں۔ لہٰذا ان میں ہر اس چیز سے حفاظت کرنا چاہئے کہ جن سے اپنے دینی امور میں ضرر اور خوف کا خدشہ ہو خواہ وہ معصیت اور حرام ہو یا فضول اور امور حلال میں اسراف ہو۔ غرض کہ جب ان اعضاء میں اس قسم کی حفاظت حاصل ہو جائے گی تو اس بات کی امید ہے کہ تمام ارکان میں یہ چیز کفایت کر جائے۔ اور تمام بدن میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ حاصل ہو جائے لہٰذا ان اعضاء کے لئے پانچ فصلیں بیان کرنے کی حاجت اور ضرورت پیش آئے گی۔ اور ان امور کی تفصیلات جو کہ ان اعضاء میں سے ہر ایک کے لئے حرام ہے۔

پہلی فصل آنکھ کا بیان

آنکھ کی حفاظت اشد ضروری ہے اس لئے کہ یہ فتنوں اور آفتوں کی بنیاد ہے۔ اس کے متعلق تین اصولوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ پہلا اصول تو وہ ہے جو کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ

مومنوں سے فرما دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زائد پاکیزگی کا سبب ہے بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہیں۔

میں نے اس آیت میں غور کیا تو اختصار کے ساتھ اس میں تین عجیب چیزیں معلوم ہوئیں۔ تادیب، تنبیہ اور تہدید۔ تادیب اس جملہ میں بیان کی گئی ہے: قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ اور بندہ کے لئے سید اور آقا کی تعمیل ارشاد اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ اس کا گستاخوں میں شمار ہو جائے گا اور اس کو روک دیا جائے گا اور اس کے ساتھ مجلس میں حاضر ہونے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔

لہٰذا اس نکتہ کو سمجھ لینا چاہئے اور اس کے ماتحت اس میں اور جو عجائبات مضمر ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اور رہی تنبیہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہے ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ اس کے دو معنی ہیں۔ پہلے معنی تو یہ ہیں۔ یہ چیز تمہارے قلوب کے لئے زائد پاکی کا سبب ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے معنی طہارت کے ہیں اور تزکیہ تطہیر کو بولا جاتا ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز تمہاری بھلائیوں میں زیادتی اور کثرت کا باعث ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے بھی آتے ہیں۔

غرض کہ تنبیہ فرما دی کہ نگاہوں کے نیچا رکھنے میں قلب کی طہارت اور طاعت وامور خیر کی کثرت ہے اس لئے کہ اگر تو اپنی نگاہوں کو نیچا نہیں رکھے گا بلکہ چاروں طرف گھمائے گا تو فضول اور لغو اشیاء پر تیری نظر پڑے گی اور اس میں یہ خدشہ ہے کہ تیری نگاہ حرام شے پر بھی پڑ جائے اب اگر تو اس کے ارتکاب کا قصد اور ارادہ

تو یہ پراگندہ ہو جائے گا۔ اور بسا اوقات تیرا قلب اس کے ساتھ معلق اور وابستہ ہو جائے گا اب اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو ہلاک اور برباد ہو جائے گا۔ منقول ہے کہ بندہ ایک مرتبہ دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا قلب ایسا وابستہ رہتا ہے جیسا کہ چمڑا رنگ میں پڑا رہتا ہے۔

سو اس سے وہ کبھی بھی نفع نہیں حاصل کر سکتا اور جس شے پر نظر پڑتی ہے اگر وہ مباح اور جائز ہے تو اکثر اس کے ساتھ تیرا قلب وابستہ رہے گا اور وساوس اور خطرات آتے رہیں گے اور کبھی تیری رسائی وہاں تک نہ ہو سکے گی۔ تیرا قلب اس کے ساتھ مشغول رہے گا اور اس کی وجہ سے تو تمام امور خیر سے باز رہے گا۔ اور اگر تو نے کسی کی جانب نظر ہی نہ اٹھائی ہوگی تو ان تمام اشیاء سے تو راحت و آرام میں رہے گا۔ اسی کے ہم معنیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا اپنی نظروں کو محفوظ رکھو اس لئے کہ یہ قلب میں شہوت کو پیدا کر دیتی ہیں اور نظر کرنے والے کیلئے یہ چیز باعتبار فتنہ کے کافی ہے۔

اور ذوالنون نے فرمایا، شہوات سے باز رہنے والے کو نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں اور کسی نے بہت ہی اچھا کہا ہے۔

اگر کسی دن تو اپنے قلب کے لئے اپنی نظر کو جستجو اور تلاش کے لئے چھوڑے گا تو تجھے مناظر تھکا دیں گے جو بھی تو دیکھے گا نہ تو تمام کے حصول پر قادر ہوگا۔ اور نہ بعض پر صبر کر سکے گا۔

غرض کہ جب بھی نگاہ کو نیچی رکھے گا، اپنی نگاہ کی حفاظت کرے گا، فضول اور لایعنی اشیاء کی طرف قطعاً نظر نہیں کرے گا اور نہ اس کا خیال کرے گا۔ تو تو صاف سینے والا۔ فارغ القلب، بہت سے وسوسوں سے راحت اور آرام پانے والا، آفتوں اور مشقتوں سے نفس کو محفوظ رکھنے والا اور تمام امور خیر میں زیادتی و سبقت حاصل کرنے والا ہو جائے گا بسو اس نکتہ کو بھی محفوظ کر لینا چاہئے۔

اور تہدید اس حصہ میں مذکور ہے وَاِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔	وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

جو شخص اپنے پروردگار سے خوف رکھتا ہو اس کے لئے یہ تحذیر اور تہدید کافی ہے۔ تو یہ قرآن کریم سے پہلا اصول ثابت ہوا۔

اور اصول ثانی۔ اس کے متعلق ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

إن النظر إلى محاسن المرأة سهم مسموم من سهام ابليس فمن تركها اذاقه الله طعم عبادة تسره۔	عورت کی خوبیوں کی طرف نظر کرنا یہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے لہٰذا جو شخص اس کے ارتکاب کو ترک کر دیتا ہے اللہ اس کو ایسی عبادت کا مزہ چکھاتا ہے جو اس کو خوش کر دیتی ہے۔

اور عبادت کی شیرینی اور مناجات کی لذت حاصل ہو جانا عابدین کے نزدیک اس کی یہی حقیقت ہے اور یہ ایسی شے ہے کہ جس کا علم تجربہ سے ثابت ہے اور جو اس پر عمل پیرا ہو اس کے لئے یہ شے ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ جب فضول اور بے سود اشیاء کی طرف سے اپنی نظروں کو پھیرے گا تو عبادت کی لذت، طاعت کی حلاوت اور قلب کی صفائی ایسی محسوس کرنے لگا کہ اس سے قبل اس کا کبھی بھی احساس نہ ہوا ہوگا۔

اور اصل ثالث یہ ہے کہ اپنے اعضاء میں سے ہر ایک عضو کی طرف بغور دیکھے کہ یہ کس چیز کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی حقیقت کے متعلق غور کرے تو اس اصول کے پیش نظر اس کو محفوظ اور سالم کرے گا۔

تو پیر جنت کے باغیچوں اور محلات میں چلنے کے لئے اور ہاتھ شراب طہور کے پیالے لینے اور پھل توڑنے کے لئے ہیں اور آنکھیں رب العالمین سبحانہ وتعالیٰ کی جانب

دیکھنے کے لئے ہیں۔ دنیا و آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت اور کرامت نہیں۔ لہٰذا ہر اس شئے کے لئے واجب اور ضروری ہے جو کہ انتظار اور اس کرامت کی امید رکھے کہ اس کو سالم اور محفوظ اور اس کا عزت و اکرام کیا جائے۔

غرضکہ یہ تین اصول ہیں۔ جب کہ ان کو ملحوظ رکھے گا تو اس میں مشقت اور پریشانی سے بچ جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل

دوسری فصل کان کے امراض

قوت سمع اور کانوں کو فضول اور لغو امور سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول تو سننے والا گفتگو کرنے والے کے شریک ہوا کرتا ہے اس چیز میں جسے کہنے والے نے ادا کیا ہے۔

راستوں میں سے درمیانی راستہ کو اختیار کرلو ــــ اور مشتبہ کناروں سے علیحدگی اور تجاوز اختیار کرلو۔ اور اپنے کانوں کو بری باتوں کے سننے سے محفوظ رکھو جیسا کہ زبان کو اس کے تکلم کرنے سے۔ اس لئے کہ بری باتوں کے سننے کے وقت تو بولنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اس چیز سے باخبر رہ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خواطر اور وساوس قلب میں پیدا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے بدن میں اشتغال اور مصروفیت پیدا ہو جاتی ہے تو عبادت الٰہی کے لئے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی۔

اور بیہودہ کلام اور گفتگو جو انسان کے قلب میں واقع ہو جاتی ہے اور اس کے سننے میں آتی ہے تو وہ بمنزلہ اس کھانے کے ہے جو اس کے پیٹ میں جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں نقصان دہ بھی اور فائدہ مند بھی ایسے ہی غذا بھی اور زہر بھی یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں بلکہ کلام کھانے سے زائد باقی اور اثر پذیر رہتا ہے۔ اس لئے کہ کھانا تو معدہ سے نیند وغیرہ کی وجہ سے ختم اور زائل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا اثر بھی ایک مدت تک باقی رہتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے لئے دوا بھی موجود ہے

اور جسم انسانی سے اس کے اثرات کو ختم کردے۔ اور رہا وہ کلام جو کہ اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو بسا اوقات وہ اس کے ساتھ زندگی بھر قائم رہتا ہے اور وہ کبھی اس کو فراموش نہیں کرتا پس اگر وہ کلام فضول اور لغو ہو گا تو وہ اس انسان کو پریشانی اور عیوب میں مبتلا کردے گا۔ اور اس کی وجہ سے قلب میں ایسے خطرات اور وساوس پیدا ہوں گے کہ ان سے اعراض کرنے اور قلب کو ان کے تذکرہ سے پھیرنے کی حاجت اور ضرورت پیش آئے گی اور اللہ تعالےٰ سے اس کی شرارتوں سے پناہ حاصل کرنی پڑے گی اور اس سے مامون نہ ہو گا کہ یہ کسی آزمائش میں گرفتار کردے، یا کسی ایسی چیز کے لئے محرک بنے کہ آخرالامر اس کی وجہ سے آفت عظیمہ میں گرفتار ہو جائے اور اگر تو اپنے کانوں کو ان فضول اشیاء سے محفوظ رکھے گا تو ان مشقتوں سے راحت اور آرام میں رہے گا۔ غرض کہ عاقل اور سمجھ دار انسان کو غور وفکر کر لینی چاہیے۔

تیسری فصل زبان اور اس کی اصلاح

اس کے بعد زبان کی حفاظت اور اس کے مقید کرنے کی حاجت درکار ہے۔ اس لئے کہ یہ سرکشی اور بے حیائی کے اعتبار سے بڑی دلی دشمن اور فساد کے اعتبار سے بہت بلند ہے۔

اور سفیان بن عبداللہ سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اوپر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا اس کا۔ اور یونس بن عبیداللہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا میں نے اپنے نفس کو دیکھا کہ مقام بصرہ میں سخت گرمی میں روزے کی شدت برداشت کر سکتا ہے مگر لغویات کے ترک پر زبان پر قابو نہیں حاصل کر سکتا لہٰذا بہت حفاظت اور محنت کے صرف کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے اور اس کے متعلق پانچ اصولوں کو محفوظ کرلو۔ پہلا اصول تو وہ ہے جو کہ ابو سعید خدری رضی سے منقول ہے:-

ان ابن آدم اذا	جب انسان صبح کو اٹھتا ہے تو تمام اعضا
اصبح بکترث الاعضاء	زبان کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور قسم
کلھا الی اللسان وقلن	دے کر کہتے ہیں کہ ہمارے معاملہ میں
لہ ننشدك ان تستقیم	استقامت حاصل کر اس لئے کہ اگر تو ٹھیک
فانك ان استقمت	رہے گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور تو
استقمنا وان اعوججت	کجروی اختیار کرے گی تو ہم بھی کجرو
اعوججنا۔	ہوں گے۔

مقصود یہ کہ زبان کی گویائی، اعضائے انسانی میں توفیق اور رسوائی کے ساتھ موثر ہے اور اس معنی کی تائید وہ چیز کرتی ہے جو کہ مالک بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب تو اپنے قلب میں قساوت اور سختی اور اپنے بدن میں سستی اور اپنے رزق میں محرومی پائے تو سمجھ لے کہ تو نے کسی لغویات کا تکلم کیا ہے۔

اور دوسرا اصول یہ ہے کہ انسان اپنے اوقات کو محفوظ اور منضبط رکھے۔ اس لئے کہ اکثر جو گفتگو کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ فضول اور لغو ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اوقات ضائع ہوتے ہیں۔ منقول ہے کہ حسان بن ابی سنان کا ایک کمرہ پر سے گزر ہوا جس کو بنایا گیا تھا۔ دریافت کیا کہ یہ کمرہ کب بنایا گیا۔ اس کے بعد اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مغرور نفس ان فضول اشیاء کے متعلق تو سوال کرتا ہے۔ اور اس جرم میں ایک سال کے روزے رکھے۔

تو ان حضرات کے لئے جو کہ اپنے نفسوں کی اصلاح اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ کیا ہی خوشی کا مقام ہے اور حسرت و افسوس ہے ان غافل حضرات پر جنہوں نے اپنے نفسوں کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔

عاقل نے سچ کہا اور بہت ہی اچھا کہا کہ اندھیری رات میں جب کہ تو خالی اور آرام میں ہو دو رکعت نفل پڑھنے کو غنیمت سمجھ لے اور جب لغو اور باطل امور میں

مصروف ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے بجائے تسبیح پڑھے اور خاموشی کو لازم پکڑنا گویائی اور گفتگو سے بہتر ہے اگرچہ فصاحت و بلاغت کا پیکر ہو۔

اور تیسرا اصول اعمال صالحہ کی حفاظت کرنا ہے اس لئے کہ جو شخص اپنی زبان کو نہ محفوظ رکھے اور کلام بکثرت کرے یقینی طور پر انسانوں کی غیبت میں گرفتار ہو جائے گا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جس شخص کی گویائی اور گفتگو زائد ہو جائے اس کی غلطیاں بھی زائد ہو جاتی ہیں۔ اور غیبت تو طاعت کو ہلاک اور برباد کر دینے والی چیز ہے کہ منقول ہے کہ اس شخص کی مثال جو انسانوں کی غیبت کرتا ہے ایسی ہے جیسا کہ کسی نے توپ اور منجنیق نصب کر دی اور اس کے ذریعے سے وہ اپنی نیکیوں کو مشرق مغرب دائیں اور بائیں پھینک رہا ہے۔

حضرت حسنؒ کے تذکروں میں یہ بات ملی ہے کہ ان سے کہا گیا اے ابوسعید فلاں شخص تمہاری غیبت کر رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن نے ایک طباق میں اس کے پاس کھجوریں روانہ کر دیں۔ اور کہلا بھیجا کہ ہم کو یہ اطلاع ملی ہے کہ تم نے اپنی نیکیاں ہمارے پاس تحفہ میں بھیجی ہیں۔ لہٰذا میری طبیعت چاہی کہ میں تمہارا بدلہ ادا کر دوں۔

ابن المبارکؒ کے سامنے غیبت کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر میں کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی کروں اس لئے کہ وہ میری نیکیوں کی زیادہ حقدار ہے۔

منقول ہے کہ حضرت حاتم اصمؒ سے ایک رات کا قیام فوت ہو گیا اس پر ان کی بیوی نے ان کو عار دلائی اس پر حاتم اصم نے فرمایا کہ انسانوں نے گزشتہ رات نمازیں پڑھیں۔ لیکن جب صبح ہو گئی تو مجھ سے آکر مل گئے۔ تو ان کی یہ تمام نمازیں قیامت کے دن میری ہی میزان میں جائیں گی۔

اور چوتھا اصول اپنے کو دنیا کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھنا جیسا کہ سفیان رضؓ نے فرمایا۔ اپنی زبان سے وہ گفتگو اور کلام نہ کر جو تیرے دانتوں کو توڑ دے اور دوسروں نے فرمایا ہے کہ اپنی زبان کو نہ پھیلا کہیں تیری حالت ہی خراب ہو جائے۔

اور اس کے متعلق شعر بھی کہا ہے :-

اپنی زبان کی حفاظت کر کلام قطعاً نہ کر کہیں آزمائش میں نہ مبتلا ہو جائے کہ تمام مصیبتیں گویائی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے یہ شعر فرمایا ہے :-

اپنی زبان کی حفاظت کر اس لئے کہ زبان انسان کے قتل کرنے میں پیش پیش ہے۔ اور زبان قلب کی دلیل ہے کہ انسانوں کو اس کی عقل کی خبر دیتی ہے۔

اور ابن ابی المطیع نے یہ اشعار کہے ہیں :-

انسان کی زبان اس شیر کی طرح ہے جو معاونین کے رستہ میں موجود ہو۔ جب اس کو موقع ملے تو غارت گری شروع کر دے۔ لہٰذا زبان کو ایسی لگام کے ذریعہ سے جو کہ اس کو خاموش کر دے اس لوٹ مار سے محفوظ رکھ تاکہ یہ چیز تیرے لئے مشقتوں سے پردہ اور رکاوٹ بن جائے۔

اور امثال سابقہ میں مذکور ہے بعض کلمات بولنے والے سے کہتے ہیں کہ مجھے چھوڑ دے۔

پانچواں اصول۔ وہ آخرت کی آفات اور اس کے انجاموں کا تذکرہ کرنا ہے۔ اور اس میں ایک نکتہ کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے اس لئے کہ وہ حال سے خالی نہیں یا تو ممنوع اور حرام بات بیان کرے گا یا کوئی جائز فضول اور لغو بات بیان کرے گا۔

اور اگر حرام اور ممنوع بات بیان کی تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے کہ جس کی انسان طاقت اور قوت نہیں رکھتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لیلۃ اسری بی رأیت فی النار قوما یاکلون الجیف فقلت یا جبریل من ھؤلاء قال ھؤلاء الذین یاکلون لحوم الناس۔

شب معراج میں میں نے دوزخ میں ایک جماعت کو دیکھا جو مردار کھا رہی ہے میں نے دریافت کیا اے جبریلؑ یہ کون لوگ ہیں۔ جبریلؑ نے بیان کیا یہ وہ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھاتے یعنی غیبت کرتے ہیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اقطع لسانك عن حملة القرآن وطلاب العلم ولا تمزق الناس بلسانك فتمزقك كلاب النار۔

اپنی زبان کو قرآن والوں اور طالب علموں سے محفوظ رکھو اور اپنی زبان سے انسانوں کے درپے نہ ہو کہیں دوزخ کے کتے تجھے نوچیں۔

اور ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا غیبت کرنے میں قلب کی ہدایت کے قبول کرنے سے تباہ و برباد کرنا ہے۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم سے اس چیز کی حفاظت اور عصمت طلب کرتے ہیں۔ یہ تو ممنوع کلام کے متعلق بحث ہوئی۔

اور رہا جائز و مباح کلام سو اس میں چار شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کراماً کاتبین کو ایسے امور کے ساتھ مشغول کرنا کہ جس میں کوئی خیر اور فائدہ نہیں۔ انسان پر واجب اور ضروری ہے کہ ان سے شرمائے اور ان کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچائے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔

نہیں بولتا ہے کوئی بات مگر اس کے پاس نگہبان حاضر ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ رب العزت کی جانب لغو اور بیکار باتوں کو پہنچانا۔ لہٰذا بندہ کو ان سے بچنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا خوف کرنا چاہئے۔ مذکور ہے کہ بعض حضرات نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایسی ہی بیہودہ باتیں کر رہا تھا تو اس پر انہوں نے کہا خاموش رہو۔ اپنے رب کے پاس یہ باتیں پہنچا رہا ہے تو سوچ اور سمجھ کیا بیہودہ کلام کر رہا ہے۔

اور تیسرے تمام اشیاء کی قیامت کے روز علی رؤس الاشہاد ملائکہ تمہارے سامنے پڑھا جائے گا اور وہ دن سختیوں اور مصیبتوں کا دن ہوگا۔ دراں حالیکہ انسان پیاسا ننگا بھوکا جنت سے علیحدہ کیا ہوا اور نعمتوں سے محروم کیا ہوا۔

اور چوتھے ایسے کلام پر ملامت اور عار ہے اور اللہ رب العزت کے سامنے

حجت اور حیلہ کا دروازہ بند ہے۔ کہا گیا ہے کہ فضول اور لغو کلام کے تکلم سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کا حساب بہت طویل اور دراز ہے اور جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے اس کے لئے یہ اصول نصیحت بننے کے لئے بہت کافی ہے اور ہم نے کتاب اسرار معاملات الدین میں اس باب کے متعلق بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کرو تسلی اور تشفی ہو جائے گی۔

چوتھی فصل۔ قلب اور اس کی درستگی

اس کے بعد قلب کی حفاظت اور اس کی اصلاح اور اس میں غور و فکر کرنے اور تمام کوششوں کے صرف کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔

اس لئے کہ یہ تمام اعضا میں خطرات کے اعتبار سے بہت بلند، اثرات قبول کرنے کے اعتبار بہت فائق، معاملات کے اعتبار سے دقیق اصلاح کی حیثیت سے مشکل اور احوال کے اعتبار سے دشوار ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق پانچ اصول بیان کرتا ہوں۔

پہلے اصول کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔

وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

وہ تو دلوں کی باتوں سے بھی باخبر ہے۔

کس قدر اور بار بار قرآن کریم میں اس چیز کا تذکرہ فرمایا۔ عابدین میں سے خواص حضرات کے لئے علیم، خبیر کو اس چیز کی اطلاع ہو جانا ڈرنے اور خوف کرنے کے لئے

کافی ہے اس لئے کہ علام غیوب کے سامنے معاملہ بہت ہی عظیم الشان ہے۔ لہٰذا اپنے دلوں کے متعلق جن چیزوں کا علم ہے ان کے اندر غور و فکر کرو۔

اور دوسرا اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ لا ینظر الی صُوَرِکُمْ و اَبْشَارکم و اِنَّمَا ینظر الی قلوبکم۔	اللہ رب العزت تمہاری صورتوں اور کھالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

تو قلب رب العالمین اور احکم الحاکمین کی نظر فرمانے کا مقام ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو کہ اپنے چہرہ کا اہتمام کرتا ہے جو مخلوق کے دیکھنے کی چیز ہے کہ اس کو دھوتا اور گندگیوں سے اور میل سے صاف کرتا اور حتی الوسع اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مخلوق کسی عیب پر نہ مطلع ہو۔ اور اپنے اس قلب کا اہتمام نہیں کرتا جو رب العالمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے۔ کہ اس کو پاکیزہ مزین اور خوب صورت بنائے تاکہ رب العالمین کسی عیب، برائی، گندگی اور آفت کو اس میں نہ دیکھے بلکہ اس کو تو فضیحتوں، گندگیوں اور برائیوں میں ڈالے رکھتا ہے۔ اگر مخلوقات میں سے کوئی اس کو دیکھ لے تو اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرلے اور اس کو چھوڑ دے۔

اور تیسرا اصول یہ ہے کہ قلب ایسا بادشاہ اور رئیس ہے جو کہ اطاعت اور فرمانبرداری کے قابل ہے اور تمام اعضائے انسانی اس کے تابع اور ماتحت ہیں۔ لہٰذا جب متبوع میں صلاحیت پیدا ہوگی تو تابع میں یقینی طور پر ظاہر ہوگی۔ اور جب بادشاہ راہ راست اختیار کرے گا ——————— تو اس کی رعایا خود راہ راست پر آجائے گی۔ اور اس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بخوبی بیان کردیتا ہے کہ آپ نے بیان فرمایا۔

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ	بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے

وَاِذَا فسدت فسد الجسد کلہ الَاوَ ھِیَ القلب۔ اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ ہشیار ہو کہ وہ قلب ہے۔

غرض کہ جب تمام بدن کی اصلاح اسی پر موقوف ہے تو تمام کوششوں کو اسی کی صلاح پر صرف کرنا چاہیئے۔

اور اصول رابع یہ ہے کہ قلب بندہ کے لئے تمام نفیس جواہرات کا خزینہ اور ہر عظیم الشان اشیاء کا مسکن ہے ان میں پہلی شے تو عقل اور سب سے عظیم الشان شے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جو سعادت دارین کا باعث اور سبب ہے اور اس کے بعد وہ چیزیں کہ جن کی بنا پر اللہ رب العزت کے سامنے تقدم اور رسائی ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد طاعات میں نیت کا خالص رکھنا ہے کہ جس پر ہمیشہ کے لئے ثواب مرتب ہو۔ پھر علوم اور حکمتوں کے اقسام ہیں کہ جن کی بنا پر بندہ کی شرافت اور بزرگی ہے اور تمام وہ اخلاق جمیلہ اور افعال حمیدہ ہیں کہ جن کی وجہ سے انسانوں پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے اور ہم نے ان تمام چیزوں کو کتاب اسرار معاملات الدین میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس جیسے خزانہ کے لئے یہ چیز واجب اور ضروری ہے کہ اس کی گندگیوں اور آفتوں سے حفاظت اور نگہداشت کی جائے اور چور اور ڈاکوؤں سے اس کو محفوظ رکھا جائے اور کرامات و بزرگیوں کے ذریعہ سے اس کی عظمت و تعظیم کی جائے۔ تاکہ ان عظیم جواہرات کو کسی قسم کا میل کچیل نہ لگ جائے اور عیاذاً باللہ کہیں دشمن اس پر قابو نہ پا جائے۔

اور پانچواں اصول۔ میں نے اس کے متعلق غور کیا تو اس کے احوال میں پانچ قسم کی شکلیں اور صورتیں ہیں جو کہ انسان کے علاوہ اور کسی میں نہیں ہو سکتیں۔ پہلی شکل تو یہ ہے کہ دشمن انسان قصد کرنے والا ہے اس کی جانب متوجہ اور اس کے ساتھ لازم ہے اس لئے کہ شیطان انسان کے قلب پر مسلط ہے اور وہ اس کو وساوس اور خطرات میں مبتلا کئے رکھتا ہے۔ غرض کہ انسان کو ہمیشہ دو چیزیں برانگیختہ کرتی رہتی ہیں۔

فرشتہ اور شیطان

اور دوسری شے یہ ہے کہ قلب کو مشغولیت بہت زائد ہے اس لئے کہ عقل اور خواہشات دونوں چیزیں اسی میں موجود ہیں۔ اور وہ دونوں اپنے لشکر تیار رکھتے ہیں۔ خواہشات اور اس کا لشکر، عقل اور اس کا لشکر۔ اور یہ ہمیشہ ان سے محاربہ قتال اور جنگ میں لگا رہتا ہے۔ لہٰذا اس گھاٹی پر یہ چیز واجب ہے کہ اس کی حفاظت اور نگہداشت کرے اور اس سے غفلت نہ اختیار کرے۔

اور تیسری شے یہ ہے کہ قلب پر عوارضات کا بے شمار ہجوم ہے اس لئے کہ خطرات اور وساوس مثل تیروں کے اس پر گرتے رہتے اور مثل بارش کے رات دن اس پر برستے رہتے ہیں کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ تجھے ان کے روکنے اور منع کرنے پر قدرت حاصل ہو کہ ان کو روک ہی دے اور نہ یہ ان آنکھوں کے طریقہ پر ہیں جو کہ دونوں پلکوں کے درمیان ہیں کہ تو انہیں بند ہی کر دے اور آرام مل جائے یا کسی خالی مقام یا اندھیری رات میں ہو کہ تجھے وہ مناظر نظر ہی نہ آئیں۔ اور نہ یہ قلب مثل اس زبان کے ہے جو کہ دانتوں اور ہونٹوں کے پیچھے ہے اس کے روکنے اور سکون حاصل کرنے پر قدرت ہے بلکہ قلب تو تمام وساوس کا نشانہ ہے کہ جن سے تو روکنے اور کسی وقت بھی حفاظت کرنے پر قادر نہیں اور یہ کسی وقت تجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ نفس اس کی اتباع اور پیروی کرنے میں بہت پیش پیش ہے اور اس کے روکنے میں طاقت صرف کرنا بہت سخت کام اور عظیم الشان محنت کا کام ہے۔

چوتھی شے یہ ہے کہ اس کا علاج کرنا بہت سخت اور دشوار اور مشکل ہے اس لئے کہ وہ تجھ سے غائب ہے تو اس کی بیماریوں کے سمجھنے اور علاج کرنے سے قاصر ہے مگر یہ کہ اس میں کوئی آفت اور حالت پیدا ہو جائے لہٰذا اس چیز کی حاجت و ضرورت ہے کہ اس میں پوری کوشش اور دقت نظر اور محنت کے ساتھ کامل طور پر بحث کی جائے۔

پانچویں شے کہ آفتیں اس کی جانب بہت سبقت کرتی ہیں اور یہ انقلاب اور تبدل کو بہت جلد قبول کرتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ قلب کی سرکشیوں میں تقدیر سے تیز انقلاب اور تبدل ہوتا ہے۔ اور اسی معنی کی ادائگی کے لئے شعر بھی کہا گیا ہے۔

قلب کا نام اس میں تبدیلی اور انقلاب پیدا ہونے ہی کی وجہ سے رکھا گیا ہے

اور رائے انسان میں احوال کو پیدا کر دیتی ہے۔

اور پھر قلب کی لغزشیں بہت عظیم الشان ہیں اور اس کا ان مشکلات میں گرفتار ہو جانا بہت شاق اور دشوار ہے اور عیاذاً باللہ وہ بہت ہی گھبراہٹ اور پریشانی کا مقام ہے جب کہ اس میں سختی اور غیر اللہ کی طرف میلان پیدا ہو جائے ——— اور اس کا منتہیٰ عیاذاً باللہ کفر پر خاتمہ ہے۔ کیا رب العزت کا فرمان نظر سے نہیں گزرا۔

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۔ اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

کبر شیطان کے دل میں موجود تھا، اس نے انکار اور کفر پر اس کو برانگیختہ کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۔ لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور خواہشات کا تابع ہو گیا۔

اتباع ہولی اور اس کی رغبت اس کے دل میں موجود تھی۔ لہٰذا ان بدترین گناہوں کے ارتکاب پر اس کا نفس خود بخود مائل ہو گیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔ اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں نے اپنے قلوب پر خوف اور خدشہ

طاری کیا ہے اور اس کے خوف کی وجہ سے آہ وزاری کی اور اپنی تمام کوششوں کو اسی کی طرف منعطف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان ہی حضرات کے اوصاف کے متعلق فرماتا ہے:۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں خطرات اور پریشانی کے مواقع یہاں مہتم کاموں سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والا بنائے۔ اور اچھائی کے ساتھ قلوب کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے (آمین) یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

مہلکاتِ قلب اور ان کا بیان

اب اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ اس قلب کا معاملہ بہت سخت ہے تو ہمارے سامنے وہ چیزیں بیان کرو کہ جس کی وجہ سے قلب کی اصلاح کر سکیں اور ان آفتوں کو بتلاؤ کہ اس پر پیش آتی رہتی اور اس میں فساد وہلاکت برپا کرتی رہتی ہیں ممکن ہے کہ ہمیں اس کے ذریعہ سے اعمال میں سعی وکوشش کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان اشیا کی تفصیل بہت طویل ہے۔ یہ مختصر سی کتاب اس کی صلاحیت اور گنجائش نہیں رکھتی اور علمائے آخرت نے ان چیزوں کے اور اس نکتہ کے متعلق تصنیفات کرنے میں اپنی کوشش کو صرف کیا ہے اور جن چیزوں کی اس میں حاجت ہے اس میں (۹۰) خصائل محمودہ کو بیان کیا ہے اور اس کے اضداد میں مذمومہ کو۔

اس کے بعد اعمال واجب اور ممنوع چیزوں کو بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ تمام تفصیلات کو بیان کر دیا۔ اور میری عمر کی قسم کہ جس شخص کو اپنے دین کے معاملہ میں اہتمام پیدا ہو اور غافلین کی جماعت سے وہ بیدار ہو اور اپنے نفس پر غور کرے

تو یہ تمام چیزیں اس کے لئے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اور ان تمام امور پر عمل پیرا ہونا جب کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے البتہ عظیم الشان کام ہے اور ہم نے اس میں سے کچھ حصہ عجائب قلب کی بحث میں کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کر دیا ہے اور ان تمام امور کی شرح تفصیل کے ساتھ اور اس کے علاج کا طریقہ اسرار معاملات الدین میں بیان کیا ہے جو بلند فائدے والی مستقل کتاب ہے اور کبار علمائے کرام کے علاوہ اس سے کوئی نفع نہیں حاصل کر سکتا اور اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اس سے مبتدی اور منتہی قوی اور ضعیف سب ہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے ان اصولوں کے اندر غور کیا جو علاج قلب میں ضروری ہیں اور ان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور حاجت ان کی داعی ہے اور عبادت کے معاملہ میں اس سے استغنا نہیں کیا جا سکتا۔ غور کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ چار قسم کی چیزیں ہیں اور یہ عبادت کرنے والوں کے لئے رکاوٹ اور کوشش کرنے والوں کے لئے مصیبت اور آفت اور یہ قلوب کی گندگیاں اور نفوس کی پریشانیاں ہیں جو کہ مشکل میں ڈالنے والی عیب اور فساد اور تلف و برباد کرنے والی ہیں۔ اور یہ چار چیزیں ان کے برخلاف ہیں جس میں عبادت کرنے والوں کی درستگی اور عبادت کا انتظام اور قلوب کی درستگی۔

لہٰذا پہلی چاروں آفتیں تو وہ امید، جلد بازی، کبر اور حسد ہیں۔ اور بعد والی چاروں فضیلت کی چیزیں۔ وہ امیدوں کا انقطاع، کاموں میں جلد بازی کا اختتام، مخلوق کی خیر خواہی کرنا اور خشوع و تواضع اختیار کرنا۔ تو یہ قلب کی درستگی اور اس کے اندر فساد برپا کرنے کے متعلق چیزیں ہیں۔ اور عجیب چیز یہ ہے کہ ان ہی اشیاء پر مدار ہے۔ لہٰذا کوشش ان آفتوں سے بچنے اور فضیلت کی چیزیں حاصل کرنے میں صرف کرنی چاہئے کہ مشقتوں سے حفاظت اور مقصود و مطلوب پر کامیابی حاصل ہو جائے۔ آخر میں ان آفات کو مختصر طریقہ پر بیان کرتا ہوں تاکہ یہ چیز کافی و شافی ہو جائے:

امیدوں کی درازی اور ان کا علاج

امیدوں کی درازی ہر ایک خیر اور طاعت کے کام سے روکنے والی اور شر اور فتنہ کی دعوت دینے والی ہے اور ایسی ٹیڑھی بیماری ہے جو مخلوقات کو آزمائشوں اور پریشانیوں میں گرفتار کر دیتی ہے۔ سمجھ لینا چاہئے کہ جب امیدیں دراز ہو جائیں تو چار چیزیں یقیناً پیش آجائیں گی۔

پہلی شئے تو یہ ہے کہ طاعت الٰہی کا انقطاع اور اس میں سستی پیدا ہو جائے گی اور تو اپنے دل میں کہنے لگے گا، کرلیں گے جلدی کیا ہے، دن تو اپنے ہی سامنے ہیں۔

داؤد طائی رحمہ نے سچ فرمایا کہ جس کو ڈانٹ اور عذاب کا خوف ہو تو اس کے لئے بعید چیز بھی قریب ہو جاتی ہے اور جس کی امیدیں دراز ہو جائیں اس کے اعمال ہی تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔

اور یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ نے فرمایا:

آس اور امید ہر ایک خیر کے کام سے روکنے والی اور لالچ و طمع ہر حق سے منع کرنے والا اور صبر ہر ایک کامیابی کی طرف لے جانے والا اور نفس ہر برائی کی دعوت دینے والا ہے۔

اور دوسری شئے، توبہ کا چھوڑ دینا اور اس کو معلق کر دینا۔ عنقریب توبہ کروں گا ابھی دنوں میں گنجائش ہے، میں جوان ہوں اور میری عمر بھی کم ہے اور توبہ کا تو ابھی وقت باقی ہے اور مجھے اس پر قدرت حاصل ہے جب طبیعت چاہے گی تب ہی توبہ کرلوں گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر موت اچانک گناہوں کے ارتکاب میں اس کو گھیر لیتی ہے اور اعمال کی وابستگی سے پہلے وقت پورا ہو جاتا ہے۔

اور تیسری شئے۔ ہر ایک چیز پر حرص اور طمع کرنا اور دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں ترجیح دینا اور یہ کہنا کہ مجھے بڑھاپے میں فقر و فاقہ کا خدشہ ہے۔ ممکن ہے کہ مجھ میں کمانے کی طاقت اور قوت باقی نہ رہے اور ضرورت سے زائد چیز کی بھی مجھے حاجت اور ضرورت پیش

تاکہ اس کو میں اپنے مرض، فقر و فاقہ اور بڑھاپے کے لئے جمع رکھوں۔ غرض کہ اس قسم کی چیزیں اس کے سامنے آجاتی ہیں جو اس کو دنیا کی رغبت اور اس کی حرص و طمع اور رزق کے اہتمام میں مصروف کر دیتی ہیں۔ اور کہتا ہے کیا کھاؤں گا، کیا پیوں گا اور کیا پہنوں گا یہ سردی کا زمانہ ہے اور یہ گرمی آرہی ہے اور میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ ممکن ہے کہ میری زندگی کا زمانہ دراز ہو جائے اور مجھے حاجت، اور ضرورت پیش آجائے۔ بڑھاپے میں حاجت اور ضرورت بہت شدید ہے۔ مجھے کھانے پینے کے لئے حاجت ہے۔ اور انسانوں سے استغنا حاصل ہونا چاہیئے غرض کہ اس قسم کی تمام چیزیں اس کو دنیا کی رغبت دلاتی اور جمع کرنے کی خواہش پیدا کرتی ہیں اور جب کچھ اس کے پاس ہے اس کے خرچ کرنے سے روکتی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تیرے قلب کو مشغول اور تیری عمر کو ضائع اور برباد کر دیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ بلا فائدہ تیرے غم اور پریشانیوں کو زائد کر دیتی ہیں۔

حضرت ابوذر رضؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس ایک دن کی فکر نے جو کہ ابھی تک نہیں آیا۔ مار ڈالا۔ دریافت کیا گیا اے ابوذر کیسے فرمایا۔ میری امیدیں میری عمر سے متجاوز ہیں۔

اور چوتھی شئے قساوت قلب اور آخرت سے بے فکری اور نسیان۔ اس لئے کہ جب تو دراز زندگی کی امید اور آرزو رکھے گا تو نہ تجھے موت یاد آئے گی نہ قبر۔

جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اپنے اوپر ان چیزوں کا خوف کرتا ہوں جس کا تمہارے اوپر خوف کرتا ہوں اور وہ دو چیزیں ہیں، امید کی درازی اور خواہشات کی اتباع۔ آگاہ ہو جاؤ کہ طول امل آخرت کو بھلا دیتی ہے اور خواہشات کا اتباع حق سے روکتا ہے تو اس وقت تیری فکریں اور تیرے بڑے بڑے کام دنیا کی باتوں اور عیش و عشرت کے سامان مخلوق کی محبت میں شمار ہو جائیں گے؟ تو قلب اس کی وجہ سے سخت ہو جائے گا۔ قلب کی رقت اور صفائی تو موت اور قبر، ثواب اور عقاب اور احوال آخرت کے تذکروں سے ہوتی ہے اور جب ان باتوں میں کوئی چیز بھی

موجود نہ ہوگی تو قلب میں رقت اور صفائی کیسے ہو سکتی ہے۔

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ (پھر ان پر زمانہ دراز ہو گیا اور توبہ نہ کی)
فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (پھر ان کے دل خوب ہی سخت ہو گئے۔)

سو جب تو اپنی امیدوں کو دراز کرے گا تو تیری طاعت کم توبہ مؤخر معصیت زائد، حرص اور طمع بکثرت ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ تیرا قلب سخت ہو جائے گا اور آخرت سے تیری غفلت بڑھ جائے گی اور عیاذاً باللہ اگر اللہ تعالیٰ تیری آخرت کے متعلق تجھ پر رحم و کرم نہیں فرمائیں گے تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گی تو کون سی حالت اس حالت سے بری ہو سکتی ہے اور کون سی آفت اس آفت سے بڑی ہو سکتی ہے اور یہ تمام چیزیں امیدوں کی درازی کی وجہ سے ہیں۔ اور جب تو اپنی امیدوں کو کم کر دے گا اور اپنے کو موت سے قریب تر بنائے گا اور اپنے بھائیوں اور ہم عمروں کا تذکرہ کرے گا کہ جنہیں موت اس حالت میں آگئی کہ انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اور بہت ممکن ہے کہ تیری بھی حالت ان ہی کی طرح ہو لہذا اپنے مغرور نفس کو اس سے ڈرا۔

اور اس کو عوف بن عبد اللہ کا قول سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت سے ایسے آدمی ہیں جو دن کو شروع کر کے اس کو پورا کرنے پر قادر نہیں۔ اور بہت سے ایسے حضرات ہیں کل کے آنے کے منتظر ہیں، مگر اسے وہ نہیں پا سکتے۔

اگر تو موت اور اس کی مدت کو دیکھے تو یقینی طور پر امید اور نفس کے غرور سے بغض کرنے لگے اور کیا تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نہیں سنا۔ انہوں نے فرمایا۔ دنیا صرف تین دن ہے کل گذشتہ تو گزر چکا اس میں سے تیرے پاس کوئی چیز نہیں اور کل آئندہ کی تجھے خبر نہیں کہ اسے حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں۔ صرف ایک آج کا دن ہے، اسی کو غنیمت سمجھ لینا چاہئے

اور اس کے بعد حضرت ابو ذرؓ کا قول محفوظ رکھنا چاہئے۔ انہوں نے فرمایا دنیا کی تین ساعتیں ہیں۔ ایک ساعت اور گھڑی تو گزر چکی۔ اور ایک ساعت میں تو موجود ہے۔

اور تیسری ساعت کی خبر نہیں کہ وہ تجھے حاصل بھی ہوگی یا نہیں ۔ تو حقیقی طور پر تو ایک ساعت کے علاوہ اور کسی ساعت کا مالک نہیں اس لئے کہ موت ایک ساعت اور گھڑی سے دوسری ساعت تک آسکتی ہے ۔ اس کے بعد ہمارے شیخ رحمہ کے قول کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ دنیا تین سانسوں کے برابر ہے ۔ ایک سانس تو گزر چکا ، اس میں جو کچھ تجھے کرنا تھا سو کیا اور ایک سانس وہ ہے جسے تو لے رہا ہے اور تیسرے سانس کے متعلق تجھے علم نہیں کہ تو اسے لے بھی سکے گا یا نہیں اس لئے کہ بہت سے سانس لینے والے ایسے ہیں کہ ان کو دوسرے سانس لینے سے قبل ہی موت آگھیرتی ہے تو حقیقت میں تو ایک سانس کے علاوہ اور کسی چیز کا مالک نہیں نہ ایک دن کا نہ ایک گھڑی کا تو انتقال اور موت سے پہلے اسی سانس میں طاعت الٰہی اور عبادت الٰہی کی جانب سبقت کرنی چاہیئے اور توبہ کر لینی چاہیئے ممکن ہے کہ دوسرے سانس ہی میں تیرا انتقال ہو جائے ۔ اور اس کے ساتھ رزق کا اہتمام بھی نہ کرنا چاہیئے ممکن ہے کہ تو زندہ ہی نہ رہے کہ اس کی حاجت اور ضرورت پیش آئے ۔ تو تیرے اوقات ضائع اور برباد اور فضول کا غم اور پریشانی علیحدہ ۔ اور انسان کے لئے قطعاً یہ چیز مناسب نہیں کہ وہ ایک دن ، ایک ساعت ، ایک سانس کے لئے روزی کی جستجو اور تلاش کرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے نصیحت حاصل نہیں کرتا جو آپؐ نے حضرت اسامہ رضؓ کے متعلق فرمایا ۔ کیا تم اسامہ کے متعلق تعجب نہیں کرتے ۔ اسامہ ایک ماہ روکنے کے لئے چیز خریدتے ہیں ۔ اسامہ بہت ہی دراز امید رکھنے والے ہیں ۔ اور خدا کی قسم میں کوئی قدم زمین پر نہیں رکھتا کہ اس کے اٹھانے کا خیال اور ایسے ہی کوئی لقمہ منہ میں نہیں رکھتا کہ اس کے متعلق چبانے کا گمان کروں ۔ مگر یہ کہ اس وقفہ میں مجھے موت لاحق ہو جائے ۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقینی طور پر آنے والی ہے اور تم اسے نہیں روک سکتے ۔

غرض کہ اے انسان جب تو ان اذکار سے نصیحت حاصل کرے اور ان کا اعادہ

اور تکرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن اور فضل سے تیری امیدوں میں انقطاع پیدا ہو جائے گا اور اس وقت تو اپنے کو دیکھے گا کہ طاعات کی جانب سبقت کر رہا ہو گا اور توبہ تیزی کے ساتھ کرتا ہو گا نتیجہ یہ ہو گا کہ تیری مصیبتیں تجھ سے کم ہو جائیں گی اور دنیا میں زہد اور اس کی طلب کی شان تجھ میں پیدا ہو جائے گی۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تیرے حساب اور عقاب کو ہلکا فرما دے گا۔ اور تیرا قلب آخرت کے تذکرہ اور اس کی پریشانیوں میں لگ جائے گا اور اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں مگر ایک سانس سے دوسرے سانس تک جو کہ اس کی طرف اس کو لے جاتی ہے اور ایک ایک کر کے اس کی جانب کھینچتی ہے لہٰذا اس کے بعد تجھ سے قساوت زائل، رقت اور صفوت ظاہر ہو جائے گی۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت طاری اور اس کی وجہ سے عبادت کا معاملہ درست ہو جائے گا اور اس کے لئے امید قوی ہو جائے گی کہ تو اپنی عاقبت کے لئے تیاری کر رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ عاقبت میں مقصود پر کامیابی حاصل ہو گی اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس خصلت یعنی امیدوں کے انقطاع ہونے کے بعد ہی ظہور میں آئے گا۔

منقول ہے کہ زرارۃ بن اوفیٰ رضہ سے ان کے انتقال کے بعد خواب میں دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل تمہارے نزدیک عمدہ ہے۔ فرمایا، رضا اور امیدوں کا انقطاع لہٰذا اپنے اندر اس چیز کے متعلق غور و فکر کرو اور اپنی کوششوں کو اس اصل کبیر میں صرف کرو اس لئے کہ قلب اور نفس کی اصلاح میں یہی چیز اہم اور بلند ہے۔

باقی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس چیز کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

حسد کی برائیاں

حسد طاعات کو برباد کرنے والا، گناہوں پر آمادہ کرنے والا ہے اور یہ ایسی بری بیماری ہے جس میں عوام اور جاہلوں کے علاوہ اکثر قراء اور علماء مبتلا ہیں یہاں تک

کہ اس بیماری نے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ اور دوزخ تک لا کر چھوڑ دیا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو نے نہیں سنا کہ چھ قسم کے انسان چھ چیزوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ عرب عصبیت کی وجہ سے، امرا ظلم کی وجہ سے اور دہقانی کبر کی وجہ سے اور تاجر خیانت کی وجہ سے؛ دیہاتی انسانی جہالت کی وجہ سے اور علماء کرام حسد کی بنا پر۔ اور یہ ایسی آفت ہے کہ جس کی بدبختی علماء کو بھی دوزخ تک کھینچ لاتی ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرنا اور بچنا بہت سخت ضروری ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حسد پانچ چیزیں پیدا کرتا ہے۔ ایک یہ کہ طاعات کو ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ — حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے،
کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ — جیسا کہ آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے۔

اور دوسری شے، حسد معاصی اور شرارتوں پر برانگیختہ کرتا ہے جیسا کہ وہب بن منبہ رح نے فرمایا۔ حاسد کی تین علامتیں ہیں کہ جب گواہی دے تو چاپلوسی کرے اور غائب ہونے کے بعد غیبت کرے اور مصیبت کے پیش آنے پر اس سے بدفالی حاصل کرے۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ بس تجھے یہی چیز کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ جیسا کہ ساحر اور شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو غور کر لینا چاہیئے کہ حاسد میں کس قدر شر اور فتنہ ہے کہ اس کو شیطان اور ساحر کے درجہ میں بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ رب العالمین کے علاوہ حاسد کے خلاف کوئی مددگار اور پناہ کا مقام نہیں۔

تیسری چیز بغیر کسی فائدہ کے غم اور پریشانی۔ بلکہ اس کے ساتھ معصیت اور گناہ کا ارتکاب جیسا کہ ابن سماک رح نے فرمایا۔ حاسد سے بڑھ کر میں نے کوئی ظالم نہیں دیکھا جو کہ مظلوم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو نفس پریشان عقل متحیر اور ہمیشہ غم اور فکر۔

اور چوتھی چیز یہ ہے کہ حسد کی وجہ سے قلب اندھا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے احکامات میں سے کسی بھی حکم کے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ سفیان ثوری رحؒ نے فرمایا۔ طویل خاموشی کو لازم پکڑو، اس سے پرہیزگاری حاصل ہوگی۔ دنیا پر حریص نہ بنو حفاظت میں رہوگے۔ لعن طعن نہ کرو۔ انسانوں کی زبان سے محفوظ رہوگے اور حاسد مت بنو سمجھ اور فہم نہایت تیز رہے گی۔

اور پانچویں شے رسوائی اور محرومی ہے۔ حسد کی وجہ سے کسی بھی مراد میں کامیابی نہیں ہوسکتی اور نہ کسی دشمن پر غلبہ حاصل ہوسکتا ہے جیسا حاتم رحؒ نے فرمایا کینہ اور بغض رکھنے والا دین دار نہیں ہوتا اور عیب لگانے والا عبادت گزار نہیں ہوتا اور چغلخور با مومن نہیں رہتا۔ اور حاسد کی مدد نہیں کی جاتی۔

امام غزالی رحؒ فرماتے ہیں کہ حاسدین اپنی مراد اور مقصود میں کیسے کامیابی حاصل کرسکتے ہیں، ان کا مقصود تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس کے مسلمان بندوں سے زائل کرانا ہے۔ اور حاسدین کی ان دشمنوں کے مقابلہ میں کیوں کر مدد کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ حاسدین کے دشمن تو اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ اور ابو یعقوب رحؒ نے خوب فرمایا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کمال پر اور ان کے احوال کے اچھے ہونے پر ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما۔ اس لئے کہ یہ ایسی بیماری ہے کہ طاعات کو ختم کردیتی اور شر اور معصیتوں کو زائد کردیتی ہے اور نفس کی راحت اور آرام میں رکاوٹ پیدا کردیتی ہے اور قلب کی سمجھ دشمنوں پر مدد حاصل ہونے اور مطلوب و مقصود میں کامیابی حاصل ہونے سے کلی طور پر روک دیتی ہے تو کونسا راستہ اس راستہ سے بدترین ہوسکتا ہے اس لئے اس مرض سے اپنے نفس کے علاج کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔

جلد بازی اور امور خیر میں بلندی حاصل کرنا

یہ بھی ایسی خصلت ہے جو کہ مقاصد کو ختم اور معاصی و گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس سے چار قسم کی آفتیں ظہور میں آتی ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ عبادت گزار انسان بھلائی اور استقامت کا مقام حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد شروع کر دیتا ہے۔ مگر بسا اوقات اس کے حاصل کرنے میں جلد بازی کرتا ہے اور یہ اس کے حصول کا وقت نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ یا تو اس سے بھاگ جاتا اور مایوس ہو کر اس کوشش کو چھوڑ دیتا ہے تو اس مقام اور مرتبہ سے محروم ہو جاتی ہے۔ یا کوشش میں بہت زائد لگتا ہے اور نفس کو اس تکان میں مبتلا کرتا ہے۔ لہٰذا پھر بھی اس مقام کو نہیں حاصل کر سکتا۔ تو افراط اور تفریط کے درمیان الجھا دیتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں جلد بازی کا نتیجہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے انہوں نے فرمایا:۔

ان دیننا هذا	ہمارا یہ دین مضبوط ہے لہٰذا اس میں
متین فاوغل فیه	نرمی کے ساتھ داخل ہو اس لئے کہ
برفق فان المنبت لا	اس سے حاصل ہونے والی شئے زمین
ارضاً قطع ولا ظهراً	نہیں ہے کہ اس کو عبور کیا جا سکے اور
ابقی۔	نہ اتنا زائد مال ہے کہ باقی رہے۔

اور سابق شعلوں میں موجود ہے۔ جلد بازی نہ کر مقصود و مطلوب حاصل ہو جائے گا اور کسی نے کہا ہے جلد بازی نہ کرنے والا اپنی بعض ضروریات کو حاصل کر لیتا ہے اور جلدی کرنے والا تو لغزشوں ہی میں مبتلا رہتا ہے۔

اور دوسری چیز یہ ہے کہ بندہ کو کبھی کوئی حاجت پیش آجاتی ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اور خوب دعا مانگتا ہے اور اس میں کوشش

کرتا ہے مگر اکثر وقت سے پہلے مقبول ہونے کی جلدی کرتا ہے تو اس چیز کو نہیں پا سکتا لہٰذا اکتا جاتا اور غمگین ہو جاتا ہے اور دعا کو چھوڑ دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی حاجت اور مقصود سے محروم ہو جاتا ہے ۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ کبھی انسان پر کوئی ظلم کرتا ہے اور یہ چیز اس کو غصہ میں مبتلا کر دیتی ہے تو اس کے لئے وہ بددعا کرنے میں جلدی کرتا ہے تو کسی مسلمان کا مال اسی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ حد سے متجاوز ہو کر گناہ اور ہلاکت میں گرفتار ہو جاتا ہے اسی چیز کے متعلق اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے :-

وَيَدْعُ الْإِنسَانُ	اور انسان برائی (عذاب) کی ایسی درخواست
بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ	کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست
الْإِنسَانُ عَجُولًا ۔	اور انسان جلد باز ہے ۔

اور چوتھی چیز یہ ہے کہ عبادت اور اس کی بنیاد پرہیزگاری پر ہے اور پرہیزگاری کی اصلیت ہر ایک چیز میں کامل غور و خوض کرنا اور ہر ایک چیز کے متعلق پورے طریقہ پر بحث کرنا اور وہ کھانے پینے لباس کلام اور فعل کے متعلق تفتیش کرنا ہے. تو جب انسان کاموں میں جلد باز ہوگا۔ متانت اور ثابت قدم تمام امور پر نظر کرنے والا نہ ہوگا تو جیسا کہ تمام افعال میں توقف۔ اور غور و خوض ہونا چاہیئے وہ اس کے کرنے پر قطعاً قادر نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بولنے میں جلدی کرے گا. تو لغزش کھائے گا اور کھانے وغیرہ میں جلدی کرے گا تو حرام اور مشتبہ چیزوں کا ارتکاب کرے گا. غرض کہ تمام کاموں میں یہی حالت رہے گی اور تقویٰ و پرہیزگاری ختم ہو جائے گی۔ اور عبادت میں بغیر تقویٰ کے کوئی خیر اور بھلائی نہیں ۔

لہٰذا جب اس جلد بازی میں خیر اور بھلائی کے مقامات سے علیحدگی اور حاجات سے محرومی مسلمانوں کی ہلاکت اور اس کے ساتھ اپنی ہلاکت و بربادی تقویٰ و پرہیزگاری جو راس الامر اور بنیاد ہے اس کا کلی طور پر ختم ہو جانا تو ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے انسان پر واجب اور ضروری ہے کہ اس کے ازالہ کا اہتمام کرے اس کے

بعد اپنے نفس کی اصلاح کی کوششوں کو صرف اور خرچ کرے۔ باقی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس چیز کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

کبر

کبر، دراصل بنیاد ہی کو ختم کردینے والا ہے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔

اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

اور یہ عادت اور تمام عادتوں کے طریقہ پر نہیں کہ محض عمل ہیں اور جزئیات میں برائی اور نقصان پیدا کرے۔ یہ خصلت اور بنیاد ہی کو ختم کرتی اور دین اور اعتقادات میں مضر ہوتی ہے۔ عیاذاً باللہ اگر یہ چیز غلبہ اور تقویت حاصل کر جائے تو اس کا تدارک بہت ہی مشکل ہے۔ غرض کہ کم از کم اس خصلت وعادت والی جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں وہ چار قسم کی آفتیں ہیں پہلی چیز تو حق بات سے محرومی اور اللہ تعالےٰ کی آیات اور احکام کی معرفت سے قلب کا اندھا ہوجانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

جتنے مغرور اور سرکش ہیں اللہ تعالےٰ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے

اور دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے غصہ اور ناراضگی کا اظہار۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ

بے شک وہ سرکشوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے پروردگار تیری

مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ کون مبغوض ہے۔

فرمایا کہ جس شخص نے اپنے قلب سے تکبر کا اظہار کیا اور اپنی زبان کو جھگڑایا اور اپنی آنکھوں کو مٹکایا اور اپنے ہاتھوں کو ہلایا اور اپنے اخلاق کو برا بنایا۔

تیسری چیز۔ دنیا اور آخرت کی رسوائی اور عذاب۔ حاتم رح نے فرمایا ہے اس سے حفاظت اور اجتناب کرو کہیں موت تم کو تین چیزوں پر نہ آپکڑے۔ کبر، حرص اور غرور۔ کیونکہ متکبر کو اللہ تعالیٰ دنیا سے نہیں بلائے گا یہاں تک کہ دنیا کے کمتر اور ذلیل آدمیوں سے اس کو رسوا اور ذلیل نہ کرائے اور حریص آدمیوں کو دنیا سے اس وقت تک نہیں بلائے گا جب تک کہ اس کو کھانے کا ٹکڑا اور پانی کے گھونٹ سے اس طریقہ پر نہ ترسائے کہ اس کے بغیر اس کو کوئی چارہ کار نہ حاصل ہو اور ایسے ہی مغرور آدمی کو بھی دنیا سے اس وقت تک نہ بلائے گا جب تک کہ اس کو گندگیوں اور نجاستوں میں نہ مبتلا کرے۔ عیاذاً باللہ۔

اور کہا گیا ہے کہ جو بغیر حق کے کبر اور بڑائی ظاہر کرے اللہ تعالیٰ اس کو حق کے ساتھ ذلیل فرما دیتا ہے اور چوتھی چیز آخرت میں عذاب اور آگ۔

اس لئے کہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ نَارَ جَهَنَّمَ۔

بڑائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا تہ بند ہے۔ سو جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھیننے میں اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دوں گا۔

مطلب یہ کہ عظمت اور کبریائی میری ان صفات میں سے ہیں جو میرے علاوہ اور کسی کے لئے درست نہیں تو میرے علاوہ کسی اور کو ان چیزوں کی خواہش کرنا قطعاً مناسب نہیں۔

جیسا کہ انسان کی چادر اس کا ازار اسی کے ساتھ خاص ہے اس میں اور کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ سو یہ ایسی خصلت ہے جو حق کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے

معانی سمجھنے اور ان احکامات کے سمجھنے سے جو کہ تمام کاموں کی بنیاد ہے روکتی ہے نتیجۃً حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب، دنیا میں رسوائی اور آخرت میں نار دوزخ ملتی ہے تو کسی بھی عاقل اور سمجھدار آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سے غفلت برتے۔ اور اس کو زائل کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرنے اور بچنے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے ساتھ کرے۔ اور اللہ جل جلالہ اپنے فضل اور توفیق سے حفاظت فرمانے والا ہے۔

غرض کہ ان چاروں خصلتوں کے متعلق ہمارے ذہن میں جو آفتیں تھیں وہ ہم نے بیان کر دیں۔ عاقل اور سمجھدار انسان کے لئے ان میں سے ایک ہی خصلت کا لازم پکڑ لینا اور اس کی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ جب کہ اس کا قلب اس پر آمادہ کرے اور اس کا دین اس کی حمایت کرے۔ علاوہ اس کے سب خصلتوں پر نظر کی جائے اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

مذکورہ خصلتوں سے حفاظت اور چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ

مذکورہ بالا خصلتوں کی آفتیں بہت شاق اور دشوار ہیں۔ اس لئے ان سے حفاظت ضروری ہے اور ہر ایک کی کیفیت اور طریقہ بھی پہچاننا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جائے۔ مگر ان میں سے ہر ایک کے متعلق بہت تفصیلی کلام ہے اور ہم نے کتاب احیاء علوم الدین اور کتاب الاسرار میں ان امور کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اس جگہ وہ ضروری چیزیں بیان کرتے ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ کار اور استغنا نہیں سو ہم شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔

تو امید اور امل کے متعلق اکثر علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ یہ حیات اور زندگی کا وقت اخیر تک حکم لگا کر ارادہ کر لینا ہے اور امید کا انقطاع اس حکم کو چھوڑ دینا ہے بایں طور کہ اس حکم میں لفظ انشاء اللہ یا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے

علم یا اصلاح کی شرط کے ساتھ ارادہ مقید اور معلق کرنا ہے۔ لہٰذا تو اگر اپنی زندگی کے متعلق یہ علم اور فیصلہ کرے گا کہ میں دوسرے سانس یا دوسری ساعت یا اگلے دن تک زندہ رہوں گا تو اس شکل میں تو امیدیں قائم کرنے والا شمار ہوگا اور یہ معصیت ہے کیونکہ غیب کے متعلق تو نے حکم لگا دیا۔

اور اگر ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم کے ساتھ مقید کر دے بایں طور کہے کہ میں انشاء اللہ زندہ رہوں گا یا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ میں زندہ رہوں گا تو امیدوں کے حکم سے تو نکل آئے گا اور امیدوں کے ترک کرنے والوں میں تیرا شمار ہوگا۔ اور ایسے ہی اگر تو نے دوسرے وقت تک اپنے زندہ رہنے کا ارادہ کر لیا تو اس شکل میں بھی تو امیدیں کرنے والا شمار ہوگا اور اگر اپنے ارادہ کو اصلاح کی شرط کے ساتھ متعلق کر دیا تو امیدوں کے حکم سے نکل کر انقطاع امل اور امید میں نیز داخلہ اور شمار ہو جائے گا۔

لہٰذا حکم کو بقا اور ارادہ کے تذکرہ میں چھوڑنا واجب ہے اور اس ذکر سے مراد قلب کا تذکرہ ہے اور پھر مقصود اس سے اس پر پختگی اور قلب کا ثابت رہنا ہے۔ لہٰذا ہدایت حاصل کرتے ہوئے ان امور کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے۔

اس کے بعد امل اور امید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو عام انسانوں کی امیدیں اور دوسری خواص کی۔ تو عوام کی امیدیں یہ ہیں کہ حیات اور بقا کا پوری دنیا اور اس سے نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور یہ چیز معصیت محضہ ہے اور اس کی ضد امیدوں کو قطعی طور پر ختم کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ۔	اور آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ خوب کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں۔ ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔

اور رہیں خواص کی امیدیں تو وہ ایسے عمل خیر کے پورا کرنے میں جس میں خطرات ہوں بقا کا ارادہ رکھتا ہے اور ایسی چیزیں ان کے لئے یقینی صلاح اور درستگی نہیں اس لئے بسا اوقات خیر اور بھلائی کے کام متعین ہوتے ہیں مگر بندہ میں یا اس کے پورا کرنے میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ بایں طور کہ اس کی بنا پر ایسی خود پسندی کی آفت میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ جس کی بنا پر ان امور خیر کو پورا نہیں کر سکتا۔

غرض کہ بندہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ نماز یا روزہ وغیرہ شروع کرے تو اس کے متعلق فیصلہ کرے کہ وہ اس کو پورا ہی کرے گا اس لئے کہ یہ غیبی چیز ہے اور نہ اس کا قطعی طور پر ارادہ کرے اس لئے کہ بسا اوقات اس میں اس کے لئے صلاح اور درستگی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان چیزوں کو استثناء اور صلاح کی شرط کے ساتھ مقید کرے تاکہ امل اور امید کے عیب سے بری ہو جائے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ	آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کروں گا۔ مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے۔

اور اس امل اور امید کی ضد جیسا کہ علمائے کرام نے فرمایا ہے وہ نیت محمودہ ہے اور اس میں ایک قسم کی گنجائش ہے اس لئے کہ نیت محمودہ کا ارادہ رکھنے والا امل اور امید سے علیحدہ رہتا ہے۔ غرض کہ یہ امل اور امید کے احکامات ہیں اور رہی نیت محمودہ جب اس کے پہچاننے اور معلوم کرنے کی حاجت درکار ہو تو اس کی کامل تعریف علمائے کرام نے اس طریقہ پر کی ہے کہ نیت محمودہ، وہ کسی کام کے شروع کرنے کا تمام کاموں سے پہلے حکم کے ساتھ ارادہ کرنا اور اس کے پورا ہونے میں تفویض اور استثناء کا قصد کرنا ہے۔

اس پر اگر شبہ ظاہر کیا جائے کہ ابتداء میں حکم کو جائز اور اتمام میں تفویض و استثناء کو کیوں واجب کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے حکم میں خطرات

بالکل نہیں ہیں اس لئے کہ ابھی تو ابتداء ہی ہے اور کام کے پورا ہونے میں خطرات ہیں اس لئے کہ وہ دوسرے مؤخر وقت میں پورا ہوتا ہے اور اس میں دو قسم کے خطرات ہیں۔ ایک تو اس چیز تک پہنچنے کا خطرہ اور اندیشہ ہے ممکن ہے کہ وہاں تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ اور دوسرے فساد کا خطرہ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس میں ان امور کی درستگی ہے یا نہیں تو اس وقت استثنائے وصول کے خطرات کے ماتحت اور تفویض الی اللہ تعالیٰ فساد کے خطرات کے پیش نظر واجب اور ضروری ہے۔ تو جب ارادہ ان شرطوں کے ساتھ حاصل ہو جائے گا تو اس وقت یہ نیت محمودہ ہو کر امل اور امید کی حد سے خارج ہو جائے گی۔

اور یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ امیدوں کے انقطاع کا قلعہ۔ وہ موت کا تذکرہ کرنا اور قلعہ کا اندرونی حصہ وہ موت کے اچانک آنے کا ارادہ رکھنا اور موت کے دھوکے اور غفلت میں آپکڑنے کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا ان مختصر سے جملوں کو محفوظ رکھ لو۔ اور ان کے حصول کی کوشش شروع کر دو اور اس کے ساتھ قیل و قال، اور انسانوں کی نکتہ چینیوں میں وقت کے ضائع کرنے سے بچو۔

اب رہا حسد۔ تو وہ اپنے مسلمان بھائی سے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے زوال کا کہ جن میں اس کی صلاح اور درستگی ہو، ارادہ کرتا ہے اور اگر اس سے ان نعمتوں کے زوال کا ارادہ نہیں بلکہ محض اپنے لئے ان چیزوں کی تمنا اور خواہش ہے (اور یہ جائز ہے) اسی معنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو محمول کیا جائے کہ (لاحسد الا فی اثنتین یعنی غبطہ کی چیزیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں معانی میں گنجائش اور قرب کی بنا پر حسد کے معنی غبطہ یعنی رشک سے کر لئے گئے۔

اور اگر اپنے مسلمان بھائی سے جن چیزوں کے زائل ہونے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس میں اس کی اصلاح اور درستگی نہیں بلکہ فساد اور بربادی ہے تو یہ غیرت ہے غرض کہ ان خصلتوں میں یہی وجہ امتیاز ہے۔ اور حسد کی ضد خیر خواہی ہے یعنی اپنے مسلمان بھائی پر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے باقی رہنے کا ارادہ کرنا جس میں

اس کی صلاح اور درستگی ہو۔

اب اس کے بعد اگر کہا جائے کہ یہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ ان اشیاء میں ہمارے مسلمان بھائی کے لئے صلاح یا قیام ہے کہ ہم اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں یا حسد ـــــ تو اس کا علم ضروری ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات ایک پہلو پر غالب ظن ہو جایا کرتا ہے اور ظن غالب ان مواقع پر قائم مقام تعیین کے ہوا کرتا ہے۔ اور اگر یہ چیز مشتبہ ہو جائے تو مسلمانوں میں سے کسی کی بھی نعمت کے زائل ہونے یا باقی رہنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ مگر اس کو تفویض یا شرط کی صلاح کے ساتھ مقید کر دیا جائے تاکہ حسد سے بچ کر خیر خواہی کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

اور خیر خواہی کے لئے حفاظت کا مقام کہ جس میں حسد سے حفاظت ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جو ہمدردیاں واجب کی ہیں ان کا تذکرہ کرنا ہے اور اس سے بھی بلند حفاظت کی جگہ مومن کے ان حقوق کو بیان کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے متعین فرمائے ہیں اور اس کی قدر و منزلت کے تذکرے کرنے اور آخرت میں جو اس کے لئے کرامت عظمیٰ ہے اور اس کو یاد کرنا۔ اور ساتھ ساتھ ان فوائد کا بھی تذکرہ کرنا جو تجھے دنیا میں اس کے تعاون اور مدد جمعہ اور جماعت میں شرکت کرنے سے نصیب ہوتے ہیں پھر آخرت میں جو اس کی شفاعت کی امید ہے تو اس قسم کی چیزیں ہر مسلمان کی خیر خواہی پر آمادہ کرتیں اور تجھے اس چیز سے محفوظ رکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر حسد کرے۔ اور عجلت اور جلد بازی۔ تو یہ قلب پر اثر انداز ہوتی اور اول مرحلہ میں بغیر سوچے اور سمجھے کام کے کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ بلکہ جلد بازی بعد میں ہوتی ہے اور کام اسی کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ضد اناۃ ہے اور یہ بھی قلب پر اثر انداز کرنے کی کسی چیز کے کرنے پر سوچ اور سمجھ کر برانگیختہ کرتی ہے۔ اور تأنی وتاخیر بعد میں ہوتی ہے اور کام اسی وقت شروع ہو جاتا ہے اور توقف کی ضد تعسف ہے۔ ہمارے شیخ نے توقف اور تأنی کے درمیان فرق بیان کیا ہے کہ توقف تو کام شروع کرنے سے پہلے ہوتا ہے تاکہ اس کی اچھائی معلوم ہو جائے اور تأنی کام

شروع کرنے کے بعد ہوتی ہے کہ ہر ایک شے کو اس کے حقوق کے مطابق ادا کیا جا سکے اس کے بعد مقدمات اناۃ کو سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ کاموں کے اندر ان خطرات کو بیان کرنا جو انسان کو پیش آتے ہیں اور ان کو خوف دلانے والی آفتوں کا تذکرہ کرنا جو غور و فکر اور ثابت قدمی میں جو سلامتی اور حفاظت ہے اس کو بیان کرنا اور عجلت اور جلد بازی میں جو ندامت اور پشیمانی ہے اس کا تذکرہ کرنا۔ اس قسم کی چیزیں تأنی اور توقف پر آمادہ کرتی اور کاموں میں جلد بازی اور عجلت سے روکتی ہیں۔

اور کبر نفس کی بلندی اور عظمت کے متعلق خیال اور وساوس کا پیدا ہونا اور تکبر اس کے بعد ہوتا ہے اور ضعف و پستی۔ یہ اپنے نفس کو حقیر اور کم سمجھنے کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے اور تواضع کی خصوصیت اس کے بعد پیدا ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی دو شکلیں ہیں۔ عامی اور خاصی۔ لہٰذا تواضع عامی تو لباس اور رہائش اور سواری پر کم درجہ کی چیز پر اکتفا کرنا ہے اور تکبر عامی اس کے مقابلہ میں رفعت اور بلندی کی خواہش کرنا۔ اور تواضع خاصی۔ وہ حق کے قبول کرنے میں سبقت کرنا ہے خواہ کم درجہ کا آدمی ہو یا بلند مقام کا۔ اور تکبر خاصی اس کے مقابلہ میں اس سے بلندی حاصل کرنا۔ یہ بہت بڑی معصیت اور عظیم الشان گناہ ہے۔

پھر تواضع عامی کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اپنے مبدا اور معاد کا تذکرہ کرے اور ان احوال کا جو پچھلے آفتوں اور گندگیوں سے لاحق ہوئے ہیں جیسا کہ بعض نے فرمایا ہے کہ تیری ابتدا ایک قدرے نطفہ سے ہوئی اور خاتمہ ایک مردار اور سڑے ہوئے جسم پر اور تو ان دونوں چیزوں کے درمیان گندگیوں میں مبتلا ہے۔

اور تواضع خاصی کے محفوظ رکھنے کا طریقہ۔ وہ حق سے اعراض کرنے والے کے انجام اور باطل میں داخل ہونے والے کی سزا کا بیان کرنا ہے۔ غرض کہ بصیرت حاصل کرنے والے کے لئے یہ چیزیں کافی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

پانچویں فصل پیٹ اور اس کی حفاظت

اس کے بعد عبادت کے طلب گار کے لئے پیٹ کی حفاظت اور اس کی اصلاح کی حاجت اور ضرورت ہے اس لئے کوشش کرنے والے کے لئے باعتبار اصلاح کے یہ تمام اعضا میں سب سے مشکل اور ایسے ہی مشقت اور شغل کے اعتبار سے زائد۔ اور نقصان اور ماخر انداز ہونے کی وجہ سے بلند ہے کیونکہ یہی معدن اور منبع ہے اور اسی سے تمام اعضاء کا تعلق ہے۔ قوت اور کمزوری عفت اور بے حیائی کے اعتبار سے تو اولاً اس کو حرام اور شبہات کے مقامات سے بچانے کی ثانیاً اگر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے کی ہمت ہو تو فضول حلال سے بچانے کی ضرورت ہے۔

حرام اور امور مشتبہات سے تین طریقوں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اولاً تو نار جہنم سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔

بے شک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب وہ آگ میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

کل لحم نبت من سحت فالنار اولی بہ۔

جو گوشت حرام سے بنا ہو گا وہ دوزخ کا مستحق ہے۔

ثانیاً حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا مردود ہے۔ اس کو عبادت الٰہی کی توفیق نہیں ہوتی۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اور عبادت پاک صاف آدمی ہی کر سکتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے جنبی اور ناپاک آدمی کو مسجد میں داخل ہونے اور بے وضو آدمی کو قرآن کریم کے مس کرنے سے منع نہیں فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

اور نہ ناپاکی کی حالت میں جاؤ مگر رستہ چلتے ہوئے (مسجد سے گزر جاؤ تو مضائقہ نہیں) یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔

اور ارشاد ہے :-

لَا يَمَسُّهٗ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

اس کلام پاک کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگائیں

حتیٰ کہ حالت جنابت اور حدث دونوں جائز امور ہیں۔ تو اس شخص کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے جو کہ حرام ممنوع اور مشتبہات کی گندگیوں سے آلودہ ہے۔ وہ اللہ جل جلالہ کی خدمت کہاں کر سکتا ہے اور اس کے ذکر شریف کی ہرگز بھی اس کو اجازت نہیں ہو سکتی غرض کہ یہ چیز کبھی بھی اس کو نہیں حاصل ہو سکتی۔ اور یحییٰ ابن معاذ رازیؒ نے فرمایا ہے، طاعت اور عبادت خدائے تعالیٰ کے خزانوں میں بند ہیں اور ان خزانوں کی کنجی دعا ہے اور اس کے دانتے اور نشان، وہ امور حلال ہیں۔ تو جب کبھی کنجی کے دلانتے ہی نہ ہوں گے تو کیسے خزانہ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اور طاعات کو اس میں سے کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔

ثالثاً حرام اور مشتبہ اشیاء کا کھانے والا امور خیر سے محروم ہے۔ اگر کسی خیر کے کام کی توفیق حاصل ہو بھی جائے تو وہ مردود ہے مقبول نہیں۔ لہٰذا اس وقت اس سے سوائے سر کی سختی اور اوقات کے مشغول کرنے کے کوئی چیز حاصل نہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

كَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهَرُ وَكَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ۔

بہت سے راتوں کو قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے قیام میں بیداری کے علاوہ اور کچھ نہیں اور بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کے روزہ میں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں

اور حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا کہ جس کے پیٹ میں حرام ہو۔ لہٰذا ان چیزوں پر غور و خوض کر لینا چاہیئے۔

کثرت اکل پر دس آفتوں کا انطباق

اور رہا فضول حلال یعنی زائد کھانا تو یہ عابدین کے لئے آفت اور سعی اور کوشش کرنے والوں کے لئے آزمائش کا مقام ہے۔ مجھے غور و فکر کے بعد اس میں دس آفتیں معلوم ہوئیں جو اس کے اصل اصول ہیں۔

پہلی آفت تو یہ ہے کہ زائد کھانے میں قلب کا سخت ہو جانا اور اس کے نور و روشنی کا ختم ہو جانا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

لا تمیتوا القلب بکثرة الطعام والشراب فان القلب لیموت کالزرع اذا اکثر علیہ الماء۔

قلب کو زائد کھا اور پی کر مردہ نہ کرو اس لئے کہ قلب مردہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کھیتی جب کہ اس پر پانی کا غلبہ ہو جائے۔

اور بعض صالحین نے اس طرح تشبیہ دی ہے کہ معدہ قلب کے نیچے مثل اس ہانڈی کے ہے جو جوش مار رہی ہے اور بخارات قلب کی طرف جا رہے ہیں تو زائد بخارات اس کو خراب اور اس میں زہر پیدا کر دیں گے۔

دوسری چیز زائد کھانے میں تمام اعضا کو فتنہ میں مبتلا کرنا اور ان کو فضول اور فاسد کاموں پر آمادہ کرنا ہے۔ اس لئے کہ انسان جب سیر اور مست ہو تو اس کی آنکھیں امور حرام میں سے فضول اشیاء کی طرف دیکھنے کی خواہش کریں گی اور کان اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں گے اور زبان بولنے اور شرم گاہ خواہش کرنے اور قدم اس کی طرف چلنے کی تمنا کریں گے۔ اور اگر انسان بھوکا ہو گا تو تمام اعضاء ساکن اور تھکے ماندہ ہوں گے۔ ان اشیاء میں سے کسی بھی چیز کی خواہش نہ کریں گے اور

نہ اس کی طرف چلیں گے۔

اور استاد ابو جعفرؒ نے فرمایا ہے کہ پیٹ ایسا عضو ہے کہ اگر یہ بھوکا ہو، تو تمام اعضا سیر ہوتے ہیں یعنی ساکن ہوتے ہیں خلاصہ کلام یہ کہ انسان کے اقوال اور اس کے افعال سب کے کھانے اور پینے کے تابع ہیں اگر پیٹ میں حرام داخل کرے گا تو حرام نکلے گا اور اگر فضول ولغو اشیار داخل ہوں گی تو ان کا خروج ہوگا گویا کہ کھانا، اقوال وافعال کے لئے بمنزلہ بیج کے ہے۔

اور تیسری آفت۔ وہ یہ کہ زائد کھانا فہم اور سمجھ کو ختم کردیتا ہے۔ اور دارانیؒ نے سچ فرمایا ہے کہ جب تو دنیا یا آخرت کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کسی کے پورا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو پورا کرنے تک مت کھا اس لئے کہ کھانے سے عقل میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اور یہ ظاہری چیز ہے جو آزمانا چاہے گا اسے معلوم ہو جائے گا۔

اور چوتھی آفت یہ ہے کہ زائد کھانے میں عبادت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انسان جس وقت زائد کھائے گا تو اس کا بدن بھاری، آنکھوں میں خمار اور اس کے اعضا ڈھیلے ہو جائیں گے۔ اس وقت اس سے سوائے سونے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، اگرچہ سعی وکوشش کرے۔ اور وہ ایک پڑے ہوئے جیفہ کی طرح ہو جائے گا اور کہا گیا ہے کہ جب تو زیادہ کھانے والا ہو تو اپنے کو بے کار بنالے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز ان کے سامنے شیطان ظاہر ہوا اور اس کے پاس کچھ کھونٹیاں تھیں۔ حضرت یحییٰ نے دریافت کیا، یہ کیا چیزیں ہیں۔ شیطان نے کہا کہ یہ شہوات اور خواہشات ہیں جن سے میں انسانوں کا شکار کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے کہا کہ میرے متعلق بھی اس میں کوئی چیز ہے۔ شیطان نے کہا نہیں۔ مگر یہ کہ ایک شب آپ کو شکم سیری حاصل تھی تو ہم نے آپ کو نماز سے تھکا دیا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا یقینی طور پر میں آج کے بعد کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤں گا۔

شیطان نے کہا کہ یقیناً آج کے بعد میں کبھی نصیحت نہیں کروں گا۔ غور کرنا چاہیئے۔ یہ ان حضرات کی حالت ہے جنہوں نے اپنی زندگی بھر میں ایک شب سیر ہو کر کھانا کھایا تو اس شخص کی کیا حالت ہونی چاہیئے جو اپنی زندگی میں ایک رات بھی بھوکا نہ رہا ہو اور پھر اس کے بعد عبادت کرنا چاہے۔

سفیان نے فرمایا عبادت ایسا پیشہ ہے جس کی دکان خلوت اور آلات بھوکا رہنا ہے اور پانچویں شئے یہ ہے کہ زائد کھانے میں عبادت کی حلاوت اور شیرینی کا ختم ہو جانا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس وقت سے میں اسلام لایا کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تاکہ اپنے پروردگار کی عبادت کی حلاوت محسوس کر لوں۔ اور ایسے ہی جب سے اسلام لایا اپنے پروردگار کی ملاقات کے شوق سے سیر ہو کر پانی نہیں پیا۔

یہ اہل مکاشفہ حضرات کی صفات اور خوبیاں ہیں ابو بکر صدیق رض بھی اہل کشف میں سے تھے اسی چیز کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان سے اشارہ فرمایا ہے:۔

مافضلکم ابوبکر رض بفضل صَومٍ وَصلوٰۃٍ وَاِنّماھو شیئٌ وَقَر فی نفسہ	کہ ابو بکر صدیق رض کو تم میں صرف زائد روزے اور نماز کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ وہ اور ہی چیز ہے جو کہ ان کے نفس میں راسخ ہو گئی ہے۔

اور دارانی نے فرمایا عبادت کی زائد شیرینی اور حلاوت اس وقت محسوس ہو سکتی ہے جب میرا پیٹ میری پیٹھ کے ساتھ مل جائے۔

چھٹی شے یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حرام اور مشتبہ امور میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہے اس لئے کہ حلال تو بقدر کفاف ہی میسر ہوتا ہے۔

اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِنَّ الحلال لایاتیا ۔ حلال سے تو تجھے بقدر کفایت ہی حاصل

قوتا والحرام یاتیك جزافا ہوگا اور حرام تو بے شمار بغیر اندازہ
جزافا۔ کے آتا ہے۔

اور ساتویں چیز کہ اس میں قلب اور بدن کا اولاً حاصل کرنے میں مشغول ہو جانا ثانیاً اس کی تیاری کرنا اور پھر اس کو کھانا اور اس کے بعد اس سے فراغت اور چھٹکارا حاصل کرنا۔ اور پھر اس سے صحیح و سالم رہنا بایں طور کہ اس کی وجہ سے بدن میں کوئی آفت ظاہر ہو، بلکہ دنیا کی آفتیں اور پریشانیاں۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اصل کل داء البردۃ ہر بیماری کی بنیاد بدہضمی اور ہر دوا کی جڑ
واصل کل دواء الازمۃ۔ بھوک اور پرہیز ہے۔

مالک بن دینار رح سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے اے انسانوں! مجھے بیت الخلا بار بار جانے کی نوبت پیش آتی ہے حتیٰ کہ مجھے زائد کھانے کی وجہ سے اپنے پروردگار سے شرم محسوس ہونے لگی۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ میرے رزق کو ایک گٹھلی ہی میں مقرر فرمادے کہ اسی کو چوستا رہوں یہاں تک کہ انتقال کر جاؤں۔

پھر ان چیزوں میں دنیا کی رغبت، انسانوں کی طمع اور باعتبار کثرت اکل اوقات کا ضائع کرنا بہت ضروری ہے۔

آٹھویں شے۔ اس بنا پر آخرت میں پریشانیوں کا لاحق ہونا اور موت کے وقت سختیوں اور مصیبتوں کا عادی ہونا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ موت کے سکرات کی شدت اور سختی دنیا کی لذتوں کے اعتبار سے ہے جس نے یہاں دنیا میں لذات حاصل کی موت کے وقت اسی کے اعتبار سے سکرات کی شدت ہوگی۔

اور نویں چیز۔ آخرت میں ثواب کا کم ہو جانا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی
فِيۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت
بِهَا فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ چکے سو آج تمھیں لذت کی سزا دی جائے گی۔

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۔

اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

دنیا کی لذات کے بقدر آخرت کی لذات کم کر دی جائیں گی۔ اسی وجہ سے جب دنیا کو اللہ رب العزت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو فرما دیا، تمہاری آخرت میں سے کسی چیز کی بھی کمی نہیں کی جائے گی اس خصوصیت کے ساتھ آپ کی ذات کو خاص فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے ساتھ ضرور کمی کی جائے گی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنا فضل وکرم فرمائے۔

منقول ہے کہ خالد بن ولید رضؓ نے عمر فاروق رضؓ کی دعوت کی اور ان کے لئے کھانا تیار کیا۔ تو عمر فاروق رضؓ نے دیکھ کر فرمایا یہ چیزیں ہمارے لئے ہیں تو فقرائے مہاجرین جو انتقال فرما گئے ان کے لئے کیا تھا۔ ان حضرات کو تو جو کی روٹی بھی میسر نہ تھی۔ حضرت خالد رضؓ نے فرمایا، اے امیر المومنین ان حضرات کے لئے تو جنت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو ان حضرات نے جنت کے ساتھ کامیابی حاصل کر لی اور ہم کو دنیا میں یہ حصہ مل گیا، سو وہ تو ہم سے بہت سبقت لے گئے۔

اور مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایک روز پیاس محسوس ہوئی اور پانی مانگا ایک آدمی نے پانی کا برتن خدمت میں پیش کیا کہ جس میں کچھ کھجوروں کی آمیزش تھی عمر فاروق رضؓ نے جس وقت پانی کے برتن کو اپنے منہ سے لگایا تو اس کو ٹھنڈا اور شیریں محسوس کیا۔ چنانچہ رک گئے اور فرمایا، اوہو۔ اس شخص نے عرض کیا خدا کی قسم امیر المومنین میں نے اس میں کسی قسم کی شیرینی نہیں ملائی۔

عمرؓ نے فرمایا، اسی چیز نے مجھے روک دیا خاموش رہو۔ اگر آخرت نہ ہوتی تو ہم تمہارے عیش وعشرت میں شریک ہوتے۔

اور دسویں آفت۔ فضول حلال کے ارتکاب میں۔ وہ قید حساب اور طاعت سے اور ادب کے چھوڑنے اور شہوات طلب کرنے پر تنگ وعار دلاتا ہے اس لئے

کہ دنیا کی حلال چیزیں حساب کے قابل اور حرام اشیاء عتاب کا باعث اور ایسے ہی اس کی زینتیں ہلاکت اور بربادی کا سامان ہیں۔ غرض کہ یہ دس قسم کی آفتیں آپ کے سامنے بیان کردی ہیں بصیرت اور فہم و سمجھ رکھنے والے کے لئے ایک ہی پر اکتفا کافی ہے۔ لہٰذا کوشش کرنے والے کے لئے معاش اور روزی میں کامل طور پر احتیاط کی حاجت اور ضرورت ہے تاکہ حرام اور مشتبہ امور میں مبتلا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے عذاب میں گرفتاری ہو جائے اور اس کے بعد حلال میں بھی اتنے پر اکتفا کرنا کہ جس سے عبادت الٰہی پر قوت باقی رہے تاکہ یہ شئے فتنہ کا باعث نہ ہو کہ اس کی بنا پر حبس اور پشیمانی میں گرفتاری ہو۔

حرام اور مشتبہ امور کا حکم اور اس کی تعریف

اور اب اس کے بعد حرام اور مشتبہ امور کے احکامات اور ان کی تعریفات دریافت کرنا مطلوب ہو تو اولاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے کتاب اسرار معاملات الدین میں بالتفصیل اس چیز کو بیان کر دیا ہے اور کتاب احیاء علوم الدین میں اس کے لئے ایک باب علیحدہ ہی ذکر کیا ہے۔ مگر اس مقام پر ہم مختصر طور پر کچھ کلمات ذکر کرتے ہیں تاکہ کمزور سے کمزور اس سے فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ مقصود ہماری کتاب کا یہ ہے کہ اس سے عبادت الٰہی کو شروع کرنے والا فائدہ اندوز ہو اور طالب کو اس کی وجہ سے مدد حاصل ہو۔

چنانچہ بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جس کے متعلق تجھے دوسرے کی ملکیت اور اس کے باعتبار شرع کے ممنوع ہو جانے کا یقین ہو جائے تو وہ حرام ہے اور اگر یقین کامل نہ ہو بلکہ ظن غالب ہو تو وہ مشتبہ ہے۔ اور دیگر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ حرام محض خواہ اس کے متعلق یقین کامل ہو یا ظن غالب ہو، دونوں شکلوں میں حرام محض ہے۔ اس لئے کہ ظن غالب بہت سے احکامات میں یقین اور علم ہی کے قائم مقام ہوا کرتا ہے اور جب کہ حلت اور حرمت میں شبہ پیدا ہو جائے اور اس میں دونوں

پہلوؤں کو برابری ہو کسی کو کسی قسم کی ترجیح نہ حاصل ہو۔ تو یہ شبہ اور مشتبہ چیز ہے کیونکہ حلال ہونے میں حرام ہونے کا بھی شبہ ہے تو اس کی حالت تجھ پر مشتبہ اور ملتبس ہوگئی۔

اب اس کے بعد جو اشیاء حرام ہیں ان سے بچنا اور احتراز کرنا واجب اور فرض ہے اور مشتبہ اشیا سے بچنا اور پرہیز کرنا یہ تقویٰ اور ورع ہے اور علمائے کرام کے اقوال میں سے یہی قول ہم کو زیادہ پسند ہے۔

ظالم حاکموں سے ہدیہ قبول کرنے کا حکم

اب اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ سلاطین اور امرا کے اس زمانہ میں تحائف اور ہدایا قبول کرنے کے متعلق کیا حکم ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ یقین نہ ہو کہ یہ حرام ہے تو اس کا لینا جائز ہے۔ اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ جب تک اس کے حلال ہونے کا یقین کامل نہ ہو جائے اس وقت تک لینا جائز نہیں اس لئے کہ امراء اور سلاطین کے مالوں میں اس زمانہ میں اس کا اکثر حصہ حرام ہی کا ہے اور حلال تو بہت کم بلکہ معدوم ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ سلاطین اور امراء کے ہدایا غنی اور فقیر ہر ایک کے لئے حلال ہیں جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حرام ہے اور گناہ وغیرہ یہ دینے والے پر ہے۔

اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا۔ اور یہود سے آپ نے قرض لیا، باوجود اللہ تعالیٰ کے ان کے متعلق فیصلہ فرما دینے کے:۔

اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ یہ بڑے حرام کے کھانے والے ہیں۔

اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے فتنوں کا زمانہ پایا اور ایسے امرائے بد ایا
کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ ہیں۔ اور علمائے
کرام کی دوسری جماعت نے فرمایا ہے کہ کسی بھی شکل میں کسی کے لئے حلال نہیں خواہ
غنی ہو یا فقیر کہ یہ امراء ظلم کے ساتھ متصف ہیں اور ان کے اموال میں اکثر حصہ ظلم اور
حرام کا ہے اور حکم اکثر اور غالب ہی پر نافذ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا ان کے اموال سے
بچنا واجب اور ضروری ہے۔

اور دوسری جماعت نے کہا ہے جب تک ان اموال کے حرام ہونے کا
یقین نہ ہو تو یہ اموال فقیر کے لئے حلال ہیں۔ غنی کے لئے اس شکل میں بھی حلال نہیں اور
بدیہی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مال عین غصب ہے تو اس شکل میں فقیر کے لئے بھی
لینے کی اجازت نہیں۔ مگر یہ کہ مالک کو واپس کرنے کے لئے لے۔

اور فقیر کو بادشاہوں کے مالوں میں سے لینے میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں
اس لئے کہ اگر وہ مال بادشاہ ہی کی ملکیت ہے اور پھر فقیر کو دیا تو فقیر بلا شبہ اس کو
لے سکتا ہے اور اگر مال غنیمت، خراج اور عشر کا مال ہے تو بھی فقیر کے لئے اس
میں حق ہے اور یہی علم والے حضرات کے لئے مشکل ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، جو اسلام میں خوشی کی وجہ
سے داخل ہوا اور ظاہری طور پر قرآن کریم پڑھا تو اس کے لئے مسلمانوں کے بیت
المال میں ہر سال دو سو درہم ہیں۔ اور منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، دو سو دینار ہیں۔
اور فرمایا، اگر وہ ان کو دنیا میں نہیں لے گا تو آخرت میں لے لے گا۔ غرض کہ جب یہ شکلیں
ہوں تو عالم اور فقیر دونوں اپنے حصے لے سکتے ہیں۔

اور علمائے کرام نے فرمایا ہے جب مال غصب کے مال کے ساتھ ملا ہوا ہو کہ
اس کا جدا کرنا اور علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو یا ایسا غصب ہو کہ اس کے مالک اور اس
کی ذریت پر اس کا واپس کرنا مشکل ہو تو اس شکل میں بادشاہ کے لئے سوائے صدقہ
کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے مال کو فقیر پر صدقہ کرنے کا حکم

نہیں فرماتا اور فقیر کو اس قسم کا مال قبول کرنے سے منع کرتا ہے۔ یا فقیر کو ان مالوں کے قبول کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو اس وقت فقیر کو اجازت ہے کہ عین مغصوبہ اور حرام مال کے علاوہ اور مال لے لے اس لئے کہ عین مغصوبہ اور دیگر حرام مالوں کا اس کے لئے کسی بھی شکل میں لینا جائز نہیں۔ غرض یہ کہ اس قسم کے مسائل ہیں کہ ان پر فتویٰ دینا بغیر جستجو اور تلاش کے اور تمام اقوال پر جو کتاب سے سمجھ میں آتے ہوں بغیر نظر کئے دینا مشکل ہے۔

مگر زیادہ باتیں معلوم کرنا چاہیے تو کتاب احیا علوم الدین میں سے کتاب الحلال والحرام کا مطالعہ کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمام چیزیں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جائیں گی۔

تاجروں دوستوں اور احباب سے ہدایا قبول کرنے کا بیان

اب اس کے بعد بازار والوں تاجروں، دوستوں اور احباب کے ہدایا و تحائف کے متعلق غور طلب مسئلہ ہے۔ آیا ان سے ان چیزوں کے قبول کرنے پر تفتیش اور حیل و حجت کرنی چاہیئے یا نہیں کیونکہ اکثر اس قسم کے حضرات سے بے احتیاطی ہوتی ہے تو یہ سمجھو کہ اگر انسان کے احوال سے ظاہری طور پر نیکی اور صلاحیت کے اثرات نمایاں ہوں تو اس کے ہدایا اور صدقات قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس قسم کی بحث و تفتیش کی حاجت و ضرورت نہیں کہ زمانہ خراب ہو گیا کسی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ ان چیزوں میں مسلمانوں کے ساتھ سوءظن رکھنا ہے حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اب اس کے بعد ان تمام چیزوں کی اصلیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

غرض کہ اس مقام پر اس کی دو شکلیں ہیں۔ اول تو شریعت اور اس کے ظاہری احکام اور دوسرے تقویٰ اور اس کے حقوق۔ تو شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ جو چیز کوئی شخص تمہارے پاس لے کر آئے اور اس کے ظاہر سے صلاحیت اور نیکی کے آثار نمایاں ہوں تو اس کو قبول کر لینا چاہیئے۔

مگر یہ کہ اس چیز کا یقین ہو جائے کہ بعینہ یہ مال غصب اور حرام کا مال ہے تو اس شکل میں اس کے لینے کی اجازت نہیں۔ اور تقویٰ کا حکم یہ ہے کہ کسی سے کسی چیز کو نہ لے جب تک کہ اس سے کامل طور پر بحث اور تفتیش نہ کرے اور اس بات پر پورے طور پر یقین نہ ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کا شائبہ نہیں ورنہ لوٹا دینا چاہیئے۔

ابوبکر صدیق رضؓ کے متعلق منقول ہے کہ ان کا ایک غلام ان کی خدمت میں دودھ لے کر حاضر ہوا آپ نے اس کو پی لیا۔ غلام نے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں جب بھی کوئی چیز لے کر آتا ہوں تو آپ اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں اس چیز کے متعلق آپ نے کیوں دریافت نہیں فرمایا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے متعلق صورت حال دریافت کی۔ اس نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں کسی قوم کی جھاڑ پھونک کی تھی انہوں نے اس کے صلہ میں یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سن کر قے کر دی۔ اور فرمایا، اے اللہ! میری قدرت میں یہی تھا۔ رگوں میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اور تو اس کو کافی ہے۔

(بندہ مترجم کہتا ہے کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب صدیقی کاندھلوی کو اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ باقی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو خود ہی قے ہو گئی تھی)

غرض کہ اس واقعہ سے قسم ثانی میں بحث اور تفتیش کرنا واجب اور ضروری معلوم ہوا۔ اگر تجھے تقویٰ اور اس کے حقوق کا خیال ہے تو ان امور کو لازم پکڑ لینا چاہیئے۔

اب اس کے بعد اگر تیرے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس شکل میں تو تقویٰ شرع اور اس کے احکام کے خلاف ہو گیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ شریعت کا مبنیٰ سہولت اور آسانی ہے۔ اسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں آسان ملت دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور تقویٰ کا مبنیٰ سختی اور احتیاط ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ متقی پر توے کے عقد سے بھی زائد معاملہ سخت ہے۔

اور پھر تقویٰ ہی شریعت ہے اور دونوں اصلیت کے اعتبار سے ایک ہیں لیکن شریعت کے دو احکام ہیں۔ ایک تو جواز کا حکم اور ایک افضل اور احوط طریقہ۔ تو جائز

شکلوں کو شریعت کا حکم اور افضل جا حوطریقہ کو تقویٰ کا حکم کہا جاتا ہے۔ تو یہ دونوں چیزیں اپنے جدا ہونے کے باوجود اصلیت کے اعتبار سے ایک ہی شئے ہیں۔

اس بیان کے بعد اگر کہا جائے کہ اس سے تو ہر اس چیز کے متعلق تفتیش اور بحث کرنے کا جواز معلوم ہو گیا کہ جس میں فساد وغیرہ کا خدشہ ہو کہ اس زمانہ میں کیا لینا چاہئے۔ اور تقویٰ والے پر اول ہی مرحلہ میں مشکل اور دشواری لاحق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ طاعت الٰہی کے بقدر حاصل کرنا ضروری ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ تقویٰ کا معاملہ بہت سخت ہے اور جو اس راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھے اس کو اپنے قلب کو ان مشقتوں اور شدائد کے برداشت کرنے پر آمادہ کرنا ضروری ہے۔ ورنہ پھر اس طریقہ کی تکمیل مشکل ہے۔

اسی وجہ سے بہت سے متقی حضرات جبل لبنان وغیرہ کی طرف نکل گئے اور انہوں نے گھاس پھونس اور جنگلوں کے پھل وغیرہ پر اکتفا شروع کر دیا کہ جن کی حلت میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ لہٰذا جو شخص تقویٰ کے اس اعلیٰ مقام کے حاصل کرنے کے لئے اپنی ہمت کو بلند کرے اس کے لئے ان شدائد اور مصیبتوں کا برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا اور ان حضرات کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے تاکہ یہ مقام حاصل ہو جائے اور اگر انسانوں کے درمیان سکونت حاصل کرے اور ان کے ہاتھوں سے حاصل شدہ کھائے تو اس شکل میں میت کے طریقہ پر رہنا چاہئے کہ بغیر حاجت اور ضرورت کے کسی قسم کا اقدام نہ کرے اور ان اشیاء میں سے حتی الوسع اتنا لے کہ جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قوت حاصل ہو جائے اور بارگاہ الٰہی میں یہ چیز تیرے لئے عذر کی ہو جائے اور کسی قسم کا اس سے نقصان نہ حاصل ہو اگرچہ اس میں شبہ کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ رب العزت عذر کو زیادہ قبول فرمانے والا ہے۔

اس لئے حسن بصریؒ نے فرمایا ہے، بازار کے شر اور فساد سے بچو اور بقدر کفاف کو لازم پکڑو۔ اور مجھے وہب بن ورد رحمہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ اپنے نفس کو ایک ایک اور دو دو اور تین تین دن بھوکا رکھا کرتے تھے اور اس کے بعد ایک روٹی لیتے

اور فرماتے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے اندر عبادت کرنے کی طاقت اور قوت نہیں باقی رہی اور کمزوری کا خدشہ بڑھ گیا۔ ورنہ آج بھی اس روٹی کو نہ کھاتا۔ اور اے اللہ اگر اس روٹی میں کچھ خبث اور حرام کا اثر ہے تو اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔ پھر اس کے بعد روٹی کو پانی میں بھگو کر کھاتے۔

امام غزالی رہ فرماتے ہیں، یہ دو طریقے ہم نے بیان کئے ہیں۔ یہ اہل تقویٰ میں طبقہ علیا کی حالتیں اور ان کی شان ہے اور ان کے علاوہ اور حضرات کے لئے بقدر اپنے مرتبہ کے بحث اور احتیاط کرنی چاہئے اور ان کو بھی ان کے مرتبہ کے اعتبار سے تقویٰ سے حصہ ملے گا اور اقسام کے اعتبار سے جس چیز کی خواہش اور تمنا ہو اس کو حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے والے کے ثواب کو ضائع نہیں فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہیں۔

حلال اشیاء کا بیان اور اس کی مقدار

اب اس کے بعد اگر کہا جائے کہ یہ حرام کی بحث تھی۔ اب ہمیں حلال کی تعریف بتلاؤ اور فضول کی وہ حد جس پر حساب اور عقاب کا خدشہ ہے اور اس مقدار کو بیان کرو کہ جس کو جس وقت بندہ اختیار کرے گا اور شمار ہوگا فضول سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا اور نہ اس پر حساب ہوگا اور نہ عقاب۔

تو سمجھ لینا چاہئے کہ مباح کی کلی طور پر تین قسمیں ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ انسان حلال اشیاء کو فخر اور کثرت ریا اور غرور کی بنا پر حاصل کرے تو اس شکل میں ان کا حاصل کرنا منکر کام ہے اور اس کے ظاہری افعال پر حساب، ملامت اور عار واجب ہے۔

اور یہ ایسا منکر اور برا امر ہے کہ اس کے باطنی افعال پر یعنی کثرت کی خواہش اور فخر، عذاب نار واجب ہے اور اس قسم کا ارادہ کرنا معصیت اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ

یہ زندگانی دنیا کا کھیل ہے اور دل بہلانا ہے اور بناؤ کرنا ہے اور بڑائی کرنی ہے آپس میں اور زیادتی کرنی ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے۔ جیسے بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو اس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں عذاب شدید ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُبَاهِيًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِيًا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَان

جو دنیا میں حلال کو اگر کثرت فخر اور ریا کی وجہ سے طلب کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس شکل میں جا کر ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے۔

لہٰذا وعید قلب سے ارادہ ہی کرنے پر واجب ہے۔

اور دوسری قسم کہ حلال کا ارتکاب شہوات نفسانیہ کے علاوہ اور کسی وجہ سے نہ ہو۔ یہی شر اور برائی ہے۔ اس پر حساب اور عقاب واجب ہوگا۔

اس لئے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

وَلَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حلالها حساب

کہ دنیا کے امور حلال پر بھی حساب ہوگا۔

اور تیسری قسم یہ ہے کہ حلال اشیاء میں مجبوری کے وقت اتنا لے کہ جس سے عبادت الٰہی پر قوت اور تقویت حاصل ہو اور اسی پر اکتفا کرے تو یہ خیر اور نیکی اور ادب کی چیز ہے اس پر کسی قسم کا حساب اور عقاب واجب نہیں۔ بلکہ اجر ثواب اور مدح واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا۔	ایسے لوگوں کو بدولت ان کے عمل کے حصہ ملے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

من طلب الدنیا حلالًا استعفافًا عن المسئلة وتعطفًا علیٰ جاره وسعیًا علیٰ عیاله جاء یوم القیٰمة ووجهه کالقمر لیلة البدر۔	جس شخص نے سوال سے پاک دامنی حاصل کرنے اور اپنے پڑوسی کی مدد کرنے اور اپنے اہل وعیال پر فراخی کرنے کے لئے دنیا میں حلال اشیاء کو طلب کیا تو وہ قیامت کے دن اس طریقہ پر آئے گا، کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

اور یہ تمام اجر و ثواب اور مدح اس کے محمود مقصد کے ارادہ اور نیت کی وجہ سے ہے۔

لہٰذا ان اشیاء کو لازم پکڑ لینا چاہئے۔

اب اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ جائز اور مباح امور کی کیا شرطیں ہیں تاکہ ان کے بجالانے کی وجہ سے خیر اور نیکی حاصل ہو تو۔

سمجھ لینا چاہئے کہ اصلیت کے اعتبار سے اس کے خیر اور نیک ہونے میں دو شرطوں کی حاجت اور ضرورت ہے۔ ایک تو حالت کے اعتبار سے اور دوسری قصد و ارادہ کی حیثیت سے۔

پہلی شکل تو یہ ہے کہ عذر اور مجبوری کی حالت میں ہو کہ اگر ان کا ارتکاب نہ کیا جائے تو اس کے نفس اور جان میں نقص اور کمی کا خدشہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی

حالت اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ اگر وہ ان مباح اشیاء کا ارتکاب نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے فرض و سنت اور نفل میں انقطاع پیدا ہوگا تو اس وقت یہ چیز مباح امور کے ترک سے افضل ہوگی۔ اس لئے کہ دنیا کی مباح اشیاء کا چھوڑ دینا محض فضیلت ہے اور جب انسان کی حالت اس درجہ پر ہو جائے تو یہ مجبوری اور عذر کی حالت ہے۔

اور دوسری شکل یعنی قصد اور ارادہ وہ یہ کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کی عبادت پر قوت اور طاقت کا قصد و ارادہ ہو اور اپنے دل میں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اس میں واسطہ اور ذریعہ نہ ہو تو اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کروں۔ غرض کہ یہ حجت اور دلیل کا بیان ہو گیا۔ جب یہ حجت عذر اور مجبوری کے وقت حاصل ہو جائے تو دنیا میں سے حلال اشیاء کا حاصل کرنا خیر نیکی اور ادب ہو جائے گا اور اگر اس کی حالت عذر کی حالت ہو اور یہ ارادہ اور تذکرہ نہ ہو یا ارادہ اور تذکرہ تو ہو مگر عذر اور مجبوری کی حالت نہ ہو تو ان اشیاء کا حاصل کرنا نیکیوں اور بھلائیوں میں نہیں شمار کیا جائے گا۔

اب اگر تو اس ادب کی حفاظت پر استقامت حاصل کرنا چاہے تو اس میں بصیرت اور قصد مجمل کی حاجت اور ضرورت ہے۔ بایں طور کہ دنیا سے کسی وقت بھی کوئی چیز نہ لے مگر صرف عبادت الٰہی کی قوت اور تقویت حاصل کرنے کے لئے۔ حتیٰ کہ اگر کسی وقت حجت کے ذکر کرنے سے چوک ہو جائے تو یہ قصد مجمل دوبارہ حجت ذکر سے کفایت کر جائے۔

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو تینوں امور میں سے ہر ایک کا من وجہ اعتبار ہے یعنی ذکر اور حالت کا تو اس کی اصلیت کی حیثیت سے خیر ہونے میں اعتبار ہے۔ اور قصد مجمل کا جو کہ ایسی بصیرت کا مقتضی ہے جو بمنزلہ ادب کے ہے۔ اس پر استقامت حاصل کرنے کے وقت اعتبار ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ دنیا میں سے حلال اشیاء کا شہوت کی وجہ سے ارتکاب کیا جائے تو کیا یہ شئے معصیت اور گناہ شمار ہوگی اور اس پر عذاب و عقاب ہوگا

یا نہیں اور کیا عذر کی حالت میں دنیا میں سے حلال اشیاء کا حاصل کرنا فرض ہے یا نہیں؟

یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک فضیلت کی چیز ہے اور اس کا نام خیر اور نیکی ہے اور اس کی بجا آوری ایک تادیبی امر ہے اور شہوات کا ارتکاب کرنا شر اور معصیت ہے۔ اور اس سے روکنا زجر اور تنبیہ کے طور پر ہے اور اس کا معاصی میں شمار نہیں۔ اور نہ اس پر عذاب ہے۔ بلکہ اس قسم کی اشیاء پر حساب، ملامت اور عار واجب ہے۔ بندہ کو جو حبس اور حساب لازم ہوگا وہ کیا ہے؟

تو حساب یہ ہے کہ بندہ سے قیامت میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا۔ اور اس کمائی سے کس چیز کا ارادہ کیا۔ اور حبس۔ وہ حساب کے وقت تک جنت سے روکے رکھنا ہے اور یہ چیز قیامت کے میدان میں اس کے خوف اور دہشت ناک ہونے کے ساتھ ہوگی۔ حالانکہ بندہ ننگا اور پیاسا ہوگا۔ لہٰذا نصیحت حاصل کرنے کے لئے اتنے ہی جملے کافی ہیں۔

اب اس کے بعد اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ان اشیاء کو حلال فرما دیا تو اس پر ملامت اور عار کی کیا وجہ؟

تو سمجھ لینا چاہئے کہ ملامت اور عار ادب کے چھوڑنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ کوئی شخص بادشاہ اور سلطان کے دسترخوان پر بیٹھے اور وہاں ادب کو ترک کر دے تو موجب لعنت اور مستحق عار ہوگا۔ اگرچہ اس پر ہر ایک کو کھانے کی اجازت ہے تو اصلیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ اور وہ ہر حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ لہٰذا بندہ کے لئے یہ چیز واجب اور ضروری ہے کہ حتی الوسع جس طریقہ پر ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اپنے افعال کو جس طرح بھی ممکن ہو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مطابق کرے۔ اگر ایسا نہ کیا، بلکہ اپنی شہوت نفس کو ترجیح دی اور قدرت کے باوجود بغیر عذر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے علیٰحدگی اختیار کی دراں حالیکہ یہ مقام اور دنیا خدمت اور عبادت کی جگہ ہے عیش و عشرت کا مقام نہیں تو اس پر یقینی طور پر ملامت کا مستحق ہوگا اور

اپنے مالک کی طرف سے عار دلائی جائے گی ۔ لہٰذا اس کلمہ کو سمجھ لینا چاہئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ جو ہم نے متفرق قسم کے مضامین بیان کئے ہیں اس سے نفس کی اصلاح اور اس کا تقویٰ کی لگام پہنانا مقصود ہے ۔ لہٰذا ان کے حقوق کی رعایت کر اور حتی الوسع ان پر پختگی حاصل کر انشاء اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں خیر کثیر کے ساتھ کامیابی حاصل ہوگی ۔ واللہ ولی العصمۃ والتوفیق بفضلہ ۔

فصل

دنیا، مخلوق شیطان اور نفس کا عجیب طریقے پر علاج

اے انسان، اس عظیم الشان طویل گھاٹی کے عبور کرنے میں ہی تجھے اپنی تمام کوششوں کا صرف کرنا ضروری ہے ۔ اس لئے کہ یہ گھاٹیوں میں سختی کے اعتبار سے سب سے بلند اور مشقت و آفت اور فتنہ کے اعتبار سے بہت کٹھن ہے ۔ اس لئے کہ مخلوقات میں سے جو بھی ہلاک اور برباد ہوا وہ طریق حق سے انقطاع اور اعراض کرنے کی وجہ سے یا تو دنیا یا مخلوق یا شیطان یا نفس کی بنا پر ہوا اور ہم نے اپنی تصنیف کردہ کتابوں احیاء علوم الدین اور کتاب الاسرار اور قربۃ الی اللہ تعالیٰ میں ان چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ جن سے ان کا علاج ہو سکے ۔

لہٰذا اس مختصر اور عمدہ کتاب میں چند عجیب باتوں پر اکتفا کرتا ہوں جو الفاظ کے اعتبار سے مختصر اور معنی کے اعتبار سے بلند ہیں ۔ جو غور کرنا چاہے اس کے لئے کافی اور اس روشن طریقہ پر چڑھنے والی ہے اور یہ فصل دنیا مخلوق شیطان اور نفس کے معالجہ کے ساتھ لطیف پیرایہ میں خاص ہے ۔

دنیا سے تو حتی الوسع بچنا اشد ضروری ہے اور اس میں حتی الوسع زہد اختیار کرے

اس لئے کہ معاملہ تین حال سے خالی نہیں۔

یا تو تو صاحب بصیرت اور عقل و سمجھ والا ہے تو تیرے لئے یہی چیز کافی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور یہ تیری محبوب و مرغوب شئے ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا تیری عقل کو ختم کر دینے والی ہے اور عقل ہی پر تیرا دار و مدار ہے

یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی ہمتوں اور کوششوں کو صرف کرنے والا ہے تو پھر تیرے لئے یہی چیز کافی ہے کہ دنیا کی بدبختی اتنی ہے کہ تیرے مقصود اور ارادہ میں یہی رکاوٹ ڈالنے والی اور تیری عقل اور سمجھ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھیرنے والی ہے تو اس دنیا کی کیا حالت ہو گی۔

اور تو بہت غافل حقائق سے بے بہرہ اور اس کے ساتھ ساتھ تجھ میں وہ قوت اور طاقت نہیں جو نیکیاں کرنے پر آمادہ کرے۔ بہتری اسی میں ہے کہ تیرے لئے دنیا باقی نہ رہے یا تو اس سے جدائی اختیار کرے یا وہ تجھ سے علیحدہ ہو جائے جیسا کہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر دنیا تیرے پاس رہی تو کچھ بھی تیرے پاس نہ رہا۔ سو اب دنیا کے حاصل کرنے اور اپنی محترم زندگی اس پر خرچ کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ کسی نے اس مضمون کو بہت اچھے طریقہ پر ادا کیا ہے۔

دنیا کو چھوڑ دے تجھے عافیت اور سکون حاصل ہو جائے گا۔ کیا اس دنیا کی رفتار زوال اور ہلاکت کی طرف نہیں؟ تو پھر ایسی زندگی سے جو باقی ہی نہ رہے کس بات کی امید کی جا سکتی ہے اور ایسا کانٹا لگا ہوا زخم ہے کہ جس میں راتوں کی آمد و رفت نے تبدیلی پیدا کر دی۔ دنیا کی مثال ایک سایہ کی طرح ہے جو تیری جانب متوجہ ہوا۔ اور چلنے کا اعلان کر دیا۔ انتہیٰ۔

لہٰذا کسی عاقل اور سمجھ دار کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سے دھوکا کھائے اور اسی کے متعلق کسی نے بہت سچ کہا ہے:۔

دنیا خواب پریشاں یا زائل ہونے والے سایہ کی طرح ہے۔ عاقل تو یقینی طور پر ایسی چیزوں سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان

جو اس نے اپنے حبیب پاک سے فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔

اور یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آوے۔

لہٰذا اشرف المخلوقات سب سے بڑھ کر عالم، عاقل اور افضل المخلوقات کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ شان ہے کہ اس کو شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ مانگنے کی حاجت اور ضرورت ہے تو تیری حالت کیا ہو سکتی ہے۔ باوجودیکہ تیری جہالت نقصان اور غفلت نمایاں اور ظاہر ہے۔

اور رہی مخلوق۔ تو اس میں اگر تو مخلوق کے ساتھ میل جول اور تعلقات پیدا کرنے میں مبتلا ہو اور ان خواہشات میں ان کا ساتھ دے تو اس شکل میں تیری آخرت تباہ اور برباد ہو جائے گی۔

اور اگر ان امور میں ان کی مخالفت کرے تو ان کی تکالیف اور مصیبتیں تجھے پریشان کر دیں گی اور تیری دنیاوی زندگی خراب ہو جائے گی اور پھر تو اس سے مامون نہیں رہے گا کہ وہ تجھے اپنی دشمنی اور فخر و غرور کی طرف مجبور کریں۔ لہٰذا ان کی برائیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ تیری تعریف اور برائی کریں تو اس میں فتنہ اور خود پسندی کا خدشہ ہے اور اگر تجھے حقیر و ذلیل کریں تو کبھی تو یہ چیز تجھے غمگین کرے گی اور بسا اوقات غیر اللہ کے لئے یہ چیز غصہ کا باعث ہوگی اور یہ دونوں چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں۔

اس کے بعد قبر میں تین دن رہنے کے بعد اپنی حالت کا ان کی حالتوں کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کس طریقہ پر تجھے ڈال کر اور چھوڑ کر چلے آئیں گے اور تجھے بھلا دیں گے اور تیرا ذکر تک بھی نہ کریں گے گویا کسی دن ان کے ساتھ

ہی نہیں رہا۔ یا انہوں نے تجھے دیکھا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی ذات باقی رہے گی۔

تو کیا یہ عظیم الشان نقصان اور خسارہ نہیں ہے کہ تو اپنے اوقات کو اس مخلوق کے ساتھ ضائع اور برباد کر رہا ہے باوجودیکہ اس میں وفا کم اور باقی رہنے کی کوئی امید نہیں۔ اور اس ذات وحدہٗ لاشریک کی عبادت کو چھوڑ رکھا ہے کہ جس کی طرف تمام امور رجوع کرتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تیرے ساتھ اسی کی ذات باقی رہ سکتی ہے اور تمام حاجتیں اسی کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں اور اور اسی پر کلی طور پر اعتماد اور بھروسا ہے اور ہر حال میں اسی کی ذات رجوع کے قابل ہے اور ہر شدت اور مشقت کے نام پر اسی کی ذات کارگر ہے۔ لا شریک لہٗ۔ اے طالب ان اشیاء کو سمجھ لے۔ قریب ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تجھ کو ہدایت کی توفیق نصیب ہو جائے۔ واللہ ولی الھدایۃ بفضلہٖ۔

اور نفس کا معاملہ۔ تو اس کے حالات کا مشاہدہ اور اس کے ارادہ کی ذلت وخواری اور اس کے اختیار کرنے کی برائی بیان کرنا ہی تیرے لئے کافی ہے اس لئے کہ نفس شہوت کی حالت میں چوپایہ اور غصہ کی حالت میں درندہ اور مصیبت وپریشانی کے عالم میں چھوٹا سا بچہ نظر آتا ہے اور نعمت وخوش حالی میں فرعون اور بھوک میں مجنوں اور سیر ہونے کی حالت میں متکبر ومغرور ہے۔ اگر تو اس کو سیر کرے تو تکبر اور سرکشی کرتا ہے۔ اور بھوکا رکھے تو چیختا اور گھبراتا ہے۔ کہنے والے نے یہی نقشہ بیان کیا ہے :۔

نفس کی مثال بدترین گدھے جیسی ہے اگر اس کا پیٹ بھرے تو انسانوں کے لات مارے اور بھوکا رکھا جائے تو چیخے۔

بعض صالحین نے سچ فرمایا ہے کہ نفس کی ذلت اور جہالت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ جب نفس کسی معصیت کا ارادہ کرے یا کسی شہوت کی خواہش کرے تو اس کو اس سے پھیرنے کی کوشش کرے یا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع

کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور کتاب اللہ اور تمام سلف صالحین کا وسیلہ پیش کرے اور اس کے سامنے موت، قبر، قیامت اور جنت و دوزخ کا تذکرہ کرے تو یہ نفس ہرگز تابع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ شہوات کو چھوڑ سکتا ہے۔

اب اس کے بعد نفس کو ایک روٹی دینا بند کر دے تو یہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اپنی خواہشات کو بھی چھوڑ دے گا۔ اس طریقہ سے نفس کی خست و ذلت کا اندازہ ہو جائے گا۔

لہٰذا اے انسان اس سے کسی بھی حالت میں غفلت نہ اختیار کرنی چاہئے اس لئے کہ نفس کی مثال ایسی ہی عام ہے جیسا کہ خالق عالم جل جلالہٗ نے فرمایا ہے:-

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ کیونکہ نفس تو ہر ایک کو بری بات بتلاتا ہے

بس عاقل کے لئے اتنی ہی چیز کافی اور شافی ہے۔

بعض صالحین سے جنہیں احمد بن ارقم بلخی کہا جاتا ہے منقول ہے فرماتے ہیں، میرے نفس نے مجھ سے غزوہ اور جہاد کی طرف جانے کے متعلق لڑائی شروع کی میں نے سوچا خوب، خوب! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ نفس برائیوں پر بہت آمادہ کرنے والا ہے اور یہ نفس تو بھلائی کا حکم کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن تجھے وحشت ہو رہی ہے انسانوں سے ملنا چاہتا ہے تاکہ ان میں راحت و آرام حاصل ہو اور وہ عظمت و احترام اور نیکی کا تیرے ساتھ معاملہ کریں۔ لہٰذا میں نے اس سے کہا کہ تجھے کبھی بلندی نہیں دوں گا اور نہ تجھے مشہور کراؤں گا۔ اس نے اس چیز کا جواب دیا تو اس کے متعلق میرا گمان اور برا ہوا۔ میں نے سوچا اللہ تعالیٰ نے اصدق القائلین ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں دشمن سے قتال میں سبقت کروں گا تو قتل ہونے میں تیرا ہی پہلا نمبر ہو گا۔ اس پر بھی اس نے جواب دیا جس کے متعلق مجھے اور برا گمان ہوا۔ غرض کہ جن اشیاء ۔ ۔ ۔ کا ارادہ تھا اس سے میں نے چند چیزوں کے متعلق دریافت کیا۔ سب کا اسی قسم کا جواب ملا ہی کے

بعد میں نے عرض کیا الٰہ العالمین اس کے متعلق مجھے متنبہ فرما اس لئے کہ میں نفس کی تغلیط اور تیری تصدیق کرنے والا ہوں۔ لہٰذا یہ چیز مجھ پر بطور کشف کے ظاہر ہوگئی۔ گویا کہ نفس مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے احمد تو نے بار بار شہوات کا ارتکاب نہ کر کے اور میری مخالفت کر کے مجھے مار ڈالا۔ مگر اس کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ لہٰذا اگر تو جہاد کرے تو صرف ایک مرتبہ میں قتل ہو جاؤں گا اور مجھ سے نجات مل جائے گی اور انسانوں میں شہرت ہو جائے گی۔ سب کہنے لگیں گے کہ احمد شہید ہو گیا۔ یہ چیز میرے لئے بہت ہی شرافت اور بزرگی کی ہوگی۔ احمد بلخیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں بیٹھ گیا اور اس سال جہاد ہی کے لئے نہیں گیا۔

شیطان کے مکر و فریب اور غرور و تکبر کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اپنے مرنے کے بعد ایک عمل کی وجہ سے انسانوں میں دکھاوے کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بعد خود کا وجود تک ہی نہیں ہوگا۔

کسی نے سچ اور خوب کہا ہے :۔

اپنے نفس کی حفاظت کر۔ اس کی دغا بازیوں سے بے خوف مت ہو۔ اس لئے کہ نفس کی خباثت ستر شیطانوں سے بھی زائد ہے۔ (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے) اس دغا باز، مکار اور برائیوں کے حکم کرنے والے سے باخبر ہو جا اور اپنے قلب کو ہر حال میں جو تجھے پیش آئے اس کی مخالفت پر آمادہ کر کے اس کے بعد اس میں تقویٰ کی لگام ڈال لے۔ اس کے علاوہ اس پر غلبہ حاصل کرنے کی اور کوئی تدبیر نہیں۔

اس مقام پر ایک قاعدہ کلیہ اور سمجھتے چلو وہ یہ کہ عبادت کے دو حصے ہیں ایک حاصل کرنا اور دوسرے اجتناب و پرہیز کرنا۔ پہلا مقام تو طاعت الٰہی کرنا اور دوسرا طریقہ معاصی اور برائیوں سے بچنا ہے اور اس کا ذریعہ تقویٰ ہے۔

پرہیز کا طریقہ نہایت سالم اور محفوظ فضیلت والا اور عابدین کے لئے طریقہ ثانی یعنی اکتساب سے زیادہ اچھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت الٰہی کے شروع

کرنے والے جو کوششوں کے مقام پر ہیں اپنی تمام کوششوں کو طریقہ اول پر ایسی طور صرف کرتے ہیں کہ دن میں روزے رکھتے اور راتوں کو قیام کرتے ہیں وغیرہ ذلک اور عابدین میں سے اعلیٰ مقام والے صاحب بصیرت حضرات وہ اپنی کوششوں کو دوسرے مقام یعنی اجتناب عن المعاصی پر صرف کرتے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں یہ ہوتی ہیں کہ اپنے قلوب کو غیر اللہ کے میل سے صاف کرلیں اور اپنے پیٹوں کو فضول سے اور اپنی زبانوں کو لغویات سے محفوظ اور اپنی نگاہوں کو ایسی اشیاء پر ڈالنے سے کہ جن پر نظر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بچا لیتے ہیں۔

یہی چیز عباد سبعہ میں سے عابد ثانی نے یونس ؑ سے فرمائی ہے۔ اے یونس انسانوں میں سے بہت سے حضرات وہ ہیں جن کو نمازیں پڑھنا پسند ہیں۔ وہ اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے۔ بے شک وہ عبادت الٰہی کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت قدمی صدق وتضرع وابتہال کے ساتھ ستون ہے۔

اور بعض حضرات کو روزہ پسند ہے وہ بھی اس پر کسی اور چیز کو ترجیح دینا نہیں چاہتے اور ایسے ہی بعض کو صدقہ وخیرات مرغوب ہے وہ بھی اس کے علاوہ کسی اور چیز کو پسند نہیں کرتے۔

اے یونس میں تیرے سامنے ان خصلتوں کی تفسیر بیان کئے دیتا ہوں۔

لہٰذا اپنی نماز کی درازی مصیبتوں پر صبر اور اللہ رب العزت کے حکم کی بجا آوری ہونی چاہئے اور اپنے روزہ کو ہر ایک برائی پر سکوت اختیار کرنا بنالے اور اپنے صدقہ وخیرات کو تمام برائیوں اور گندگیوں سے باز رہنے میں تبدیل کردے۔

اس لئے کہ اس سے زائد فضیلت والا صدقہ کسی کا تو نہیں کرسکتا اور اس سے زائد پاکیزہ تو نہیں رکھ سکتا۔ سو جب تجھے معلوم ہوگیا کہ اجتناب اور پرہیز کا طریقہ بہ رعایت اور کوشش کے اعتبار سے بہترین طریقہ ہے کہ جس وقت کے لئے دونوں ہی طریقے یعنی اکتساب اور اجتناب حاصل ہوجائیں گے تو تیرا معاملہ کامل اور تیری مراد پوری ہوجائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ تو سالم اور مامون ہوجائے گا۔

اب اگر ان میں سے ایک ہی طریقہ کو حاصل کر سکتا ہے تو اجتناب اور پرہیز والے طریقہ کو لازم پکڑنا چاہئے اس لئے کہ تو برائیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اگرچہ اور کچھ نہ ملے۔

ورنہ دونوں ہی طریقے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس کے بعد نہ قیام لیل اور نہ اس کا تعب و تکان فائدہ مند ہوگا۔ صرف ایک وسوسہ کی وجہ سے اس کا ثواب برباد کر دے گا۔

اور ایسے ہی صیام نہار بھی سود مند نہ ہوگا۔ صرف ایک قول کی وجہ سے ان کو تباہ و برباد کر دے گا۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ان دونوں حضرات کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ایک شخص تو بہت ہی بھلائیاں اور بہت ہی برائیاں کرنے والا اور دوسرا اس کے بالمقابل کم نیکیاں اور ایسے ہی کم برائیاں کرنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا میں کسی کے متعلق بھی کسی چیز پر امن و سلامتی کا فیصلہ نہیں دے سکتا۔

ہمارے بیان کردہ امور کی مثال مریض کی طرح ہے وہ اس لئے کہ مریض کا علاج دو طریقہ پر ہوتا ہے نصف دوا کے ذریعہ سے اور بقیہ پرہیز کی وجہ سے۔ اگر یہ دونوں چیزیں ایک دم اس میں جمع ہو جائیں تو گویا مریض صحیح اور تندرست ہو گیا ورنہ پھر پرہیزی کرنا زیادہ مناسب بہتر ہے کہ دوا پرہیز کے ترک کے باوجود سود مند نہیں ہو سکتی۔ ہاں پرہیز سے دوا کے ترک کے باوجود بھی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اصل کل دواء الحمیة — تمام دواؤں کی بنیاد پرہیز ہے۔

مقصود یہی ہے کہ پرہیز تمام دواؤں سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ ہندوستاں والوں کا (پاکستان و بھارت) بہترین علاج پرہیز ہے کہ وہ مریض کے لئے کھانے پینے اور بات چیت کرنے کے متعلق چند دنوں تک ممانعت کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے جلد صحت مند اور اچھا ہو جاتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ علم گویٔ تمام چیزوں کی جڑ اور جوہر ہے اور اس کے اہل عابدین میں سے اونچے طبقہ والے ہیں۔ لہٰذا کوششوں اور تمام توجہات کو اسی کی تحصیل کی جانب متوجہ کرنا چاہیئے۔

باقی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ محض اپنی رحمت سے توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

فصل

آنکھ، زبان، پیٹ اور قلب کی اصلاح اور اس کی ترغیب

اس کے بعد ان اعضائے اربعہ کی جو اصول اور مبنی ہیں خصوصی طور پر رعایت اور حفاظت کرنی چاہیئے۔

ان میں پہلی چیز آنکھ ہے اور تمھیں معلوم ہے کہ دین اور دنیا کے تمام امور کا مدار قلب پر ہے اور خطرات قلب اور اس کے افعال اور فساد اس کا اثر آنکھوں سے صادر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ حاصل ہو تو قلب کی اس کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور دوسری شئے زبان ہے۔ تم کو یہ چیز معلوم ہے کہ اس میں تمہارا نفع اور دولت ہے اور تمہاری مشقتوں کے ثمرات اور تمہاری کوششیں یہ سب کی سب عبادت اور طاعت الٰہی کے لئے ہیں اور عبادت کا تصور پیدا ہونا اور اس کا حبط اور برباد کرنا اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے خواہ وہ بناوٹ اور زینت و غیبت وغیرہ کی وجہ سے ہو کہ یہ ایسی چیز ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک سال کی عبادت کے تعب و تکان بلکہ پانچ اور دس سال کی عبادت کی کوششوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ زبان سے زیادہ قید کرنے کی کوئی چیز مستحق نہیں۔

منقول ہے کہ عباد سبعہ میں سے کسی نے یونس علیہ السلام سے فرمایا۔ اے یونس عابدین جس وقت عبادت الٰہی میں کوشش کرتے ہیں تو گفتگو کو بہت دراز زمانہ

تک چھوڑ دیتے ہیں اور کسی چیز کے ذریعہ سے تقویت حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اسی بات کو لوٹایا اور فرمایا کہ زبان کی حفاظت سے بڑھ کر قابل ترجیح تیرے پاس اور کوئی چیز نہیں لہٰذا چیزوں کو مضبوط اور محفوظ کر لینا چاہیئے۔

اس کے بعد ان سانس لینے کے اوقات پر غور کر کہ جن میں تو فضول اور لغو کلمات اپنی زبان سے نکالتا ہے جو تیرے لئے نقصان دہ ہوگئے ہیں۔ اگر ان کلمات کے بجائے استغفر اللہ کہہ دے ممکن ہے کہ یہ بہترین ساعت اور اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرمادے اور تیرے حال میں بھی ترقی حاصل ہو۔

یا اپنی زبان سے لفظ لا الٰہ الا اللہ کہہ دے کہ تیرے لئے اجر و ثواب کا اتنا ذخیرہ ہو جائے کہ تیری عقل و فہم بھی اس کے اندازہ سے قاصر ہو۔

یا یہ کہے (اَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ) کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگتا ہوں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت اس جانب متوجہ ہو جائے اور تیری دعا کو شرف قبولیت حاصل ہو جائے نتیجہ یہ ہو کہ دنیا اور آخرت کی مشقتوں سے تو محفوظ ہو جائے۔ کیا یہ خسران عظیم اور بہت بڑا دھوکا نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ان عظیم الشان فوائد سے جدا رکھے اور اپنے نفس اور اوقات کو ایسی فضولیات میں صرف کرے جو ملامت، حساب اور قیامت کے دن پشیمانی و ندامت کا باعث ہوں —— قائل اپنے قول کے ضمن میں بہت ہی اچھا کہہ گیا ہے۔

جب فضول اور لغو اشیاء کے متعلق گفتگو کا قصد اور ارادہ ہو تو اس کے بجائے سبحان اللہ ہی کہہ لے۔

اور تیسری شے پیٹ ہے۔ یہی چیز تیرے لئے کافی ہے کہ تیرا مقصود عبادتِ الٰہی ہے اور کھانا اعمال اور افعال کے لئے بیج اور پانی ہے۔ اسی سے ہر چیز ظاہر اور نمایاں ہوگی اور جب بیج ہی خراب ہوگا تو کھیتی ہی اچھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں اس بات کا خدشہ ہے کہ تیری کھیتی ہی تباہ و برباد ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے اس میں کامیابی کی شکل ہی باقی نہ رہے۔

یہی چیز ہمیں معروف کرخیؒ سے پہنچی ہے کہ جب تو روزہ رکھے تو اس بات پر غور کرے کہ کس چیز سے افطار کرے اور کس کے پاس افطار کرے گا اور کونسا کھانا کھائے گا کیونکہ بہت سے حضرات کھانے کا کوئی لقمہ کھاتے ہیں اس کے ذریعہ سے ان کا قلب حالت سابقہ ہی پر واپس ہوجاتا ہے۔ اور یہ حالت ان میں ہمیشہ کے لئے مفقود ہو جاتی ہے۔ اور بہت سے لقمے رات کے قیام اور تہجد سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور بہت سی نگاہیں کسی سورت کی تلاوت سے محرومی کا باعث ہوتی ہیں۔ اور ایسے ہی بندہ کوئی لقمہ کھالیتا ہے جس کی بنا پر ایک سال کی عبادت سے محروم ہوجاتا ہے اس لئے اے انسان اگر اپنے قلب کی حفاظت اور عبادت پروردگار پر قوت حاصل کرنا چاہتا ہے تو گہری نظر اور حد درجہ احتیاط روزی اور ذریعہ معاش میں ضروری اور لازم ہے۔ یہ روزی کے متعلق اصولی چیزیں تھیں تاکہ اس کے طریقوں سے واقفیت حاصل ہوجائے۔

اس کے بعد کھانے میں ادب کی بھی حاجت اور ضرورت ہے۔ ورنہ تو کھانے کا لادنے والا، اوقات کا ضائع کرنے والا شمار ہوگا۔ اس لئے کہ ہم نے یقینی طور پر یہ چیز جان لی بلکہ ظاہری طور پر اس کا مشاہدہ بھی کر لیا کہ پیٹ کے بھرے ہوئے ہونے کی حالت میں عبادت کسی طریقہ پر نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ نفس کو اس پر مجبور کرے اور قسم قسم کی تدابیر کرے۔ اور پھر اس عبادت میں لذت اور حلاوت بالکل نہیں ہوتی۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ زائد کھانے کی شکل میں عبادت کی حلاوت اور شیرینی کو نہ تلاش کرو۔

اور نفس انسانی میں بغیر عبادت کے اور عبادت الٰہی میں بغیر لذت اور حلاوت کے کیا نور حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی چیز کے متعلق ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں۔ میں جبل لبنان میں بہت سے اللہ والوں کے ساتھ رہا۔ وہ برابر مجھ کو وصیت کرتے رہے کہ جب میں دنیا والوں کی طرف واپس جاؤں تو ان کو چار چیزوں کے بارے میں خصوصی نصیحت کروں۔ ان سے کہوں کہ جو زائد کھاتا ہے وہ عبادت کی لذت

اور حلاوت کو نہیں محسوس کرتا۔ اور ایسے ہی جو زائد سوتا ہے وہ اپنی زندگی میں برکت نہیں پاتا۔ اور جو انسانوں کی رضا جوئی کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوتی۔ اور جو اپنی گفتگو میں فضول اور غیبت کرتا رہتا ہے اس کا کوچ دنیا سے ملت اسلام پر نہیں ہوتا۔

اور سہل سے منقول ہے انہوں نے فرمایا، تمام امور خیر ان چار خصلتوں میں جمع ہو گئے اور ان ہی خصلتوں کی بنا پر ابدال ابدال ہو گئے۔ وہ یہ کہ بھوکے اور خاموش رہنا، مخلوق سے علیحدگی اور راتوں کی بیداری۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ بھوکے رہنا ہماری تمام اشیاء کی بنیاد ہے مطلب یہ کہ ہمیں جو کچھ فراغت اور سلامتی عبادت حلاوت، علم اور عمل جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ صرف بھوکے رہنے اور محض خوشنودیٔ خدا کی وجہ سے اس پر صبر کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور رہا قلب تو اس کے لئے صرف اتنی ہی چیز کافی ہے کہ وہ تمام چیزوں کی اصل اور بنیاد ہے۔ اگر قلب فاسد ہو گا تو تمام چیزیں فاسد ہو جائیں گی اور اگر اس کو صحیح و سالم رکھے گا تو تمام اعضاء سالم محفوظ رہیں گے۔ گویا کہ قلب ایک درخت کی طرح اور تمام اعضائے انسانی اس کی شاخیں ہیں اور درخت ہی سے شاخوں کو تقویت حاصل ہوتی اور صحیح و خراب ہوتی ہیں اور قلب بادشاہ ہے اور تمام اعضاء اس کے تابع اور اجزاء ہیں اور جب بادشاہ درست رہے گا تو تمام رعایا بھی درست رہے گی اور جب یہ فساد برپا کرے گا تو تمام رعایا بھی فساد مچائے گی لہٰذا آنکھ، زبان، پیٹ وغیرہ کی صحت قلب کے صحیح اور پختہ ہونے کی دلیل ہے اور کسی قسم کا خلل اور فساد نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اسی خلل کا اثر اور اسی فساد کا پیش خیمہ ہے جو قلب میں پیدا ہوا ہے۔ بلکہ فساد قلب میں بہت بہت زیادہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنی تمام تر کوششوں کو اسی پر صرف کر کے اس کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ اس کی درستگی میں تمام اعضاء کی درستگی یک دم عمل میں آ جائے گی جس کی

وجہ سے راحت وآرام نصیب ہوتا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود قلب کا معاملہ بہت مشکل اور دشوار ہے۔ اس لئے کہ یہ خواطر اور وساوس کے لئے معنی اور جٹہ ہے اور یہ تیرے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔

اور اس کی اتباع و پیروی سے روکنا اس میں بہت کوششوں کے صرف کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔ اور اس میں بہت ہی مشقتوں کا سامنا کرنا ہے۔ اسی وجہ سے اجتہاد اور کوشش کرنے والوں پر اس کی اصلاح مشکل اور اہل بصیرت کے نزدیک اس کا اہتمام اندازہ بڑا ہے۔

ابی یزیدؒ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے قلب کا دس رسال اور اپنی زبان کا دس رسال اور ایسے ہی اپنے نفس کا دس رسال تک علاج کیا مگر ان تینوں میں میرے قلب کا علاج بہت مشکل اور شاق رہا۔ بغرض کہ ان اشیاء پر غور وخوض نظر رکھنا چاہئے۔

امید، جلد بازی، حسد اور کبر پر نظر ثانی

اس کے بعد ان چاروں خصلتوں پر جو ہم نے بیان کر دی ہیں یعنی امید کاموں میں جلد بازی حسد اور کبر پر نظر ثانی کی حاجت اور ضرورت ہے۔

اس مقام پر تمام خصلتوں سے چار خصلتوں کو اس واسطے منتخب کیا اور ان سے محفوظ رہنے کی ترغیب کی حاجت اس لئے پیش آئی کیونکہ خاص طور سے یہ چیزیں قاریوں میں پائی جاتی ہیں یعنی یہ اشیاء عام انسانوں میں عمومی طور پر اور قاریوں میں خصوصی پائی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز بہت بُری اور بدترین ہو جاتی ہے۔

قاری صاحب کا ملاحظہ کر کے دیکھ لو۔ امیدیں دراز ہوں گی اور اس کو نیت خیر سمجھے گا۔ اسی کی وجہ سے اعمال میں سستی اور تاخیر پیدا ہو جائے گی ایسے ہی مراتب خیر کے حاصل ہونے میں جلد بازی مچائے گا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان سے علٰحدگی ہو جائے گی یا کسی نیک دعا کی قبولیت میں جلدی مچائے گا تو اس سے ہی محروم ہو جائے گا یا کسی کے لئے بددعا کرنے میں مبتلا ہو گا جیسا کہ نوح علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس پر ہم: ندامت اور پشیمانی حاصل ہوگی۔

اور ایسے ہی قاری کو دیکھے گا کہ اپنے ہم مرتبہ والوں سے ان چیزوں پر حسد کرے گا جو اللہ تعالےٰ نے ان کی فضیلت کی دولت سے نوازا یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچ جائے گا جو ایسی برائیوں اور رسوائیوں میں لاکر ڈالے گا کہ جس کی جانب کوئی فاجر اور فاسق تک بھی سبقت نہیں کر سکتا۔

یہی چیز سفیان ثوری رحہ نے فرمائی ہے کہ میں اپنے خون پر قاری اور علماء کے علاوہ کسی کا خوف نہیں کرتا۔ حاضرین کو سفیان ثوری رحہ کی یہ بات بڑی معلوم ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں یہ بات خود نہیں کہتا بلکہ ابراہیم نخعی کی فرمائی ہوئی ہے

اور حضرت عطا ابدہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سفیان ثوری رح نے فرمایا قاریوں سے بچو اور مجھ کو ان سے محفوظ رکھو۔ اس لئے کہ اگر میں ان کی مخالفت کروں تو ایک انار ہی کے بارے میں مجھ سے جھگڑا شروع کر دیں گے۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ میٹھا ہے تو وہ کہیں گے ترش ہے حتیٰ کہ مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو ظالم بادشاہ کے پاس لے جاکر سپرد کر دیں گے۔

اور مالک بن دینار رحہ فرماتے ہیں کہ میں قاریوں کی گواہی تمام مخلوق کے خلاف قبول کر لیتا ہوں لیکن ان میں سے بعض کی گواہی بعض کے خلاف قطعاً قبول نہیں کرتا اس لئے کہ میں نے اکثر قاریوں کو حاسد پایا ہے۔

فضیل رحہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ قاریوں سے دور جاکر مکان خرید لو اس لئے کہ اگر مجھ سے اور جماعت سے کوئی لغزش صادر ہوگی تو یہ ہماری تذلیل کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے گا تو یہ حسد کریں گے۔
غرض کہ قاریوں کو تو اسی طرح دیکھے گا کہ انسانوں پر تکبر کرتے ہوں گے۔ رخسارے پھلاتے اور چہرہ بگاڑے ہوئے ہوں گے۔ گویا کہ انسانوں پر دو رکعت نفل پڑھ کر احسان کرتے ہیں یا اللہ تعالےٰ کے ہاں سے جنت کا تمغہ لے آئے ہیں یا دوزخ سے برأت نامہ لکھوا لیا ہے یا سعادت اور نیک بختی کا اپنے لئے یقین اور تمام انسانوں کے لئے بدبختی متعین کر بیٹھے ہیں۔ (معاذ اللہ)

پھر اس کے باوجود صوف وغیرہ کا خاکساروں کے طریقہ پر لباس پہنتے ہیں اور اکڑتے ہیں۔ یہ چیز رفعت او کبر کے قطعاً مناسب نہیں اور نہ اس کے ہم پلہ بلکہ اس کے مناقض ہے۔ مگر اندھوں کو نظر نہیں آتا۔ منقول ہے کہ فرقد سنجی حضرت حسن ؒ کے پاس آیا اور اس کے اوپر ایک کمبل اور حضرت حسن پر ایک جبہ تھا۔ فرقد سنجی حضرت حسن ؒ کے جبہ کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے لگا۔ اس پر حسن نے فرمایا۔ میرے کپڑوں کو کیوں دیکھ رہے ہو کیا وجہ ہے۔ میرے کپڑے جنتیوں کے کپڑے ہیں اور تمہارے کپڑے دوزخیوں کے کپڑے ہیں۔ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ دوزخیوں کی اکثر تعداد کمبل والوں کی ہوگی۔ پھر حضرت حسن ؒ نے فرمایا کہ زہد کپڑوں ہی تک محدود کر لیا ہے اور کبر وبڑائی سینوں میں بھری ہوئی ہے۔

اور اس ذات کی قسم ہے کہ تم میں سے ہر ایک جبہ والے سے زیادہ اس کے جبہ میں اپنے کمبل میں تکبر کرنے والا ہے۔ اسی چیز کی طرف ذوالنون ؒ نے اپنے اشعار میں اشارہ فرمایا ہے۔

اونی کپڑے پہن اس لئے کہ ان اونی کپڑوں میں جہالت میں مشغول ہوگا اور بعض حضرات تو اس لباس کو تکبر کے طور پر پہنتے ہیں۔ خاکساری کو ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت میں تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر کبر اور بڑائی کا اظہار خاکساری کی شکل میں نہیں ہوا کرتا۔ موٹا اور خراب اس لئے پہنو تاکہ تم کو امین کہا جائے اور اس لباس کے پہننے کا قصد امانت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ان چیزوں سے اللہ تعالےٰ کی ذات مقصود نہیں۔ بلکہ خیانت کے راستہ پر چلنے کا ارادہ کیا ہے۔

غرض کہ اے انسان ان مذکورہ چار آفتوں سے بچنا چاہئے خصوصیت سے ساتھ کبر اس لئے کہ پہلی تین چیزیں محض باطل ہیں۔ اگر اس میں لغزش کھا گیا تو نافرمانیوں میں گرفتار ہو جائے گا اور حسد تو کلی طور پر باطل چیز ہے اگر اس میں لغزش صادر ہو جائے تو کفر اور سرکشی کے سمندروں میں لے جا کر ڈال دیتی ہے۔

ابلیس کے واقعہ اور اس کے فتنہ کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں میں سے ہوگیا۔ اور اللہ رب العزت کی خدمت میں درخواست پیش کرنی چاہیے کہ وہ ہم کو ان تمام چیزوں سے اپنی مہربانیوں کے ساتھ محفوظ رکھے اس لئے کہ وہ جواد کریم ہے۔

فصل

خلاصۂ کلام یہ کہ اے انسان جب تو اپنی عقل کے ساتھ غور کرے گا تو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ دنیا کو بقا نہیں اور اس کے منافع نقصانات کی مکافات نہیں کر سکتے۔

اور دنیا کی اتباع میں نفس کو پریشان کرنا اور امور دنیا میں قلب کا مشغول کرنا اور آخرت میں اسے دردناک عذاب اور حساب میں کہ جس کی طاقت اور قوت نہیں گرفتار کرتا ہے۔

جب یہ چیز بدیہی طور پر راسخ ہو جائے، تو اس کے فضولیات سے اعراض کرنا چاہیے۔ اور عبادت خداوندی میں جن اشیاء کی حاجت اور ضرورت ہے اس کے علاوہ اس میں سے اور کچھ نہ حاصل کرنا چاہیے۔ اور نعمتوں اور لذتوں کو اللہ تعالےٰ ملک، قادر، غنی، کریم کا قرب حاصل کرنے اور جنت نعیم اور دارِ نعیم کے لئے چھوڑ دے اور یہ بات بھی بخوبی معلوم ہے کہ مخلوق میں کسی قسم کی وفا نہیں اور ان کی شفقتیں فضول اور لغو امور میں معاونت اور مدد سے زائد ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ضروری امور کے علاوہ انسانوں سے میل جول ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ مخلوق کی بھلائیوں سے فائدہ حاصل کرے اور ان کی برائیوں سے پرہیز کرے۔

اور دوستی و محبت ان حضرات کے ساتھ کرنی چاہیے جس کی دوستی اور محبت میں کسی قسم کا خسارہ اور نقصان نہ ہو اور اس کی خدمت سے گریز نہ کرنا چاہیے۔ اور ایسے ہی اپنے خلوۃ اور نشست و برخاست کے ذریعہ اس سے انسیت باقی رکھنی

چاہیے تاکہ ہر حال میں وہ تمہارا ساتھ دے اور ہر عمدہ اور فضیلت والی چیز اس سے دیکھنے میں آئے اور دنیا و آخرت کی ہر مصیبت کے وہ کام آئے۔ جیسا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

احفظ اللہ تجدہ حیث اتجھت — اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر جس مقام پر جائے گا وہیں اللہ تعالیٰ ملے گا۔

اور یہ بات بھی بخوبی معلوم ہے کہ شیطان خبیث ہے اور اس نے تیری دشمنی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ لہٰذا اس ملعون کتے سے اپنے قادر و قاہر پروردگار کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے اور اس کے مکر و فریب اور شکار کھیلنے سے غافل مت ہو کہیں نہ کہیں تجھے یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور کر دے گا اور اس کی باتوں سے گھبرانا بھی نہ چاہیئے اس لئے کہ یہ چیز بالکل معمولی ہے جب کہ تجھ سے عزم انسانی کا اظہار ہو اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ — یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر دل سے بھروسا رکھتے ہیں۔

ابو حاتمؒ نے اپنے اقوال میں بالکل سچ فرمایا کہ دنیا اور شیطان کی کیا حقیقت ہے؟ سو دنیا جو کچھ اس میں سے حصہ گزر گیا وہ خواب ہے اور جو حصہ باقی رہ گیا، وہ آرزوئیں اور تمنائیں ہیں۔ اور رہا شیطان، سو خدا کی قسم اس کی اطاعت کی گئی، وہ کوئی سودمند نہ ہوئی اور اس کی نافرمانی کی تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوا اور اس نفس کی تباہی اور سرکشی کا اس کے نقصانات اور ہلاکتوں کے ساتھ خوب اندازہ ہو گیا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں ان عقلاء اور علماء کے طریقہ پر غور و خوض کرنا جو کہ انجام پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ چیز تیرے لئے بہتر ہوگی۔ ان جاہلوں اور بچوں کے طور پر نظر نہ کرنی چاہیئے۔ جو فوری طور پر غور کرتے ہیں۔ مصیبتوں کے دھوکے کو نہیں سمجھتے اور دواء کے تلخ ہونے سے بھاگتے ہیں۔ اس نفس کو تقویٰ کی لگام اس طریقہ پر ڈال لے کہ جن چیزوں کی حقیقی طور پر

حاجت اور ضرورت نہیں ان سے باز رہے خواہ وہ فضول کلام ہو کسی طرف دیکھنا اور کھانا پینا ہو یا کسی بری خصلت کی بنا پر شبہ اور دھوکے میں مبتلا ہونا ہو جیسا کہ امیدوں کی درازی، جلدبازی، حسد اور جو مقامات کبر اور بڑائی کے نہیں ان پر تکبر کرنا یا محض شر اور شہوت کی وجہ سے کھانا پینا اور نفس کو ان چیزوں کے ارتکاب کی، اجازت دے جن کے بغیر کوئی چارۂ کار اور جن میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ اس لئے کہ لغو اور فضول اشیاء کے ارتکاب کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں اور اللہ رب العرش نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت سے کشادگی عطا فرمائی ہے اور دینی امور میں جو چیزیں ان کو نقصان دہ ہیں ان سب سے ان کو محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ان اشیاء کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رہی تو حقیقت وہی ہے جیسا کہ بعض صالحین نے فرمائی ہے کہ تقوی بہت آسان شئے ہے جب کسی شئے کے متعلق کوئی اس کے مقام سے علیحدگی نظر آئے تو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ نفس قرار پکڑتا اور جس چیز کی عادت ڈالی جاتی ہے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

کہنے والے نے اسی چیز کو آشکارا کیا ہے:۔

کہ نفس کسی چیز کی خواہش پیدا کرنے کے بعد اس کا راغب اور خواہش مند ہو جاتا ہے اور جب معمولی چیز پر کفایت کرے تو اس ہی پر قناعت کرتا ہے۔ یہ نفس ہے جس چیز کا اس پر لاداں کیا جائے گا اسی کو اٹھائے گا اور برداشت کرے گا اور جیسی عادت ڈالی جائے گی اسی کا عادی ہو جائے گا۔

اور دوسرے صاحب کا قول ہے:۔

کہ میں نے اپنے نفس کو لذات اور خواہشات سے روکے رکھا حتی کہ وہ اس سے باز ہو گیا اور میں نے اس رکاوٹ کو لازم پکڑ لیا تو نفس نے اسی پر پختگی حاصل کر لی اور نفس کو تو جس مقام پر جو بھی انسان کر دے گا وہیں قرار پکڑ جائے گا۔ اگر تم کسی بات کو چاہو گے تو نفس خواہش کرے گا ورنہ ٹھنڈا رہے گا۔ غرض کہ جب ہماری بیان کردہ اشیاء پر تو بخوبی مطلع ہو جائے گا تو دنیا میں زہد اختیار کرنے والا اور آخرت کی کوشش

اور رغبت کرنے والا ہو جائے گا۔

اور معلوم ہونا چاہیئے کہ جس کا نام زاہد رکھ دیا گیا گویا کہ ہزار ممدوح کا اس کا نام رکھا گیا اور اس شکل کے بعد تو ان برگزیدہ حضرات میں سے ہو جائے گا جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ تعالےٰ کی عبادت اور خدمت کے لئے صرف کر دیا ہے اور اب تیری حالت قائل کے قول مطابق ہو جائے گی۔

ایک جماعت نے تو دنیا کے ساتھ مشغولی اختیار کر لی۔ اور دوسری جماعت اپنے پروردگار عالم کے لئے فارغ ہو گئی۔ لہٰذا جماعت ثانی نے پروردگار عالم کی خوشنودی کو لازم پکڑ لیا اور تمام مخلوق سے علیحدگی اختیار کر لی کہ ان کے قدم راتوں میں صفیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ العالمین کی نظر رحمت ان کی حفاظت کرتی ہے۔ سو ایسی جماعت کے لئے خوشی کا مقام ہے اور پھر بار بار خوشی اور بشارت ہے اس لئے مبارکبادی کے ساتھ ان کو سلام کیا جاتا ہے۔

اور اب تو ان زاہدوں میں سے ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوشش کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالےٰ کے خصوصی بندوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ۔ واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا۔

اور تیرا شمار ان تقویٰ والوں میں ہو جائے گا جن کو سعادت دارین کا ثمرہ حاصل ہے اور بہت سے ملائکہ مقربین سے فضیلت اور فوقیت حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ ملائکہ میں تو شہوت کا مادہ ہی نہیں جو ان کو برائیوں کی ترغیب کرے ایسے ہی وہ سراسر نفس خبیث سے پاک اور منزہ ہیں اور تو نے اس مشکل اور دشوار اور سخت گھاٹی کو عبور کر لیا ہے۔ اور اپنے مقصود کی کامیابی میں تمام پریشانیوں سے دوچار ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ تمام چیزیں مجھے پریشان نہ کریں۔

اس لئے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنے اور اس کے طریقوں کو

مضبوط پکڑنے کے بعد بہت آسان ہے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اس لئے کہ وہ سوالوں کو بخوبی سننے والا ہے یہ کہ تمہاری اور ہماری اپنی حسن توفیق اور مدد اور آسانی کے ساتھ معاونت فرمائے اس لئے کہ ہر ایک ضروری امر کے لئے اس کی ذات کافی ہے۔ اور ہر ایک مشکل کے مقام پر اسی سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ تمام کائنات اور جملہ امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں سو ہو علی کل شئی قدیر۔ غرض کہ بیان کردہ امور کا پھر دوبارہ خلاصہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چوتھا باب

عوارضات کا مرحلہ

اب اس کے بعد عبادت الٰہی کے طلب گار کے لئے ان عوارضات سے بچنا ضروری ہے جو عبادت خداوندی میں رکاوٹ ڈالنے والے ہیں اور ایسے ہی ان کے راستوں کا بند کرنا ضروری ہے تاکہ تیرے مقصود میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیش آئے۔ اولاً ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ چار قسم کے ہیں۔

امر اول رزق اور نفس کا اس کی تلاش و جستجو کرنا

اس مرحلہ کی کفایت صرف توکل ہی سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا رزق اور روزی اور تمام ضروری امور پر اللہ سبحانہ کی ذات پہ کامل طور پر توکل کرنا چاہئے۔ اور یہ چیز دو وجہ سے متحقق ہو سکتی ہے۔

پہلی شے تو عبادت الٰہی کے لئے فارغ ہونا اور امور خیر کے حقوق کی ادائیگی کرنا ہے اگر اس میں توکل کی شان نہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حاجت اور رزق

اور مصلحت کی وجہ سے ظاہری طور پر یا باطنی طریقہ پر مشغول ہوتا ہے یا صرف تلاش اور بدن کی کمائی کے ساتھ جیسا عام رغبت کرنے والے یا ذکر اور وسوسہ کی وجہ سے۔
جیسا کہ وہ حضرات جو عبادت الٰہی کی کوشش میں الجھے ہوئے ہیں۔ اور عبادت میں قلب اور بدن دونوں کے فارغ ہونے کی حاجت ہے۔ تاکہ عبادت کے حقوق کی ادائیگی ہو سکے اور توکل کرنے والے ہی اس چیز کے لئے فارغ ہو سکتے ہیں۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہر کمزور قلب والا انسان جس کا قلب دنیا کی تھوڑی چیز کے علاوہ اور کسی شے پر نہ مطمئن ہوتا ہو جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں سے کوئی عظیم الشان کام اس سے پایۂ تکمیل نہیں پہنچ سکتا۔ اور بار بار میں نے اپنے شیخ ابو محمد رح سے سنا فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں وہی حضرات کا معاملہ خوب ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ توکل کرنے والا یا بے باکی اور بغیر کسی قسم کے ہر ایک کام کو کرنے والا۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں۔ یہ کلام اپنے معنی کے اعتبار سے بہت جامع ہے اس لئے کہ بے باکی کا معاملہ کرنے والا اپنے عادات کے قوی ہونے اور اپنے قلب کے جری ہونے پر کاموں کا قصد اور ارادہ کرتا ہے کہ اس میں پھر اس کو کوئی اس کے ارادہ سے نہیں ہٹا سکتا اور نہ کوئی وسوسہ اس کے کاموں میں کمزوری پیدا کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بے باکی کے ساتھ اپنے تمام امور کو انجام دیتا رہتا ہے۔

اور اللہ رب العزت کی ذات پر توکل کرنے والا تو وہ قوت اور بصیرت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدوں پر کامل یقین اور اپنے ضمان پر کامل اعتماد کے ساتھ تمام کاموں کو شروع کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی انسان کی طرف توجہ نہیں کرتا جو اس کو پریشان کرے اور ایسے ہی نہ کوئی شیطان اپنے وساوس کے ساتھ اس پر اثر پذیر ہو سکتا ہے چنانچہ یہ شخص اپنے مقصود اور مطلوب میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے اور کمزور مخلوق تو ہمیشہ توکل، تردد، فتور اور پریشانی میں گرفتار رہتی ہے۔ جیسا کہ گدھا اپنی چراگاہ میں اور مرغی اپنے کھنڈلے میں چکر لگاتی رہتی ہے جو مالک ان کو دیتا ہے اس پر زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا تفاوت نہیں ہوتا۔ کاموں کے مقاصد

سے ان کی ہمتیں پست ہو چکی ہوتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی جرأت باقی نہیں رہتی۔ تو کسی معزز کام کا ارادہ تک بھی نہیں کرتے اور اگر قصد و ارادہ کر لیتے ہیں تو اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ یہ چیز پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔

کیا دنیا والوں میں سے قصد و ارادہ کرنے والوں کو نہیں دیکھتا کہ کسی بلند مرتبہ اور کسی عظیم الشان مقام کو اپنے قلوب کو اپنے نفس اور مال اور جانوں سے جدائی اختیار کئے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بادشاہ لڑائیوں میں مصروف رہتے اور دشمنوں کو شکست دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یا ہلاکت کے اعتبار سے یا ملک اور بادشاہت حاصل کرنے کی حیثیت سے۔ حتیٰ کہ ان کے لئے بادشاہت کا مقام اور ولایت کا جھنڈا حاصل ہو جاتا ہے

اور نقل کیا گیا ہے کہ معاویہ ابن سفیان رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن جب دونوں لشکروں کی طرف دیکھا تو ارشاد فرمایا۔ جو بڑائی اور بلندی چاہتا ہے تو اپنے نفس کے ساتھ بڑائی کا معاملہ کرے۔

اور تاجر حضرات تو وہ بری اور بحری طریقہ پر ہلاکت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اپنی جانوں اور مالوں کو شرق اور غرب کے علاقوں میں ڈالے رہتے ہیں اور اپنی جانوں کو دو چیزوں میں سے ایک کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ یا جانوں کا فوت ہو جانا یا نفع کا کامل طریقہ پر حاصل ہو جانا۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے لئے پورا نفع اور بہت مال اور عمدہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں اور بہر حال وہ تاجر جس کا قلب کمزور اور ارادہ پست ہو تو وہ اپنے قلب کو اپنے نفس اور مال سے علیحدہ نہیں کر سکتا اور اسکی عمر کی درازی مکان سے دکان تک آنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ وہ بادشاہوں کے طریقہ پر بلند مقامات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ پر خطر تاجروں کے طریقہ پر نادر مال کو جمع کر سکتا ہے۔ اگر بازار میں کچھ مل گیا تو بقدر ایک روپیہ کے اس کی کوششوں کے باوجود نفع ہو گیا تو یہی چیز اس کے لئے بہت ہوتی ہے اس لئے کہ اس کا قلب ایک شئے معلوم کے ساتھ وابستہ

اور متعلق ہے۔ یہ دنیا اور دنیا والوں کا طریقہ ہے۔

آخرت والوں کا راس المال صرف یہی توکل ہے اور پریشانیوں اور عوارضات سے قلب کا علیحدہ وجدا کر لینا ہے جب کہ اس کو مضبوط کر لیتے اور پختہ طریقہ حاصل کر لیتے ہیں تو عبادت الٰہی کے لئے فارغ ہو جاتے ہیں اور مخلوق سے جدائی اور زمین میں سیر وسیاحت اور گوشوں میں رہنے اور پہاڑو گھاٹیوں کے وطن بنا لینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں میں تا اندطاقتور دینی بھائی اور آزاد انسان اور حقیقی طور پر زمین کے بادشاہ ہو جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جس مقام پر چاہتے ہیں اترتے ہیں اور بڑے بڑے کاموں کا علم اور عبادت میں سے جس کا چاہتے ہیں قصد اور ارادہ کرتے ہیں جس میں ان کے لئے رکاوٹ اور ممانعت کی چیز نہیں ہوتی۔ تو تمام مقامات ان کے لئے واحد اور تمام زمانے ان کے لئے ایک ہیں۔

اسی چیز کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اشارہ موجود ہے۔

مَنْ سره اَنْ يَكُوْنَ اقوى الناس فَلْيَتَوَكَّلْ على الله و من سره ان يكون اكرم الناس فليتق الله ومن سره ان يكون اغنى الناس فليكن بما في يد الله اوثق منه بما في يده۔

جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہونا چاہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور ایسے ہی جس کو انسانوں میں معزز ہونے کی خواہش ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور جو تمام انسانوں سے استغنا حاصل کرنا چاہتا ہے اپنے مال کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کئے ہوئے رزق اور مال پر زیادہ اعتماد کرے۔

سلیمان خواصؒ نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص سچائی کے ساتھ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات پر توکل کرے تو تمام امراء اور فقراء اس کے محتاج ہو جائیں گے۔ اور وہ ان حضرات کا کیسے محتاج ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کا پروردگار غنی حمید اس کے

ساتھ ہے۔

ابراہیم خواص سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا میری ایک میدان میں ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی، گویا کہ چاندی کا ٹکڑا ہے میں نے دریافت کیا کہ اے لڑکے کہاں کا قصد وارادہ ہے اس نے جواب دیا، مکہ مکرمہ کا میں نے دریافت کیا کہ بغیر توشہ اور سواری کے اس نے جواب دیا اے کمزور یقین والے جو ذات آسمان وزمین کی حفاظت پر قادر ہے اس کو اس چیز پر بھی قدرت حاصل ہے کہ وہ مجھ کو مکہ مکرمہ تک بغیر سواری اور توشہ کے پہنچا دے۔ ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو وہ لڑکا بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے اور یہ اشعار پڑھ رہا ہے:-

اے نفس تو ہمیشہ گردش میں مبتلا رہ اور پروردگار عالم کے علاوہ کسی کو اپنے اوپر قابو نہ حاصل ہونے دے۔

اے نفس پیٹ کے درد ہی میں مرجا۔

جب اس لڑکے نے مجھ کو دیکھا تو کہنے لگا اے شیخ آپ ہی کو اس ضعف وکمزوری نے اتنی دور کر دیا تھا۔ ابو مطیعؒ نے ابو حاتمؒ سے فرمایا مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ تم جنگلات کو بغیر توشہ کے محض توکل پر عبور کرتے ہو۔ حاتم نے فرمایا میرا توشہ چار چیزیں ہیں۔ دریافت کیا وہ کیا ہیں۔ فرمایا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا اور آخرت سب اللہ تعالیٰ کی ملک میں داخل ہیں اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلامی اور پرورش میں داخل ہے اور یہ جانتا ہوں کہ تمام ارزاق اور اسباب اللہ رب العزت کے قبضۂ قدرت میں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا میں نافذ ہے۔

اور کسی نے بہت اچھا کہا ہے:-

زاہدوں کو میں عیش وعشرت میں دیکھتا ہوں اور ان کے دل دنیا کے مذاق میں لگے رہتے ہیں جب تو ان کی طرف دیکھے گا تو تجھے ایسی جماعت نظر آئے گی کہ وہ دنیا کی بادشاہ ہوگی اور خستہ حالی ان کی خاص نشانی ہے۔

اور دوسری شے جو اس معاملہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر توکل کی

مقتضی ہے تو وہ یہ شے ہے کہ جس کے چھوڑنے میں بہت خطرات اور عظیم الشان امور درپیش ہیں۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ رزق کو وابستہ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ رزق اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کوئی عطا کرنے والا نہیں جیسا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رزق کے عطا کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ — اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے۔

پھر اس وعدہ پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی ذمہ داری کو بھی بیان کر دیا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ — اور کوئی (رزق کھانے والا جاندار) روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اور اس کے بعد اس سے بڑھ کر رزق عطا کرنے کی قسم بھی کھائی اور فرمایا:۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ۔ — ان سب کا معین وقت آسمان میں ہے تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کہ وہ برحق ہے جیسا کہ تم باتیں کرتے ہو۔

اور اس چیز کو بھی کافی نہ سمجھا اور کامل طور پر توکل کا حکم دیا اور توکل نہ کرنے پر متنبہ کیا اور ڈرایا کہ:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ — اور اس زندہ رہنے والے پر توکل کر جسے موت نہیں۔

اور ارشاد ہے:۔

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا — اور اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ ہی پر توکل کرو ۔

تو کیا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کے قول کا اعتبار اور اس کے وعدہ پر اکتفا اور اس کی ذمہ داری پر اطمینان اور اس کی قسم پر قناعت نہیں کی جائے گی اور اس کے حکم اور وعدے اور وعید کی کوئی پروا نہ ہوگی۔ لہٰذا غور کر کہ اس کی کیا حالت ہو سکتی ہے اور ان تمام محنتوں و مصیبتوں سے کیا چیز بچا سکتی ہے۔ خدا کی قسم یہ تو بہت عظیم الشان مصیبت ہے اور ہم اس سے غفلت اور پریشانی میں گرفتار ہیں اور صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ سے فرمایا۔

كَيْفَ أَنْتَ إِذَا	تیری حالت کیا ہوگی جب کہ تو ایسی
بَقِيْتَ بَيْنَ قَوْمٍ يَخْبَؤُنَ	جماعت میں ہوگا کہ وہ یقین و ایمان کی
رِزْقَ سَنَتِهِمْ لِضَعْفِ	کمزوری کے باعث سال بھر کی روزی
الْيَقِيْنِ ۔	چھپا کر رکھیں گے ۔

اور حضرت حسنؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم پر اپنی لعنت نازل فرمائے کہ ان کے لئے اس کے پروردگار نے قسم کھائی پھر بھی انہوں نے اس کی تصدیق نہیں کی اور فرشتوں نے اس آیت، فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ کے نزول کے وقت فرمایا انسان ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا حتیٰ کہ پروردگار نے ان کی روزیوں کے متعلق قسم کھائی۔

اور حضرت اویس قرنیؒ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ اگر تو آسمان و زمین والوں کے بقدر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو جب تک اس کی تصدیق نہ کرے تو یہ عبادت قبول نہ ہوگی اور اس کی تصدیق کس طرح ہوگی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے رزق کے متعلق جو ذمہ داری لی ہے اس پر اعتماد اور بھروسا کرنے والا ہو جا۔ اور اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کر لے۔ اور اویس قرنیؒ سے عرض کیا گیا کہ ابن حبانؒ ضعیف ہو گئے ان کو کس جگہ ٹھیرایا جائے۔ آپ کا اس بارہ

میں کیا علم ہے۔ اس پر اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا شام میں۔ عرض کیا وہ تو ضعیف اور کمزور ہو گئے، ذریعہ معاش کیا ہوگا۔ اویس قرنی رح نے فرمایا، افسوس ہے ایسے قلوب پران میں تو شک راسخ ہو گیا۔ نصیحت کی باتیں کیسے اثر کر سکتی ہیں اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک کفن چور نے ابی یزید بسطامی رح کے ہاتھ پر توبہ کی۔ ابو یزید رح نے اس کی حالت دریافت کی۔ کفن چور نے عرض کیا کہ میں نے ایک ہزار قبروں سے کفن چرایا ہے۔ لیکن علاوہ دو آدمیوں کے اور سب کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے دیکھے ہیں۔ اس پر ابو یزید رح نے فرمایا بیچارے مسکین ہیں۔ رزق کی تلاش اور جستجو نے ان کے چہروں کو قبلہ کی طرف سے پھیر دیا۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض اصحاب نے بیان فرمایا کہ انہوں نے نیک حضرات میں سے کسی کو دیکھا تو ان کی حالت دریافت کی اس پر انہوں نے پوچھا کیا اپنا ایمان بھی محفوظ رکھا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ ایمان تو اللہ پر توکل کرنے والوں ہی کا صحیح و سالم رہ سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے احوال کو اپنے فضل سے درست فرمائے اور جس حال پر ہم ہیں اس پر ہمارا مواخذہ نہ فرمائے۔ بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔

توکل کی حقیقت اور اس کا حکم اور بندہ کو رزق کے معاملہ میں کن چیزوں کی حاجت ہے

امور توکل چار طریقے سے بیان کرنا ضروری ہے۔ اولاً تو لفظ توکل کے معنی اور اس کے مقامات، توکل کی تعریف اور اس کی تقسیم۔

امر اول۔ توکل یہ وکالت سے تفعل کا مصدر ہے لہٰذا کسی پر توکل کرنے والا وہ ہو سکتا ہے کہ جس نے کسی کو وکیل کے درجہ میں بنا لیا ہو جو اس کے کاموں کو کرنے والا اس کی اصلاح کا ضامن اور بغیر تکلف و اہتمام کے اس کے کاموں کو

انجام دینے والا ہے۔ یہ تو لفظ توکل کی تحقیق ہے۔

اور رہے توکل کے مقامات تو سمجھ لینا چاہئے کہ توکل کا اطلاق تین مقامات پر ہوتا ہے۔ پہلا مقام تو مقام تقسیم ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی ذات پر اعتماد اور بھروسا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا حصہ تیرے لئے جتنا متعین کر دیا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور یہی چیز اطاعت کے لئے واجب اور ضروری ہے۔ اور دوسرا مقام وہ نصرت کا مقام ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مدد اور نصرت کے ساتھ اعتماد اور بھروسا کرنا ہے جس وقت کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کرے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ — جب تو (عبادت کا) پختہ ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ — اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ — اور ہم پر مومنین کی مدد کرنا واجب ہے یہ چیز وعدہ کی وجہ سے لازمی اور ضروری ہے

اور تیسری چیز رزق اور حاجت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ضامن ہے ان امور کا جب کہ تو نے اس کی خدمت کی نیت کی اور اس کی عبادت کے لئے کمر بستہ ہو گیا۔

چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ — جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔

اور صادق امین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ — اگر تم خدا پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے

حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا

کا حق ہے تو خدا تم کو ایسے روزی پہنچاتا جیساکہ پرندوں کو پہنچاتا ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو سیر ہوکر واپس آتے ہیں۔

یہ چیز بھی دلیل عقلی اور شرعی کے ساتھ بندہ کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور رزق وحاجت ہی کے مقام پر توکل زائد ضروری اور مشہور ہے اور اس فصل کا مقصود بھی یہی ہے۔

سو توکل کا مقام رزق ہے اور رزق سے مراد وہ رزق ہے جو علمائے کرام نے بیان کیا ہے اور یہ چیز رزق کے اقسام کے بیان کے بعد ظاہر ہوسکتی ہے۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ رزق کی چار قسمیں ہیں۔ مضمون، مقسوم، مملوک اور موعود۔

رزق مضمون: تو اس سے مقصود غذا ہے اور وہ چیزیں ہیں کہ جس پر انسان کی بنیاد اور قوام قائم ہے۔ اس میں تمام اسباب ضروری نہیں۔ تو جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے یہ وہی شکل ہے اور اسی کے مقابلہ میں دلیل عقلی اور شرعی کی بنا پر توکل واجب اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے بدنوں اور جسموں کو اپنی طاعت اور عبادت کا مکلف کیا ہے تو اتنی ذمہ داری بھی ہوگی کہ جس سے کمزوری کی کمی پوری ہوجائے اور ہم کو جن چیزوں کا مکلف قرار دیا ہے اس کی ادائیگی ہوسکے۔

بعض مشائخ کرامیہ نے اس کے متعلق ایک بہترین اصول بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا، بندوں کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر تین چیزوں کی وجہ سے واجب اور ضروری ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ سردار ہے اور ہم اس کے غلام ہیں اور سرداروں پر غلاموں کی کفالت کی کفایت واجب ہوا کرتی ہے جیساکہ غلاموں پر سردار کی خدمت

اور دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رزق کا محتاج کرکے پیدا فرمایا ہے اور رزق کی تلاش کے لئے ان کے لئے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا۔

اس لئے کہ انسانوں کو معلوم ہی نہیں کہ ان کی روزی کس چیز میں ہے اور ان کا رزق کیا ہے۔ اور کب حاصل ہوگا۔ تاکہ متعین طریقہ پر جگہ سے حاصل کر لیں اور وقت پر اس تک پہنچ جائیں۔ لہٰذا یہ چیز واجب ہے کہ بندوں کے رزق کی کفایت کرے اور ان کو رزق پہنچائے۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خدمت اور عبادت الٰہی کے لئے بنایا ہے اور رزق کی تلاش و جستجو اس چیز سے روکنے والی ہے۔ سو اس ذات پر یہ چیز ضروری ہے کہ وہ ان کی کفایت کرے۔ تاکہ یہ عبادت کے لئے فارغ ہو جائیں۔ یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو اسرار الٰہی سے واقف نہیں۔ اور یہ کہنے والا کہ رزق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ وہ غلطی کا ارتکاب کرنے والا ہے اور ہم نے فن کلام میں اس فساد کی برائیوں کو بیان کر دیا ہے۔ اب اصلی مقصود پر توجہ دیتے ہیں۔

اور رزق مقسوم وہ ہے جس کی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تقسیم فرما دی ہے۔ اور لوح محفوظ میں اس کو لکھ دیا کہ ہر ایک کے کھانے پینے اور پہننے کی کیا تعداد ہوگی اور اس کے کیا اوقات ہوں گے۔ اس میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی اور نہ تقدیم و تاخیر۔ جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

الرزق مقسوم مفروغ منہ لیس تقوے تقی بزائدہ ولا فجور فاجر بناقصہ۔

رزق لکھا جا چکا ہے۔ اس سے قطعی طور پر فراغت حاصل ہو گئی ہے کسی متقی کا تقویٰ اس میں زیادتی اور فاجر کا فجور اس میں کمی نہیں کر سکتا۔

اور رزق مملوک۔ اموال دنیا میں سے اللہ تعالیٰ کے مقدر فرمانے کے اعتبار سے ہے جس کا ہر ایک انسان مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو متعین فرما دیا ہے کہ وہ اس کا مالک ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے:

انفقوا مما رزقناکم

یعنی جن چیزوں کا ہم نے تم کو مالک بنا دیا ہے ان کو خرچ کرو۔

اور رزق موعود وہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے تقویٰ کی شرط کے ساتھ یقینی طور پر بغیر کسی تدبیر کے وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مضرتوں سے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

یہ رزق کے اقسام ہیں اور توکل صرف رزق مضمون کے اندر واجب ہے۔ توکل کی تعریف، اس کے متعلق ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ وہ ہر ایک سے مایوسی اور انقطاع کر کے اللہ تعالیٰ کی جانب قلب کا متوجہ کرنا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا مصلحت کے موقع پر کسی اور چیز سے علاقہ اور تعلق ختم کر کے اللہ تعالیٰ کے تعلق کو قلب میں جمانا ہے۔ اور شیخ ابو عمرو رح نے فرمایا توکل تعلق کے چھوڑنے کا نام ہے اور تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز سے اپنی زندگی کے متعلق سوچنا ہے۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں، میرے شیخ نے فرمایا، توکل اور تعلق دو قسم کے ذکر ہیں۔ تو توکل تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بود و باش میں غور کرنا ہے اور تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور شے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے متعلق غور و فکر کرنا ہے۔ باقی تمام اقوال کی میرے نزدیک ایک ہی اصلیت ہے وہ یہ کہ اپنے قلب کو اس بات پر مضبوط کرے کہ میری زندگی کی درستگی اور پریشانی کا انسداد اس کی کفایت یہ محض اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں اس چیز کی طاقت نہیں نہ دنیاوی اسباب میں اور نہ کسی قسم کے سامان میں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے تو وہ اس کے لئے مخلوق کو سبب بنا دے یا ویسے ہی لکڑیوں وغیرہ کو۔ اور اگر چاہے تو بغیر اسباب

اور وسائط کے محض اپنی قوت سے اس کی کفایت فرما دے۔

لہٰذا جب تو ان تمام باتوں کو سوچے گا اور اس پر پختگی حاصل ہو جائے گی اور تیرا قلب مخلوق و اسباب سے علیحدہ ہو کر اللہ رب العزت کی ذات کی طرف متوجہ ہو گا تو اس وقت کما حقہٗ توکل حاصل ہو جائے گا اور یہی توکل کی تعریف ہے اور توکل کی۔ یونہی جو کہ توکل پر برانگیختہ کرنے والی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی ذمہ داری کو یاد کرنا اور اس چیز کی جڑ اور بنیاد وہ اللہ تعالےٰ کے جلال اور اس کے علم و قدرت کے کمال اور خلف و سہو اور عجز و نقصان سے اس کی ذات کو منزہ اور مبرا سمجھنا ہے۔ غرض کہ بندہ جب ان اشیاء پر غور و خوض کرے گا تو رزق کے معاملہ میں یقینی طور پر اللہ تعالےٰ کی ذات پر توکل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ انسان اور بندہ پر کیا ہر حال میں رزق کا طلب کرنا ضروری ہے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ رزق مضمون جو کہ قوام اور غذا کا نام ہے اس کے طلب کی تو ہم کو قدرت نہیں اس لئے کہ وہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک شے ہے جیسا کہ حیات اور موت بندہ نہ اس کے حاصل کرنے پر قادر ہے نہ اس کے دفع کرنے کی اس میں قوت و طاقت۔

اور وہ رزق جو اسباب کے ساتھ تقسیم شدہ ہے تو بندہ کو اس کے طلب کی بھی حاجت و ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ بندہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں۔ اس کو تو صرف رزق مضمون کی حاجت ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی ذمہ داری میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

اس سے مراد علم اور ثواب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ چیز رخصت ہے اس لئے کہ آیت میں تو حکم دیا گیا ہے اور مقصود اس سے ممانعت ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ چیز مباح اور جائز ہو سکتی ہے۔ واجب اور ضروری نہیں۔ اب اگر دریافت کیا جائے کہ وہ رزق جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں داخل ہے اس کے اسباب بھی تو ہیں تو پھر کیا ان اسباب

وذرائع کی تلاش ضروری ہے یا نہیں۔

سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے لئے اسباب کی طلب بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ بندہ کو اس کی حاجت و ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بغیر سبب کے تمام امور کرنے پر قادر ہے تو پھر ہم کو اسباب کے طلب کی کہاں سے حاجت اور ضرورت پیش آئے گی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب اور کسب کی شرط کے اس چیز کی ذمہ داری لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔	اور کوئی رزق کھانے والا جاندار ہو گئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

تو بندہ کو جس چیز کا مقام معلوم نہیں اس کی تلاش کے متعلق اس کو حکم دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد بندہ اس کو طلب کرے۔ اور کون سے سبب سے اس کا وہ رزق ہے جو اس کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوگا اور کون سی وہ چیز ہے جو اس کی غذا اور ترغیب کا باعث ہوگی۔ ہم میں سے یقینی اور متعین طریقہ پر ایک کو بھی یہ چیزیں معلوم نہیں کہ کہاں سے یہ اشیاء حاصل ہو سکتی ہیں تو اس کے لئے مجبور کرنا بھی درست نہیں۔ پھر یہ چیز بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اور اولیائے متوکلین نے اکثر اور عمومی طور پہ رزق کو نہیں تلاش کیا بلکہ عبادت کے لئے فارغ اور معروف رہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات متفق علیہ ہے کہ یہ حضرات نہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے والے تھے اور نہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ان سے سرزد ہو سکتی ہے تو ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہو تمہارے لئے یہ بات صاف ہو گئی کہ رزق اور اس کے اسباب کی تلاش بندہ کے لئے لازمی اور ضروری نہیں ہے پھر اگر تو معلوم کرنا چاہے کہ کیا رزق میں تلاش کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور تلاش نہ کرنے سے کمی اور نقص پیدا ہوتا ہے۔ تو میں جواباً کہتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے

کہ یہ لوحِ محفوظ میں مکتوب اور مقدر ہے۔ اس وقت کا متعین ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں اور اس تقسیم و کتابت کو کوئی چیز بھی تبدیل کرنے والی نہیں۔ ہمارے علمائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک یہی چیز صحیح ہے۔ بعض اصحابِ حاتم اور شقیق رحمہما اللہ اس کے برخلاف کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رزق میں تو بندہ کے فعل کی وجہ سے کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن مال میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ یہ چیز فاسد ہے۔ اس لئے کہ دلیل دونوں مقامات کے لئے ایک ہی ہے اور وہ لوحِ محفوظ میں مکتوب اور تقسیم شدہ ہونا ہے اور اسی چیز کی جانب اللہ تعالیٰ کا فرمان اشارہ کرتا ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰىكُمْ۔

یہ بات اس واسطے ہوئی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر اتنا رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی جائے اس پر اتراؤ نہیں۔

اور اگر یہ چیز طلب کے ساتھ زائد اور تلاش و جستجو ترک کرنے کے ساتھ کم ہوتی تو غم اور خوشی کے لئے اس میں گنجائش ہوتی۔ اس لئے کہ اس میں کوتاہی اور تاخیر ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ چیز ختم اور سعی اور کوشش ہوتی ہے کہ جس کی بنا پر یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا ہے:۔

هَاكَ لَوْلَمْ تَأْتِهَا لَاتَتْكَ

بے وقوف اگر تو اس کی کوشش نہ کرتا تب بھی وہ تجھے مل جاتی۔

اب اگر دریافت کیا جائے کہ ثواب اور عقاب بھی لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے تو ہمیں ثواب کی طلب اور موجباتِ عذاب کا چھوڑنا واجب اور ضروری ہے اور کیا یہ چیز طلب اور تلاش کے ساتھ زائد، اور اس کو چھوڑنے کے ساتھ کم ہوتی ہے۔

تو سمجھو کہ ثواب کا طلب کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یقینی طور پر وعدہ فرمایا ہے اور اس کے چھوڑنے پر عقاب اور عذاب سے

ڈرایا ہے۔ اور ثواب بغیر ہمارے افعال کے نہیں حاصل ہو سکتا اور ثواب اور عذاب کی زیادتی یہ سب کچھ بندہ کے افعال کے ساتھ متعلق ہے۔

ان دونوں چیزوں کے درمیان صرف ایک نکتہ سے فرق ظاہر ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لوح محفوظ میں جو چیزیں لکھی ہوتی ہیں، وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم کی تو وہ اشیاء ہوتی ہیں جو مطلق بغیر کسی شرط اور بندہ کے ساتھ معلق کئے بغیر جیساکہ روزیاں اور عمریں۔ کیا نہیں خیال کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو مطلقاً بغیر کسی شرط کے کس طرح بیان فرمایا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔	اور کوئی (رزق کھانے والا) روئے زمین پر چلنے والا جاندار ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔	سو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

اور صاحب شرع صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے فرمایا ہے چار چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے مخلوق کو فراغت حاصل ہو چکی ہے۔ پیدائش، رزق اور زندگی اور ایک قسم وہ ہے جو کسی شرط کے ساتھ لکھی ہوئی ہوتی ہے اور بندہ کے فعل کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور یہ ثواب اور عذاب ہے۔

غور سے دیکھ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی کتاب میں ان دونوں چیزوں کو بندہ کے فعل کے ساتھ معلق کر کے ذکر فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ	اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کر دیتے اور ضرور اُن کو

جنت النعیم ۔ چین کے باغوں میں داخل کرتے ۔

غرض کہ یہ چیز بالکل واضح ہے اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے ۔

اب اگر کوئی کہے کہ ہم طلب اور تلاش کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو مال اور رزق بہت حاصل ہوتا ہے اور اس سعی اور کوشش کے ترک کرنے والوں کو مشاہدہ کرتے ہیں کہ مال و دولت سے محروم اور محتاج رہتے ہیں تو اس کے قول کو اس طرح رد کیا جائے گا گویا تو نے ایسے تلاش و جستجو کرنے والے کو دیکھا ہی نہیں جو کہ محروم اور فقیر ہے اور ایسے ہی تلاش و جستجو نہ کرنے والے کو جس کو مال و دولت بکثرت ملا ہوا ہے کیوں نہیں ۔ بلکہ اس قسم کے واقعات بکثرت ہیں : تاکہ یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ یہی ذات قدیر ، عزیز اور علیم ہے ۔

اور عالم کا نظام اسی ملک حکیم کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔

اور ابو بکر محمد بن سابق الواعظ الصقلی نے شام میں یہ اشعار پڑھے ہیں ۔

بہت سے طاقتور انسان اپنے قلب کے اعتبار سے طاقتور ہیں اور رائے کے بہتر ہیں مگر رزق ان سے علیحدہ ہے ۔ اور بہت سے کمزور انسان جو اپنے ارادے کے اعتبار سے بھی کمزور ہیں ۔ مگر وہ سمندر کی گہرائی میں غوطہ کھا رہے ہیں (انتہیٰ) یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ معبود حقیقی کے مخلوقات میں ایسے اسرار پوشیدہ ہیں ، جو نمایاں اور ظاہر ہیں ۔

اور رہا یہ کہ جنگل میں بغیر زاد اور توشہ کے جانا چاہئے کہ نہیں ۔ سو اگر قلب اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ معلق ہو ۔ اور اللہ تعالےٰ کے وعدوں پر کامل اعتماد اور یقین ہو تو پھر تو داخل ہونا چاہئے ورنہ تو عوام کے طریقہ پر ان ہی کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیئے ۔

اور امام ابو المعالی رحمہ سے میں نے سنا ہے فرمایا کرتے تھے ۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانوں کی عادت کے مطابق معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی مشقتوں کے فنی ہونے میں جو انسانوں کا طریقہ ہے اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے ۔

یہ کلام بہت ہی عمدہ ہے اور سوچنے وغور کرنے والے کے لئے اس میں بہت سے فوائد مضمر ہیں پھر اگر یہ شبہ ہو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔

تفسیر آیت مذکورہ

اس آیت کا مطلب بیان کرنے میں علمائے کرام کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے زاد آخرت مراد ہے اسی لئے فرمایا، اِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ اور دنیا کے اسباب وساز وسامان کے متعلق نہیں فرمایا۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک جماعت حج کے راستہ میں اپنے لئے انسانوں پر اعتماد اور بھروسا کر کے کسی قسم کا توشہ نہیں لیتی تھی۔ اور پھر انسانوں سے مانگتی شکایت کرتی اور اصرار کرتی اور انسانوں کو تکلیف پہنچاتی تھی تو اس بنا پر توشہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور تنبیہ فرمادی گئی کہ مالک حقیقی کی طرف سے توشہ رکھنا، یہ انسانوں کے توشہ اور ان پر اعتماد کرنے سے بہتر ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ متوکل کو سفر میں اپنے ساتھ توشہ رکھنا چاہئے یا نہیں۔ تو بسا اوقات اپنے ساتھ توشہ رکھتا ہے لیکن اس کا قلب اس کے ساتھ معلق نہیں ہوتا اس لئے کہ یقینی طور پر اس کے ساتھ اس کا رزق موجود ہے۔ اور اسی سے اس کو غذا ملتی ہے۔ بلکہ اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتا ہے اور وہ اسی پر توکل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رزق تقسیم ہو چکا ہے۔ اس میں کسی قسم کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ میری تندرستی اس رزق کے ساتھ رکھے یا دوسرے رزق کے ساتھ۔ اور کبھی انسان زاد اور توشہ دوسری نیت کے ماتحت اپنے ساتھ رکھتا ہے بایں طور کہ اس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کی مدد کرے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ توشہ اور سامان رکھنے اور نہ رکھنے پر کوئی مدار نہیں بلکہ قلب پر اس کا مدار ہے۔ اس لئے اپنے قلب کو ان اسباب کے ساتھ معلق نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ ذمہ داری اور اس کی حسن کفایت پر نظر ہونی چاہئے۔

اس لئے کہ بہت سے حضرات توشہ لے جانے والے ہوتے ہیں۔ مگر ان کا قلب اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ توشہ اور سامان پر قطعاً نظر نہیں ہوتی۔ اور بہت سے انسان توشہ وغیرہ کچھ بھی نہیں لے جاتے مگر ان کا دل اللہ کو چھوڑ کر اسی میں گھسا رہتا ہے۔ تو حقیقی طور پر قلب ہی مدار ہوا۔ غرض کہ ان اصول کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے انشاء اللہ یہ چیز مفید ثابت ہوگی۔

اب رہی یہ چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اور سلف صالحین تو اپنے ساتھ سفر میں توشہ اور اسباب رکھا کرتے تھے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ چیز جائز ہے حرام نہیں، حرام تو قلب کا سامان کے ساتھ وابستہ کرنا اور توکل کو چھوڑنا ہے اور پھر تیرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا خیال ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔ کیا آپ نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنے قلب مبارک کو کھانے پینے، درہم اور دینار کی وجہ سے بلند کیا۔ حاشا و کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ آپ کا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ تھا اور اسی ذات پر آپ کو توکل حاصل تھا۔ آپ نے دنیا کے اسباب کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی اور نہ اپنے دست مبارک کو زمین کے خزانوں کی کنجیوں کی طرف دراز کیا اور آپ اور سلف صالحین سے جو توشہ کا سفر میں رکھنا منقول ہے وہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اعراض کر کے توشہ کی رغبت نہیں۔ اور معتبر طریقہ وہی ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے لہٰذا اس کو سمجھ لینا چاہئے اور بیدار اور غفلت سے بلندی اختیار کر اور ان مسائل کو خوب سمجھ لے اللہ نیک توفیق عطا فرمائے گا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ توشہ اور سامان سفر لینا افضل ہے یا نہ لینا بہتر ہے۔ سو یہ چیز احوال کے اختلاف سے بدلتی رہتی ہے۔ اگر اس چیز کے ارادہ کرنے والے کا منشا یہ ہو کہ اس سے یہ بات ظاہر ہو جائے کہ توشہ رکھنا جائز ہے یا اس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کی مدد یا کسی فقیر و مفلس کی دستگیری کی جائے گی تو توشہ اور سامان سفر

رکھنا افضل ہے۔ اور اگر تنہا آدمی ہو۔ اللہ رب العزت کی ذات پر قلب مضبوط ہو اور سامان سفر و توشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے حاصل کرتا ہو تو اس وقت توشہ اور سامان سفر کا نہ لے جانا بہتر ہے۔ غرض کہ ان باتوں کو سمجھ کر محفوظ کر لینا چاہیئے۔

امر ثانی خطرات اور ان کا قصد و ارادہ

اس چیز کی تکمیل صرف اپنے معاملہ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرنے میں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اپنے تمام معاملوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا واجب ہے اور یہ چیز دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ ایک تو قلب کا فوری طور پر مطمئن ہو جانا، اس لئے کہ جب کام بلند او مبہم ہوں اور ان کی درستگی اور فساد کا علم نہ ہو تو اس وجہ سے قلب مضطرب اور نفس پریشان ہو جاتا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کام میں درستگی ہوگی یا فساد ہوگا۔ لہٰذا جب تو اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا تو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ یقینی طور پر تجھ سے امور خیر اور درست ہی صادر ہوں گے اور اس وقت تو خطرات، آفتوں اور مخالفت سے مامون ہو جائے گا، اور فوری طور پر قلبی اطمینان نصیب ہو جائے گا۔ اور یہ طمانیت اور امن و راحت قلب کے اعتبار سے بہت ہی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور ہمارے شیخ رح بکثرت اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات نے تجھے پیدا کیا ہے اسی کے لئے اپنی تدابیر کو چھوڑ دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ راحت و آرام میں رہے گا۔ اور اس کے متعلق کچھ اشعار بھی کہے ہیں:۔

جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ عمدہ یا بُری شے میں اس کے لئے نفع اور فائدہ ہے تو اس کے لئے یہ چیز مناسب ہے کہ جن اشیاء میں وہ عاجز ہے اپنے معاملہ کو اس معبود کے سپرد کرے جو تمام معاملات میں کافی ہے۔ اور وہ ذات سراپا رحمت ہے اور والدین سے زیادہ رحم اور مہربانی کرنے والا ہے۔

اور امر ثانی۔ وہ زمانہ آئندہ میں صلاح اور کار خیر کا حاصل کرنا۔ اور یہ بات اس وجہ سے ہے کہ کام انجام کے اعتبار سے مبہم ہوتے ہیں۔ بہت سی برائیاں بھلائیوں کی

صورت میں نمودار ہوتی ہیں ایسے ہی بہت سے نقصانات نفع کی شکل میں اور بہت سی زہر آلود چیزیں بصورت شہد ظاہر ہوتی ہیں اور تو سراسر انجام اور پوشیدگیوں سے ناواقف غرض کہ جب تو قطعی طور پر کاموں کا ارادہ کرتا ہے اور یقینی طور پر ان کو اختیار کر لیتا ہے تو بہت جلد ہلاکت اور بربادی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور تو سمجھنے بھی نہیں پاتا۔

بعض عابدین سے منقول ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کو شیطان دکھلا دیا جائے۔ ان سے کہا گیا کہ عافیت مانگو۔ مگر انہوں نے ابلیس کے علاوہ ہر چیز سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے شیطان کو ظاہر فرما دیا۔ سو جب عابد صاحب نے شیطان کو دیکھا تو اس کے مارنے کا ارادہ کیا۔ شیطان نے ان سے کہا کہ اگر آپ سو سال تک زندہ رہیں تو آپ کو اور آپ کے انجام کار کو سب کو ہلاک کر دوں۔ عابد اس لفظ سے دھوکا کھا گئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ میری زندگی تو ابھی بہت باقی ہے۔ میں جو چاہوں گا سو کروں گا۔ پھر اس کے بعد توبہ کر لوں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عابد فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ اور عبادت الٰہی کو چھوڑ دیا جس کی بنا پر ہلاک اور برباد ہو گئے۔ تو اس حکایت میں ارادہ کے نافذ کرنے پر اور اپنے مقصود میں اصرار کرنے اور امیدوں کی درازی پر تنبیہ فرما دی گئی۔ اس لئے کہ بہت عظیم الشان آفت ہے اور کہنے والے نے بالکل سچ فرمایا ہے۔

خواہشات اور امیدوں سے بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سی امیدیں موت کا باعث ہو جاتی ہیں اور جب تو اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا۔ اور اپنے لئے صلاح و خیر کے اختیار کرنے کا سوال کرے گا تو خیر اور رشدگی اور صلاح اور بہبودی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ عبد صالح کا قول نقل فرماتے ہیں:۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی	اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں
اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ	خدائے تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے
بِالْعِبَادِ فَوَقٰہُ اللّٰہُ	پھر خدائے تعالیٰ نے اس مومن کو ان

سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا — لوگوں کی مفرتدبیروں سے محفوظ رکھا۔ اور
وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ — فرعون والوں پر مع فرعون کے موذی عذاب نازل ہوا۔

اب اس آیت کے معانی پر غور کرلینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تفویض کے بعد برائیوں سے وقایت اور حفاظت اور دشمنوں پر مدد اور مقصود میں کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

تفویض کے معنی اور اس کا حکم

اس مقام پر دو بحثیں ہیں کہ جن سے کلام واضح ہوجائے گا۔ ایک تو تفویض کے مقامات اور اس کا حکم۔ دوسرے اس کے معنی، تعریف اور اضداد۔

تفویض کے مقامات کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے کہ ارادے تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ جن کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ سراسر شر اور برائی ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شائبہ نہیں جیساکہ دوزخ اور عذاب۔ اور افعال کے اعتبار سے کفر و بدعت معصیت وغیرہ تو اس قسم کے ارادہ کی قطعاً اجازت نہیں۔

اور دوسرے قسم کے وہ ارادے ہیں کہ جن کا یقینی طور پر خیر اور بھلائی ہونا معلوم ہے جیساکہ جنت اور ایمان اور سنت وغیرہ تو ان امور کا یقینی طور پر ارادہ کرنا ضروری ہے اور اس میں تفویض کی گنجائش نہیں اس لئے کہ یہ خطرات سے پاک ہیں اور اس کے خیر اور بھلا ہونے میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔

تیسری قسم کے وہ ارادے ہیں جن کے متعلق یقینی طور پر خیر اور بھلائی کا ہونا معلوم نہیں اور اس کے ہم معنی نوافل اور دوسرے مباحات ہیں۔ یہ تفویض کا مقام ہے تو ان امور کا قطعی طور پر ارادہ کرنا اچھا نہیں بلکہ استثنا اور شرط خیر و صلاح کرنی چاہیئے۔ اب اگر اپنے ارادہ کو استثنا کے ساتھ مقید کرے گا تو یہ تفویض ہوگی اور اگر ارادہ بغیر شرط و استثنا کے ہوگا تو یہ بدترین طمع اور ممنوع شے ہے۔

غرض کہ تفویض نام مقام پر وہ ارادہ ہوگا کہ جس میں خطرات ہوں گے اور جس کے یقینی ہونے کا علم نہ ہوگا اور تفویض کے معنی کے متعلق ہمارے مشائخ رحمہ نے فرمایا ہے کہ جن چیزوں میں خطرات ہوں ان کے اختیار کرنے کو ایسی ذات کے لئے چھوڑ دینا جو مختار اور مدبر ہے اور تمام مخلوق کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہے اور جس کی شان لا الٰہ الا ھو ہے۔

اور شیخ ابی محمد جریری نے تفویض کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں کہ اپنے اختیار اور ارادہ کو خطرات کی بنا پر اس ذات مختار کے لئے چھوڑ دینا ہے تاکہ وہ تیرے لئے بھلائی کو منتخب فرمائے۔ اور شیخ ابو عمرؒ نے فرمایا کہ تفویض کے معنی طمع کا چھوڑنا ہے اور طمع خطرات والی شے کا ارادہ کرنا اور اس پر حکم قائم کرنا ہے۔ غرض کہ یہ مشائخ کی عبارتیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تفویض ایسے ارادہ کو بولتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تیری ان مصلحتوں کو محفوظ کرے جن خطرات سے تو مامون نہیں ہے۔

اور تفویض کی ضد طمع ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک رجا اور امید کے ہم معنی ہے یعنی ایسی چیز کا ارادہ کرنا کہ جس میں خطرات ہی نہیں یا خطرات تو ہیں مگر ان کا استثنا کر دیا گیا۔ یہ پسندیدہ چیز ہے۔ جس میں کسی قسم کی برائی نہیں جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ

اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطا کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا۔

اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔

یہ وہ قسم ہے جو اس مقام پر کسی طرح بھی زیر بحث نہیں ہے اور دوسری طمع وہ مذموم ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

ایاکم والطمع فانہ فقر حاضر — طمع سے بچنا چاہئے اس لئے کہ یہ وقتی فقر اور مفلسی ہے۔

اور طمع میں دین کی ہلاکت ہے۔ خلاصہ یہ کہ طمع میں دین کا فساد ہے اور دین کا قوام اور بقا تقوی میں ہے۔

ہمارے شیخ رہ نے فرمایا ہے طمع مذموم کی دو وجہیں ہیں۔ ایک قلب کا ایسے منافع پر سکون پذیر ہو جانا کہ جن میں شبہات اور خطرات ہوں۔

اور دوسرے ایسی شے کا باعتبار حکم کے ارادہ کرنا کہ جس میں خطرات موجود ہوں۔ یہ ایسا ارادہ ہے جو تفویض کے مقابل ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی قسم تفویض کے مقابل نہیں۔

اور تفویض سے حفاظت کا مقام۔ وہ کاموں کے خطرات، ہلاکت اور فساد کا تذکرہ کرنا ہے اور اس سے حفاظت کا بلند مقام اپنی عاجزی کو خطرات کی قسموں میں مبتلا ہونے اور اپنی جہالت اور غفلت اور کمزوری کی بنا پر ان سے باز نہ رہنے کے تعلق کو ذکر کرنا ہے۔

اور ان دونوں چیزوں پر دوام اور ہمیشگی یہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے پر آمادہ کرے گی اور حکم کو اس سے محفوظ رکھے گی اور خیر و بھلائی کے علاوہ ہر قسم کے ارادوں سے یہ چیز روکے گی۔ لہٰذا ان اشیاء کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے۔

کن خطرات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف معاملات کا سپرد کر دینا واجب ہے

سمجھ لینا چاہئے کہ کلی طور پر خطرات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو شک کی بنا پر خطرہ کا پیدا ہو جانا کہ یہ چیز ہوگی یا نہیں یا اس تک رسائی ہو سکتی ہے یا نہیں اس کے اندر شرط و استثنا کی ضرورت ہے اور یہ چیز نیت اور امل میں واقع ہوتی ہے۔

اور دوسری چیز کہ اس کے فساد کا خطرہ ہو کر اپنی ذات کے لئے اس میں درستگی کا یقین نہ ہو۔ غرض کہ اس قسم میں تفویض کی حاجت اور ضرورت ہے۔

پھر اس کے بعد خطرات کے بیان میں علمائے کرام کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ خطرات فعل کے اندر یہ ہیں کہ ان خطرات کے بغیر نجات حاصل ہو جائے اور اس کے ساتھ گناہ کے سرزد ہو جانے کا امکان ہو۔

ایمان، استقامت سنت۔ ان میں کسی قسم کے خطرات نہیں۔ اس لئے کہ بغیر ایمان کے قطعی طور پر نجات ممکن نہیں اور استقامت۔ کے ساتھ گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا تو اس وقت ایمان اور استقامت کا قطعی طور پر ارادہ کرنا درست ہے۔

اور استاد رہ نے فرمایا ہے کہ فعل میں خطرات یہ ہیں کہ ان کا پیش آجانا ممکن ہو اور عارض کا ارتکاب ان افعال کے کرنے سے بہتر ہو۔ اور یہ چیز مباح سنن اور فرائض میں واقع ہو سکتی ہے۔ کیا اس شخص کے متعلق غور نہیں کرتا کہ جس کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر اتفاقی طور پر آگ لگ جاتی ہے یا غرق وغیرہ کی شکل سامنے آجاتی ہے کہ جن سے بچنا ممکن ہے۔ لہذا آگ اور غرق ہونے سے بچنا بہ نسبت نماز پڑھنے کے بہتر ہے۔ لہذا اس وقت مباحات نوافل اور بہت سے فرائض کا قطعی طور پر ارادہ کرنا درست نہیں ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ یہ چیز کیسے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر کوئی چیز فرض کرے اور اس کے ترک کرنے اور چھوڑنے پر اس کو ڈرائے اور پھر بھی ان افعال میں خیر اور بھلائی نہ ہو۔

اس کے متعلق ہمارے شیخ رہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں فرماتے جب کہ عوارضات سے علیحدگی اختیار کی جائے تو اس میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہ ہو اور کسی ایسے فرض سے اس کو تنگ بھی نہیں فرماتے کہ جس سے علیحدگی کی کوئی سبیل نہ ہو مگر یہ کہ اس میں اس کے لئے خیر اور بھلائی مقدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں عذر کی صورت مقدر فرما دیتا ہے کہ جس کی بنا پر دو مامورات

میں سے ایک سے اعراض اور دوسرے پر خوش اسلوبی کے ساتھ کاربند ہو سکے تو اس شکل میں بندہ معذور سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ثواب کا مستحق قرار دیا جائے گا کسی ایک فرض کے چھوڑنے کی بنا پر نہیں بلکہ دوسرے فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے جس پر کاربند ہونا اعلیٰ اور بہتر ہے۔

اور میں نے اس مسئلہ کے متعلق امام رح سے سنا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمام وہ امور جو اللہ تعالےٰ نے نماز روزہ، حج وغیرہ کے اپنے بندہ پر فرض کئے ہیں اس میں یقینی طور پر بندہ کے لئے خیر اور بھلائی ہے۔ اور قطعی طور پر ان کا ارادہ کرنا درست ہے۔

غرض کہ ہماری رائیں اس بات پر متفق ہوگئیں۔ اب مباحات اور نوافل اس بارے میں باقی رہ گئے سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ اس باب کے عوارضات میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسا کرنے والا ہلاکت اور فساد سے مامون ہو سکتا ہے یا نہیں کیونکہ دنیا دار الفتن ہے۔ تو اس کے متعلق یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اکثر اس قسم کے انسان سے خیر اور بھلائی کے علاوہ اور کوئی چیز صادر نہیں ہوتی۔ اور کبھی کبھی اس کے برخلاف بھی اس سے امور ظہور میں آجاتے ہیں؛ اس کی وجہ سے بسا اوقات شرمندہ ہو جاتا ہے اور تفویض کے مقام سے نیچے اتر جاتا ہے۔ لیکن بندہ کے لئے شرمندگی اور مقام تفویض سے علیحدگی میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔ یہی چیز شیخ ابو عمر رح نے فرمائی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اس شخص سے ان امور میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اس نے مفوض کر دیئے ہیں سوائے خیر کے اور کوئی چیز صادر نہیں ہوتی۔ اور تفویض کے مقام میں شرمندگی و کوتاہی یہ ان امور میں ہوتی ہے کہ جن میں حقیقی طور پر تفویض پائی ہی نہیں جاتی۔ اس لئے کہ ان کے فساد میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ اور تفویض ان امور میں واقع ہوتی ہے جن کی درستگی اور فساد میں شبہ ہو۔ یہ ہمارے شیخ کے نزدیک تمام اقوال میں سے

پسندیدہ قول ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز تفویض پر آمادہ کرنے والی نہیں۔ اب رہی یہ شے کہ کیا یہ چیز واجب ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ صرف فضیلت والا ہی معاملہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کسی چیز کا واجب کرنا محال ہے اس لئے بندوں کے لئے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہو سکتی۔ اور بندہ کے ساتھ اس کے افعال کی حکمتوں کے ماتحت افضل کے علاوہ صالح اور درست معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

کیا اس چیز پر غور نہیں کرتا کہ نبی آدمؑ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے لئے بعض سفروں میں یہ چیز مقدر کر دی گئی کہ وہ طلوع شمس تک سوتے رہیں حتیٰ کہ تہجد اور صبح کی نماز بھی فوت ہو گئی اور سونے سے حقیقۃً نماز افضل ہے۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے دنیاوی مالداری اور نعمت مقدر فرما دیتا مگر حقیقۃً فقر اس کے لئے افضل اور بہتر ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات ازواج اور اولاد میں مشغول کر دیتا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو عبادت الٰہی کے لئے تجرد اور علیحدگی اس کے لئے بہتر ثابت ہوتی ہے۔ غرض کہ اللہ العالمین بندہ کے احوال سے باخبر اور بصیر ہے۔

اس کی مثال ایسی ہو گی جیسا کہ حاذق ماہر حکیم مریض کے لئے جو کا پانی تجویز کرتا ہے مگر گنے کا پانی افضل اور عمدہ ہوتا ہے۔ یہ اس واسطے تجویز کیا جاتا ہے کہ بیماری کا علاج اسی جو کے پانی سے ہو سکتا ہے۔ تو مقصود بندہ کے لئے ہلاکت اور فساد سے نجات دلانا ہے۔ ہلاکت اور فساد کے ساتھ شرافت اور بزرگی مقصود نہیں۔

اب یہ امر کہ کیا اس شخص کو جو اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر رہا ہے، مختار کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے علمائے کرام کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس پر مختار کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور اس سے اس کی تفویض میں کسی قسم کا خدشہ واقع نہیں ہو سکتا۔

اور یہ اس وجہ سے کہ جب اس کو فضول اور افضل چیزیں درستگی نظر آتی ہو تو اس کو اس بات کے ارادہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس بات کی

درخواست پیش کرے کہ اس کے لئے افضل چیز مقدر کر دی جائے جیسا کہ مریض طبیب سے کہہ سکتا ہے کہ میری دوا جو کے پانی کے علاوہ گنے کے عرق سے دی جائے۔ جب کہ درستگی دونوں چیزوں میں ہو تاکہ درستگی اور فضیلت دونوں چیزیں حاصل ہوجائیں۔

یہی حالت بندہ کی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہے کہ اس کی درستگی ان امور میں مقرر کر دی جائے جو افضل ہیں اور اس چیز کو اس کے لئے متعین کر دے تاکہ فضیلت اور درستگی دونوں چیزیں جمع ہوجائیں۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر اللہ تعالےٰ نے غیر افضل شے میں اس کی درستگی متعین کر دی تو اس پر وہ راضی ہوجائے گا۔

اب یہ شبہ اگر پیدا ہوجائے کہ پھر بندہ کو درست چیز کو چھوڑ کر افضل کو منتخب کرنے کا کیوں اختیار حاصل ہے؟ تو اس کا دفعیہ اس طرح پر ہوجائے گا۔ وہ یہ کہ دونوں میں مابہ الفرق یہ ہے کہ بندہ افضل کو مفضول سے پہچان سکتا ہے لیکن صالح اور درست امور کو فساد اور بربادی کے مقامات سے علیٰحدہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے قطعی طور پر ان کے لئے فیصلہ بھی نہیں کر سکتا۔

اور پھر افضل چیز کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہے کہ اس کے لئے صلاح اور درستگی وہ افضل امور میں متعین کر دی جائے اور اس کے لئے یہ چیز منتخب اور مقدر کر دی جائے۔ بندہ اپنی طرف سے کسی چیز کا حکم نافذ نہیں کرتا۔

غرض کہ یہ علم کی باریکیاں اور اس کے اسرار کے کچھ چھینٹے ہیں۔ اگر ان کی اس مقام پر ضرورت نہ پیش آتی تو ان کو یہاں نہ بیان کیا جاتا۔ اس لئے کہ یہ تو علوم مکاشفہ کے سمندر ہیں جو موجیں مار رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم نے بہت مختصر نکتوں اور باریکیوں پر اس کتاب میں اکتفا کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وضاحت کا بھی خیال رکھا ہے تاکہ علمائے کرام اور طالبین اور ہر قسم کے لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ (انشاء اللہ تعالےٰ)

امر ثالث قضا اور اس کے احکام

قضا و قدر کا سدباب رضا سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر رضا واجب اور ضروری ہے اور یہ چیز دو وجہ سے ہو سکتی ہے، ایک تو عبادت الٰہی کے لئے فارغ ہو جانا۔ اس لئے کہ جب تو اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی نہ ہوگا تو غمگین رہے گا۔ اور ہمیشہ قلب مضطرب رہے گا کہ یہ چیز ایسی کیوں نہیں ہوئی اور ایسا کیوں ہو گیا۔ جب قلب ان اشیاء کے ساتھ مشغول ہوگا تو عبادت کے لئے یکسوئی کیسے حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ قلب تو ایک ہی ہے اور وہ بھی غموں سے امور دنیا سے جو کچھ ہو گئے اور جو ہونے والے ہیں ان سے بھر گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر، عبادت الٰہی اور آخرت کی فکر اور تیاری کی کونسی جگہ باقی رہ گئی۔

اور حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ گزرے ہوئے کاموں پر حسرت اور آمد کرنے کے متعلق فکر و تدبیر نے اس ساعت کی برکت کو ختم کر دیا۔

اور دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عقاب کے جو خطرات ہیں ان کا تذکرہ کرنا ہے منقول ہے کہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پریشانیاں لاحق ہوتی تھیں، اس کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا، کیا تم مجھ سے شکایت کرتے ہو۔ میں (معاذ اللہ) برائی اور شکایت سے منزہ اور بری ہوں۔ تمہارے متعلق علم غیب میں یہی چیز صادر ہو چکی ہے۔ اس لئے میری قضا سے ناراض مت ہو۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے دنیا میں تبدیلی کر دوں یا لوح محفوظ کو بدل دوں اور اپنی رائے و ارادہ کو چھوڑ کر تمہاری رائے کے مطابق اور ایسے ہی اپنی منشاء کو چھوڑ کر تمہاری منشاء کے مطابق فیصلہ کروں۔ میں عزت و کبریائی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس قسم کی تمہارے دل میں اور دوبارہ کوئی چیز پیدا ہوئی تو منصب نبوت چھین لوں گا۔ اور معاذ اللہ اس پر عذاب دوں گا اور اس چیز کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ لہٰذا عاقل اور سمجھدار انسان کو اس

عظیم الشان سیاست اور اس زبردست وعید پر غور کرنا چاہئے جو اس ذات نے اپنے انبیائے کرام اور اصفیاء کے ساتھ فرمائی ہے تو غیروں کی کیا حالت ہوگی۔ اور پھر اللہ رب العزت کے اس جملہ پر غور کرو کہ پھر اگر دوبارہ اس قسم کا خیال پیدا ہوا۔ تو یہ وساوس اور قلب کے خطرات کے متعلق فرمان ہے۔ تو اس شخص کی کیا حالت ہو سکتی ہے جو چیختا اور پکارتا اور شکایت کرتا رہے اور رب کریم رؤف رحیم کے سامنے واویلا کرتا ہے۔

اور مذکورہ بالا واقعہ میں صرف ایک مرتبہ ناگواری کا اظہار ہے اور جو شخص تمام عمر اللہ تعالیٰ سے ناراض ہی رہے۔ اور یہ ایک مرتبہ شکایت کا تذکرہ کیا گیا۔ اور جو شخص تمام عمر اللہ تعالیٰ کے دربار میں شاکی رہے تو اس کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ غرض کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اپنے نفسوں کی برائیوں اور برے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس بات کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو معاف فرمائے اور ہماری ان گستاخیوں سے درگزر فرمائے اور ہمارے اعمال کو درست فرمائے۔ بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔

رضا بالقضا کے معنی اور اس کی حقیقت اور حکم

ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ رضا سخط کے چھوڑ دینے کا نام ہے اور سخط کے معنی اللہ تعالیٰ نے جو امور مقدر فرمائے ان کے علاوہ اور امور کا تذکرہ کرنا کہ یہ زیادہ اولیٰ اور بہتر ہیں اور جن کے متعلق یقینی طور پر اُن کا صالح اور فاسد ہونا معلوم نہ ہو۔ یہ شرط لگانا ضروری ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ کیا شرور اور معاصی اللہ تعالیٰ کی قضا کے ماتحت نہیں تو پھر بندہ ان پر کیسے راضی ہو سکتا ہے اور یہ چیزیں بندہ پر کس طرح لازم ہو سکتی ہیں۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ رضا بالقضا ضروری ہے اور قضائے شر شر نہیں۔ بلکہ شر تو وہ امور ہیں جن کے متعلق شر ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا تو اس سے رضا بالشر لازم نہیں آتی

ہمارے شیوخ نے فرمایا ہے کہ مقتضیات کی چار قسمیں ہیں۔ نعمت، شدت، خیر اور شر۔ نعمت میں تو قضا کے نافذ کرنے والے اور قضا اور اس چیز پر جس کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا رضا ضروری ہے اور اس کے اوپر نعمت ہونے کی وجہ شکر واجب ہے۔ اور نعمت کا اظہار نعمت کے اثرات کے ظاہر کرنے کے بعد ظہور میں آسکتا ہے۔

اور شدت میں بھی ان تینوں چیزوں یعنی قاضی، قضا اور مقضی پر رضا ضروری ہے اور اس پر شدت ہونے کی وجہ سے صبر واجب ہے۔

اور امور خیر میں بھی قاضی، قضا اور مقضی پر رضا ضروری ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ احسان کا ذکر کرنا واجب اور لازمی ہے۔

اور امور شر میں قاضی، قضا اور مقضی پر رضا اس حیثیت سے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرما دیا ہے۔ ان کے شر ہونے کی وجہ سے ان پر قضا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ چیز حقیقۃً قضا اور قاضی کی طرف لوٹتی ہے اس کی حیثیت بالکل اس طرح ہے جیسا کہ تو مذہب مخالف پر۔ اس وجہ سے اظہار رضامندی کرے کہ وہ تیری معلومات اور علم میں داخل ہے۔ مذہب نہیں ہے۔

پھر ان کا معلومات میں داخل ہونا تو یہ چیز علم کی طرف لوٹتی ہے تو رضا اور محبت یہ دونوں حقیقی طور پر مذہب مخالف کے جاننے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس کے مذہب ہونے کی بنا پر نہیں۔ اسی طرح امور مقضیہ پر رضا کا انطباق ہو سکتا ہے۔

قضا پر رضامندی کا اظہار کرنے والے کے لئے زیادتی کی طلب جائز ہے یا نہیں۔ تو بغیر حکم کے خیر اور صلاح کی شرط کے ساتھ یہ چیز جائز ہے تو یہ چیز رضا سے باہر نہیں ہوگی بلکہ رضا پر دال ہوگی۔ اور یہ چیز بہتر ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے یقینی طور پر اس کی زیادتی طلب کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب دودھ پیش کیا جاتا تو فرمایا کرتے تھے، اے اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی اور برکت عطا فرما۔ اور اس کے علاوہ اور مقامات میں

اس سے بہتر فرمایا کرتے تھے۔ ان دونوں مقامات میں سے ایک مقام پر بھی یہ چیز ظاہر نہیں ہوتی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امور سے راضی نہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استثنا اور خیر وصلاح کی شرط کو کیوں نہیں ذکر کیا تو اس کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ ان امور کا مدار قلب پر ہے اور زبان قلب کی تعبیر ہے تو قلب میں یہ چیز موجود ہوتے ہوئے اگر الفاظ میں اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

امر رابع شدائد اور مصیبتیں

اس کا انسداد صرف صبر سے ہو سکتا ہے لہٰذا تمام مقامات میں صبر واجب ہے اور یہ دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو عبادت کے لئے تیار ہو جانا اور اپنے تمام مقاصد کو عبادت سے حاصل کرنا۔ اس لئے کہ تمام عبادتوں کا منبع صبر اور شقاوت کے تحمل اور برداشت کرنے پر ہے تو جو شخص صبر کرنے والا نہیں بن سکتا تو وہ حقیقت میں عبادت میں کسی بھی مقام پر کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔

کیونکہ جو شخص عبادت الٰہی کا قصد و ارادہ کرے اور اس کے لئے یقینی طور پر تیار ہو جائے تو اس کے سامنے شدائد، سختیں اور مصیبتیں چند طریقے سے سامنے آجاتی ہیں۔

ایک چیز تو یہ ہے کہ کوئی عبادت ایسی نہیں مگر یہ کہ ذاتی اعتبار سے اس میں مشقتیں ضروری ہیں اسی لئے اس کی پوری ترغیب اور کامل ثواب کا اس پر وعدہ کیا گیا ہے اس لئے کہ عبادت بغیر خواہشات کے ختم کئے اور نفس کے دبانے کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ چیزیں امور خیر سے روکنے والی ہیں اور خواہشات کی مخالفت اور ایسے ہی نفس کا دبانا۔ یہ انسان کے لئے بہت ہی عظیم الشان کام ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ انسان جب مشقتوں کے ساتھ کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس نیک کام کی احتیاط اور حفاظت ضروری اور لازم ہو جاتی ہے کہ کہیں یہ نیک کام فوت نہ ہو جائے۔

اور عمل اور کام کی حفاظت اور اس پر تقویٰ کا حاصل ہو جانا یہ کام اور عمل بہت دشوار ہے۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ دنیا دار الفتن ہے اس میں رہنے والے کے لئے ہر قسم کی آزمائشیں، مصیبتیں اور سختیاں لازمی اور ضروری ہیں اور ان چیزوں کی بہت سی قسمیں ہیں: مثلاً اہل وعیال رشتہ دار مرنے والے، غرق اور گم ہو جانے والے حضرات ہیں اور ان کی پریشانیاں اور اس کے ساتھ ساتھ نفس میں طرح طرح کے امراض اور عوارض اور آبرو میں خاص طور سے انسانوں کو دبانا۔ اور طمع اور لالچ اور اس کے ذریعہ فخر و ریا اور اور ایسے ہی غیبت اور جھوٹ بولنے کا مرض ہے۔ اور رفتار میں زوال اور زائل ہو جانے کا خدشہ اور ان میں سے بھی ہر مصیبت کے لئے قسم قسم اور طرح طرح کے جھٹکے اور پریشانیاں ہیں لہٰذا ان تمام مصائب پر صبر کی حاجت ہے ورنہ پھر جزع اور فزع عبادت الٰہی کے لئے فارغ اور تیار ہونے میں مانع اور حائل بنے گی۔

اور چوتھی چیز آخرت کے طلبگار کے لئے بہت آزمائشیں اور ہمیشہ کی محبت کی حاجت و ضرورت ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے زائد قرب اور نزدیکی رکھنے والا ہو دنیا میں اس کے لئے مصیبتیں بہت زائد اور آزمائشیں بہت سخت ہیں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا۔

اشد الناس بلاءً	آزمائش کے اعتبار سے انسانوں میں
الانبیاء ثم العلماء ثم	سب سے سخت انبیائے کرام اور پھر علماء
الامثل فالامثل۔	پھر درجہ بدرجہ صاحب فضیلت۔

لہٰذا اس وقت جو خیر و بھلائی کا ارادہ کرے اور آخرت کے راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہو تو یہ تمام دشواریاں اور مشقتیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ اب اگر ان پر صبر نہ کرے اور ان سے علیحدگی نہ حاصل کرے تو راستہ سے بے راہ اور عبادت سے علیحدہ ہو جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ مقصود میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں مصیبتوں اور مشقتوں سے باخبر رہنے کے متعلق بتلا دیا اور ان کے ساتھ ہماری آزمائشوں کو پختہ طور پر بتلا دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

لَنُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا۔

البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے، اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی۔ ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں ایذا بہت۔

پھر اس کے بعد فرمایا:۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

اور اگر تم صبر کرو اور ڈرو تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

گویا کہ اللہ رب العزت یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اپنے متعلق یہ گمان کر لو کہ یقینی طور پر تمھیں آزمائشوں سے دوچار ہونا ہے۔ لہٰذا جو ان پہ صبر کرے تو وہ حقیقی طور پر انسان۔ اور انسانی عزم وارادہ اس میں موجود ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد وارادہ کرے۔ اس پر اولاً یہ چیز ضروری ہے کہ بہت عظیم الشان صبر کے لئے تیار ہو جائے۔ اور موت تک پے درپے آنے والی مصیبتوں اور مشقتوں کے لئے تیار ہو جائے ورنہ تو پھر بغیر عمل کے اور تدبیر کے محض ارادہ ہی ارادہ ہے۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ جو آخرت کا راستہ اختیار کرنا چاہے وہ اپنے اندر موت کی چار قسمیں ضروری طور پر محسوس کرے۔ موت ابیض (سفید)، احمر (سرخ)، اسود (سیاہ) اور اخضر (سبز) تو موت ابیض تو بھوک اور اسود انسانوں کی برائی اور احمر شیطان کی مخالفت اور اخضر یکے بعد دیگرے مصائب اور واقعات کا ہجوم کرنا ہے۔

صبر کے فوائد اور اس کی تعریف اور حکم

صبر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ صبر میں دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی ہے اور ہمہ اقسام کی فلاح اور نجات ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے صبر کی وجہ سے ڈرے اور خوف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے شدائد اور مصیبتوں سے نجات کے سامان مہیا فرما دیتا ہے اور صبر کی وجہ سے دشمنوں پر بھی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ — پس صبر کر اس لئے کہ بہترین انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اور صبر کی بنا پر مقصود میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا۔ — اور تیرے پروردگار کا نیکی کا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا۔

اور نقل کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جواب میں یہ لکھا کہ آپ کے آباؤ اجداد نے صبر کیا اس لئے وہ کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا تم بھی جیسا انہوں نے صبر کیا ہے صبر کرو اور ان ہی کے طریقہ پر کامیابی حاصل کرو۔ اور اسی کے متعلق کچھ اشعار کہے گئے ہیں:۔

مطالبہ اور سوال کتنا ہی دراز ہو جائے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ جب بھی تو صبر سے کام لے گا یقینی طور پر کشادگی حاصل ہو گی۔ صبر کرنے والے کو اپنی یہ عادت بنا لینی چاہئے کہ اس کو حاجت سے زائد ملے گا اور اور دروازوں کے کھٹکھٹانے والے کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی حفاظت کی جائے گی۔

اور صبر ہی کی بنا پر انسان پر سبقت اور حکمرانی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۔

اور ہم نے ان کے صبر کے بدلے انھیں امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں

اور صبر کی بنا پر بندہ ثنا اور تعریف کا مستحق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔

ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا، کیا اچھا بندہ ہے اور ہماری طرف رجوع کرنے والا

اور اسی صبر کی بنا پر بشارت اور خوشخبری اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔

اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے یعنی ان کو کہ جب انھیں مصیبت لاحق ہوتی ہے تو کہتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی حضرات ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہیں۔

اور صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے:۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ

اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور جنت میں صابرین کو بڑے بڑے مقامات حاصل ہوں گے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا۔

یہی ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے بالا خانے دیئے جائیں گے۔

اور شرافت عظمیٰ بھی صبر کے بعد حاصل ہوگی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(اور فرشتے کہیں گے) تم پر سلامتی ہو اس لئے کہ تم نے صبر کیا۔

غرض کہ صبر پر ایسا ثواب عطا ہوا کہ جس کی کوئی ابتدا انتہا نہیں اور مخلوق کی عقلوں اور اس کے شمار اور حاصل کرنے سے بالا ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ — صابرین کو بے حساب ثواب دیا جائے گا

سبحان اللہ۔ وہ ذات الٰہی کس قدر عظمت اور بزرگی کے قابل ہے جس نے تمام دنیا و آخرت کی بزرگی اور شرافتیں اپنے بندہ کو ایک ساعت صبر کرنے پر عطا فرمائی ہیں۔ اب تیرے لئے یہ بات بالکل آشکارا ہو گئی کہ دنیا و آخرت کی خوبی اور بھلائی صرف صبر ہی میں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

مَا اُعْطِیَ احد من عطاء اوسع من الصبر — صبر سے بڑھ کر کسی کو کوئی بہترین دولت نہیں دی گئی۔

اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی خیر او بھلائی ایک ساعت صبر کرنے میں ہے۔ اور کسی نے بہت ہی خوب کہا ہے:۔

صبر امیدوں کی کنجی ہے اور ہر ایک خیر اور بھلائی اس کے ذریعہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ صبر کرنا چاہیے اگرچہ راتیں دراز ہو جائیں۔ اس لئے کہ ایسا اوقات اڑنے کا امکان ہو جاتا ہے اور اکثر صبر کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے افسوس ہے ایسا نہیں۔

اور کسی نے کہا ہے:۔

میں صبر کرتا ہوں یہ میری بہت اچھی عادت ہے اور تیرے لئے صرف اتنی ہی چیز کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر پر تعریف فرمائی ہے میں برابر صبر کرتا رہوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے اس کے بعد آسانی اور سہولت ہو جائے گی۔

لہٰذا اس بہترین اور عمدہ خصلت و عادت کو مغتنم سمجھنا چاہئے اور اپنی تمام کوششوں کو اس کے حصول پر صرف کرنا چاہئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ شاکرین میں تیرا شمار ہو جائے گا۔

اب رہی یہ چیز کہ صبر کی حقیقت اور اس کا حکم کیا ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ صبر کے لغوی معنی حبس اور روکنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یعنی اپنے کو ان حضرات کے ساتھ مقید رکھئے جو اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ صبر کا صاف اطلاق مجرمین سے اس عذاب کے روکنے پر کرتا ہے کہ جس میں ان پر جلدی نہ کی گئی ہو۔ مگر مقصود چیز، وہ قلبی کوششوں کا نام صبر ہے۔ اس لئے علمائے کرام کے قول کے مطابق یہ جزع اور فزع اور شدت کے وقت نفس کے اضطراب کو روکنے کا نام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ شدت اور سختی سے یقینی طور پر نکلنے کا ارادہ کرنا اور صبر اس کے چھوڑنے کا نام ہے۔ اور صبر کی پونجی وہ شدت اور سختی کی تعداد اور ان کے اوقات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور یہ چیز نہ زائد ہوتی ہے نہ کم اور نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے ہٹتی ہے۔ اور جزع و فزع میں کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ اس میں تو سراسر نقصان ہے اور اس سے بڑھ کر یہ چیز کہ اللہ تعالےٰ کے صبر پر احسانات کا تذکرہ اور اس کے انعام واکرام کو بیان کرتا ہے۔

فصل

اس عظیم الشان گھاٹی کو بھی عبور کرنے کی حاجت ہے،

اس عظیم الشان اور مشکل گھاٹی کو بھی ان عوارضات کے دفع کرنے کے ساتھ عبور کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے اور اس کی علتوں کو دور کرنا ضروری ہے در نہ پھر برابر تو اپنے مقصود اور عبادت کا تذکرہ کرتا رہے گا اور اس کے متعلق غور و فکر کرتا رہے گا علاوہ ازیں کہ تو اس کو حاصل کرے اور اپنے مقصود میں کامیاب ہو جائے اگر ان میں سے ایک کا انکار کرے گا تو دوسرا مشغول کرنے والا مشغول کر دے گا خواہ جلدی ہو یا بدیر اس کے بعد سب سے بڑی شے اور مشکل مرحلہ وہ ملق اور روزی کا مرحلہ۔

اور اس کے متعلق غور وخوض کرنا ہے اس لئے کہ یہ تمام انسانوں کے لئے ایسی عظیم الشان مصیبت ہے کہ جس نے ان کی جانوں کو تھکا دیا اور ان کے دلوں کو مشغول کر دیا اور ان کے غموں میں اضافہ اور ان کی صحتوں کو تباہ و برباد اور ان کے گناہ اور برائیوں کو زائد کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دروازے اور اس کی خدمت سے ہٹا کر دنیا اور مخلوق کی خدمت میں مصروف کر دیا ہے چنانچہ وہ دنیا میں غفلت اور ظلمت اور تعب و تکان اور رسوائی و ذلت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور آخرت میں مفلس اور فقیر ہو جائیں گے۔ اور ان کے سامنے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رحم نہ فرمائے تو حساب کتاب اور بڑا سخت عذاب ہوگا۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس رزق کے متعلق کتنی آیتیں نازل فرمائیں اور کس قدر اپنے وعدے اور ذمہ داری اور قسموں کو بیان فرمایا۔ اور برابر انبیائے کرام اور علماء لوگوں کو اس کے متعلق وعظ و نصیحت کرتے رہے اور راہ مستقیم دکھلاتے اور اس کے متعلق کتابیں تصنیف فرماتے رہے اور عبرت کے قصص و امثال ان کے سامنے پیش کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے مگر اس کے باوجود وہ راہ راست پر نہ آسکے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اس پر اطمینان حاصل نہ ہوا بلکہ وہ اسی شدت اور سختی میں خوف زدہ رہے کہ کہیں صبح کا کھانا نہ ملے یا شام کا کھانا کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے۔

اور ان تمام بیماریوں کی جڑ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور وخوض نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں غور وخوض نہ کرنا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو چھوڑ دینا اور سلف صالحین کے نصیحت آموز کلمات کو شیطان کے وساوس اور جاہلوں کی باتوں میں الجھ کر پس پشت ڈال دینا ہے۔ اور غافلوں کی عادتوں اور خصلتوں کے ساتھ اس قدر دھوکے میں مبتلا ہو گئے کہ شیطان نے پوری طرح اپنا اور تسلط کر لیا اور یہ عادتیں ان کے قلوب میں راسخ ہو گئیں۔ اسی کی بنا پر ضعف قلب اور یقین کے کمزور ہونے کی بیماری ان میں پیدا ہو گئی۔

اور وہ برگزیدہ حضرات جو صاحب بصیرت اور کوشش و اجتہاد والے ہیں انہوں نے

آخرت کے راستہ سے بخوبی بصیرت حاصل کر لی ہے اس لئے وہ دنیاوی ساز و سامان کے ساتھ بھٹکتے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین پر مضبوطی کے ساتھ کاربند ہو گئے۔ لہٰذا مخلوق سے علائق کی زیادتی ان کو مطلوب نہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ان کو کامل یقین ہو گیا ہے اور اس کے راستہ کو بخوبی سمجھ لیا ہے اس لئے وہ شیطان و مخلوق اور نفس کے وساوس اور خطرات سے متاثر نہیں ہوتے۔

غرض کہ جب بھی شیطان، انسان اور نفس کی طرف سے ان پر کوئی اپنا اثر کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کی مدافعت اور لڑائی اور جھگڑا کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخلوق ان سے دور اور شیطان جدا اور نفس ان کا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے اور ان کے لئے صراط مستقیم آراستہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم ادہم رح سے منقول ہے کہ جب انہوں نے جنگل کے عبور کرنے کا قصد و ارادہ کیا تو شیطان نے آکر ان کو ڈرایا اور کہا یہ بہت خطرناک وادی ہے اور آپ کے پاس کوئی توشہ اور دنیاوی ساز و سامان نہیں لیکن ابراہیم ادہم رح نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ اس جنگل کو شیطان سے علیٰحدگی حاصل کرنے کے ساتھ طے کرنا ہے اور اس کا عبور اس طرح پر کروں گا کہ ہر میل پر ایک ہزار رکعتیں پڑھوں گا۔ چنانچہ اپنے ارادہ پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے اور بارہ سال تک اسی جنگل میں قیام کیا۔ حتیٰ کہ ان ہی سالوں کے درمیان ہارون رشید نے حج کیا تو ایک راستہ کے نشان پر ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ رشید کو بتلایا گیا کہ یہ ابراہیم ادہم رح ہیں۔ رشید نے دریافت کیا۔ ابو اسحٰق کیسے مزاج ہیں۔ اس پر ابراہیم ادہم رح نے یہ اشعار پڑھے۔

ہم اپنے دین کی طاوٹ کے ساتھ دنیا میں بلندی حاصل کرتے ہیں۔ سو نہ دین ہی باقی رہتا ہے اور نہ یہ بلندی۔ اس بندہ کے لئے بشارت اور خوشی کا مقام ہے کہ جس نے اپنے رب اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی اور اپنی دنیا کے ذریعہ اپنی امیدوں پر بلندی حاصل کی۔

اور بعض صالحین سے منقول ہے کہ وہ یہ بات بیان کرتے تھے کہ شیطان نے آکر

ان کو بہلایا اور کہا کہ آپ تنہا ہیں یہ خطرناک قسم کا جنگل ہے اس میں کوئی آبادی وغیرہ بھی نہیں اور نہ اس مقام پر کوئی انسان نظر آتا ہے ان بزرگ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ بس اب علیحدہ ہی رہوں گا اور تمام راستہ اس طرح طے کروں گا کہ کسی انسان سے کوئی مدد نہ حاصل کروں گا اور نہ کوئی کھانے کی چیز مانگوں گا اور اپنے منہ میں شہد اور گھی لگالیا اور شارع عام سے علیحدہ ہو کر ایک طرف چلنا شروع کر دیا بیان کرتے ہیں کہ میں برابر چلتا رہا کہ اچانک ایک قافلہ نظر آیا جو راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور راستہ کی تلاش میں مصروف ہے۔ میں نے جو قافلہ کو دیکھا تو میں زمین میں لیٹ گیا تاکہ وہ مجھ کو نہ دیکھ سکیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان قافلہ والوں کو میرے پاس لے آیا میں نے ان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب وہ مجھ سے بالکل قریب آ گئے تو کہنے لگے یہ بھی راستہ بھول گیا ہے بھوک اور پیاس کی بنا پر اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی گھی اور شہد لاؤ اس کو کھلائیں ممکن ہے افاقہ حاصل ہو جائے چنانچہ وہ گھی اور شہد لے کر آئے۔ میں نے اپنے منہ اور دانتوں کو مضبوطی کے ساتھ بند کر لیا یہ دیکھ کر وہ چھری لے کر آئے تاکہ منہ کو کھولنے کی کوئی تدبیر کریں۔ یہ منظر دیکھ کر مجھ کو ہنسی آ گئی اور میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ قافلہ والوں نے جب یہ حالت دیکھی تو کہنے لگے آپ مجنوں ہیں۔ میں نے کہا نہیں الحمد للہ۔ اور اپنا تمام واقعہ جو شیطان کے ساتھ پیش آیا تھا ان کے سامنے بیان کیا یہ سن کر وہ خوب متعجب ہوئے۔

ہمارے بعض مشائخ سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ کسی سفر میں اقلیم کے زمانہ میں شہر سے دور ایک مسجد میں اترا اور اپنے بزرگوں کی عادت کے مطابق تنہا تھا۔ چنانچہ شیطان نے میرے ساتھ وساوس کا سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ یہ مسجد انسانوں سے بہت دور ہے اگر اس مسجد میں چلیں جو انسانوں کے درمیان ہے تو اپنے گھر والوں کو بھی دیکھ سکیں اور ان کی کفالت اور روزی کا سامان مہیا کر سکیں۔ میں نے اس مسجد میں اور تمام مسجدوں میں قیام کرنے سے انکار کیا اور میں نے کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد و پیمان ہے کہ میں حلوہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہ کھاؤں گا اور اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میرے منہ میں ایک ایک لقمہ نہ رکھا جائے۔

چنانچہ اس کے بعد میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور مسجد کا دروازہ بند کر دیا جب رات کا

کچھ حصہ گزر گیا تو اچانک ایک انسان نے آکر دروازہ کھٹکھٹانا شروع کردیا اور اس کے ساتھ ایک چراغ بھی ہے جب دروازہ بہت ہی کھٹکھٹایا تو میں نے دروازہ کھول دیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ بڑھیا ہے اور اس کے ساتھ ایک نوجوان ہے۔ یہ دونوں اندر گئے اور میرے سامنے ایک حلوے کا طباق رکھ دیا اور وہ بڑھیا بولی۔ یہ نوجوان میرا لڑکا ہے۔ میں نے اس کے لئے یہ حلوہ تیار کیا تھا مگر ہمارے درمیان کچھ تیز کلامی ہوگئی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک میرے ساتھ کوئی مسافر یا وہ مسافر جو مسجد میں ٹھیرا ہوا ہے نہیں کھائے گا اس وقت تک میں نہیں کھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کھاؤ۔ چنانچہ اس بڑھیا نے ایک لقمہ میرے منہ میں اور ایک اپنے بچہ کے منہ میں رکھنا شروع کردیا حتیٰ کہ ہم سیر ہو گئے اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔

اور میں نے بہت ہی تعجب کی حالت میں دروازہ بند کرلیا۔

غرض کہ یہ واقعہ اور اس کے ہم معنی صالحین کے اور واقعات جن میں ان کے مجاہدہ اور شیطان کے ساتھ مخالفت کا تذکرہ ہے۔ تین قسم کے فوائد ہیں۔

اولاً تو یہ ہے کہ رزق اور روزی جتنی مقدر ہوتی ہے وہ کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی اور دوسری چیز یہ ہے کہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رزق اور توکل کا معاملہ بہت دشوار ہے۔ اور شیطان کے اندر بہت وساوس اور غفلت میں مبتلا کردینے والے امور ہیں۔ حتیٰ کہ اتنے بڑے بڑے زاہدین بھی شیطان کے وساوس سے چھٹکارا نہیں حاصل کرسکتے اور اتنے مجاہدہ اور ریاضت اور کوشش کے باوجود بھی شیطان ان سے مایوس نہیں۔ پھر ان مناقضات اور مناقشات کے طور پر اس کے دفع کرنے کی حاجت اور ضرورت باقی ہے اور میری زندگی کی قسم جو شخص ستر سال تک شیطان اور نفس سے مقابلہ اور مجاہدہ کرتا رہے تو پھر بھی اس بات سے مامون نہ ہونا چاہئے کہ شیطان ایسے وساوس میں مبتلا کرے گا جن میں عبادت کی ابتدا کرنے والے کو بلکہ اس غافل کو جس کو اس قسم کی محنت اور ریاضت کا کبھی تصور بھی نہیں آیا۔ اور اگر اس پر کامیابی حاصل کرلے تو برسوا اللہ غافل دھوکا کھانے والوں کے طریقہ پر ہلاک برباد کردے۔ وفی ذلک عبرۃ لاولی الابصار

اور تیسری شے یہ ہے کہ یہ کام محض کوشش اور پورے مجاہدہ کے ساتھ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ یہ حضرات گوشت خون بدن اور روح کے اعتبار سے تیری طرح ہیں۔ بلکہ تجھ سے زائد نحیف، وکمزور بدن والے اور باریک ہڈیوں والے ہیں لیکن اُن میں علم کی قوت یقین کا نور اور امور دین کا اہتمام ہے حتیٰ کہ وہ ان مجاہدات کرنے اور ان مقامات کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور تجھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اپنے نفس میں غور وفکر کر کے اس مشکل دعا کے ساتھ نفس کا علاج کر تا کہ فلاح اور بہبودی حاصل ہو۔

فصل، اُمورِ بالا پر عجیب انداز میں تبصرہ

اس کے بعد یکجا کر کے جو نکات مجھے حاصل ہوئے ہیں وہ تیرے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ان کے تذکرہ کے وقت وہ قلب میں راسخ ہو جائیں۔ اور اس باب کی مشقوں پر تیرے لئے کافی ہو جائیں اور اگر تو خود فکر کرے اور ان پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو تو مجھ کو مخلوق کے درمیان ایک روشن اور واضح راستہ پر لاکر چھوڑ دیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہیئے کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں بندوں کے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ لہٰذا تیرے رزق کی بھی ذمہ داری اور کفالت کی ہے۔ اب تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اس بات کا وعدہ کرے کہ تیری اس رات مہمان نوازی کرے گا یا شام کو کھانا کھلائے گا اور تیرا اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ یہ اپنے وعدہ میں سچا ہے جھوٹ نہیں بولے گا اور نہ وعدہ خلافی کرے گا، بلکہ اگر تجھ سے کوئی بازاری یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی وعدہ کرے کہ جس کا ظاہری حال تیرے سامنے آشکارا نہ ہو اور وہ اپنی بات میں سچا ہو تو کیا تو اس پر اعتماد نہیں کرے گا اور اس کے وعدہ اور قول پر مطمئن نہیں ہوگا۔ اور اس رات کے کھانے کے لئے اس پر اعتماد کرتے ہوئے کسی قسم کا انتظام نہیں کرے گا۔

تو پھر کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ فرمایا اور تیرے رزق کی کفالت اور ذمہ داری لی بلکہ اس کے متعلق بار بار قسم بھی کھائی ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن نہیں ہوتا اور اس کے فرمان و ذمہ داری پر بے فکر نہیں ہوتا اور اس کی قسموں پر غور نہیں کرتا بلکہ تیرا قلب پریشان رہتا ہے اور تو رزق و روزی کے اہتمام اور تدبیر میں لگا رہتا ہے اگر غور کیا جائے تو کس قدر رسوائی کا مقام ہے اور اگر اس کی حالت دیکھی جائے تو کتنی عظیم الشان مصیبت ہے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے رزق اور روزی کو غیر کے پاس تلاش کرتا ہے اور خطرات سے بے فکر ہو کر صبح کرتا ہے اور ایک صراف کے ذمہ دار بن جانے پر راضی اور خوش ہو جاتا ہے گو وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ رب العزت کے ضامن ہونے پر اظہار رضا مندی

نہیں کرتا۔ گویا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کو پڑھا ہی نہیں اور یقین سے پھرے ہوئے ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہے۔

اسی وجہ سے یہ چیز شک اور شبہ کا باعث ہوتی ہے اور ایسے شخص کے لئے معرفت اور دین کے سلب ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ — اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اور وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ — اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو، اگر تم مومن ہو

لہٰذا اس مومن کے لئے جو اپنے دینی امور میں سعی و کوشش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یہی ایک نکتہ کافی ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ رزق تقسیم شدہ ہے اور اس کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے اور اس تقسیم میں کسی قسم کا تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر اس میں تبدیلی اور اس تقسیم کے خلاف ہونے کو تو جائز سمجھتا ہے تو عیاذاً باللہ کفر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور اگر یہ جانتا ہے کہ یہ بات حق ہے تو پھر اس اہتمام اور تلاش میں سوائے ذلت اور دنیاوی رسوائی اور سختی اور آخرت کی ذلت کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیل اور مچھلی کی پشت پر فلاں بن فلاں کا رزق لکھا ہوا ہے۔ حریص اور لالچی انسان کے لئے سوائے سختی اور مشقت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور اسی کے متعلق ہمارے شیخ'' فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز کے متعلق یہ لکھ دیا گیا ہے کہ تو ہی اس کو کھائے گا۔ تو تیرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو نہیں کھا سکتا۔ لہٰذا اپنی روزی پر اعتماد کر اور اس کو عزت کے ساتھ حاصل کر اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس کو نہ کھا۔ یہ ایسا عجیب نکتہ ہے کہ جس سے انسانوں کو فی الجملہ قناعت ہو سکتی ہے۔

اور تیسرا نکتہ، سو اس کے متعلق میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے وہ اپنے استاد رح سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رزق کے معاملہ میں جس سے مجھ کو اعتماد ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے سوچا اور اپنے دل میں کہا کہ رزق زندگی کے لئے نہیں ہے اور زندگی اور موت رزق کے ساتھ جو کچھ چاہتی ہے سو کرتی ہے تو جب بندہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور قدرت میں ہے تو اسی طرح رزق بھی اسی کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو مجھ کو دے اور چاہے تو روک لے۔ یہ چیز میرے قبضہ سے باہر اور اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے۔ اسباب پیدا فرماتا رہتا ہے۔ میں اسی وجہ سے سکون پذیر ہو گیا اور یہ نکتہ اہل تحقیق کے لئے بہت کافی ہے

اور چوتھا نکتہ یہ ہے جو ہم نے اوپر فصل میں بیان کیا ہے کہ جس رزق کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے وہ صرف تربیت ہے اور اسی سے انسان کی قوت اور طاقت کا تعلق ہے

اسباب اور ذرائع

اور رہے کھانے پینے کے اسباب تو بندہ جس وقت عبادت الٰہی کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو بسا اوقات اس سے اسباب روک دیئے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے وہ اکتاتا اور حقیقت جاننے کی بنا پر پریشان نہیں ہوتا ہے اس لئے رزق کی ذمہ داری وہ انسان کی صحت باقی رکھتی ہے اور توکل بھی اسی پر ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی شے نہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی اسی چیز کا انتظار کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یقینی طور پر قوت عطا فرمائیں گے تاکہ عبادت کے حقوق اور اس کی ادائیگی موت کے آنے تک اور جب تک انسان مکلف رہے ہو سکے۔ یہی چیز مقصود ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ قادر ہے کہ اگر چاہے انسان کو کھانے پینے اور مٹی اور ریت پر باقی رکھے اور اگر چاہے تو اس کی زندگی تسبیح و تہلیل کے ساتھ گزار دے جیسا کہ فرشتے اور اگر اس کی مرضی ہو تو بغیر ان تمام اشیاء کے انسان کو باقی رکھے۔

تو مقصود بندہ کا عبادت پر قوت اور تقویت حاصل ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ہے۔ کھانا اور شہوت ولذات کا پیدا کرنا مقصود نہیں ہے تو اس وقت اسباب کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی وجہ کر عابدین اور زاہدین کو سفر اور راتوں اور دنوں کو عبور کرنے پر قوت حاصل ہے۔ بعضے دس دس دن تک نہیں کھاتے اور بعضے ایک ماہ اور دو ماہ تک نہیں کھاتے۔ مگر اپنی طاقت اور قوت پر باقی رہتے ہیں اور ان میں سے بعض ریت ہی پھانک لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اسی میں ان کی روزی مقدر فرمادیتا ہے جیسا کہ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کے پاس نفقہ اور خرچ ختم ہوگیا۔ سو وہ پندرہ دن تک ریت پھانکتے رہے اور ابو معاویہ اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم ادہمؒ کو دیکھا کہ وہ بیس دن تک صرف مٹی ہی پر اکتفا کرتے تھے۔

اعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم تیمیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک ماہ سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ میں نے عرض کیا ایک ماہ سے؟ فرمایا۔ ہاں دو مہینے سے۔ مگر یہ کہ ایک انسان نے مجھے ایک انگور کا خوشہ کھانے کے متعلق قسم دی اس لئے میں نے اس کو کھالیا۔ اسی کی بنا پر میرے معدہ میں شکایت پیدا ہوگئی۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے تعجب نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو جو وہ چاہتا ہے اس پر قدرت حاصل ہے۔ مثلاً اس مریض کے جس کو دیکھتا ہے۔ ایک مہینہ تک بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ تب بھی زندہ رہتا ہے اور مریض ہر حالت میں ضعیف اور طبیعت کے اعتبار سے طاقتور انسانوں سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔

جو شخص کہ بھوک ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوجاتا ہے تو وہ موت کے آنے کی وجہ سے مرتا ہے جیسا کہ وہ شخص جو کہ سیر ہونے کی حالت میں مرتا ہے

اور ابی سعید خرازؒ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میری حالت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ یہی کہ وہ ہر تیسرے روز مجھ کو کھانا کھلاتا تھا۔ میں جنگل چلا گیا اور تین دن پھر گذر گئے میں نے کوئی چیز نہیں چکھی۔ جب چوتھا دن ہوا تو مجھے کمزوری محسوس ہوئی میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو اچانک ہاتف غیبی نے۔

اے ابو سعید اسباب اور قوت میں سے کونسی چیز تجھ کو پسند ہے۔
میں نے عرض کیا کہ قوت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں چاہیئے چنانچہ میں اسی وقت کھڑا ہوگیا۔ اور میں نے شمار کیا تو بارہ دن تک بغیر کھائے رہا اور اس کی وجہ سے کسی قسم کی تکلیف بھی محسوس نہیں ہوئی۔

لہذا جب بندہ دیکھے کہ اسباب اس سے روک دیئے گئے اور اپنے امور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا محسوس کرے تو کامل یقین ہو جانا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اس کو تقویت عطا فرمائیں گے اور اس کی بنا پر گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ واجب اور ضروری ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس لئے کہ یہ اس کی جانب سے احسان اور بہت ہی عمدہ چیز ہے کہ اس نے مشقت اور پریشانیوں میں گرفتار ہونے سے بچالیا۔ اور مقصود و مطلوب حاصل ہوگیا اور نقل اور واسطے سب ختم ہوگئے۔ اور عادت کے برخلاف ایک چیز صادر ہوگئی۔ اور قدرت کا مظاہرہ ہوگیا اور اس کی حالت فرشتوں کی حالت کے ساتھ مشابہ ہوگئی اور بہائم اور حیوانات کی صفات سے بلندی حاصل ہوگئی۔ اس بہترین اصلیت بلکہ اس عظیم الشان نفع کو سمجھ لینا چاہیئے۔

ممکن ہے کہ آپ کو شبہ ہونے لگے کہ کتاب کی شرط کے خلاف اس مضمون میں قدرے تفصیل ہوگئی خدا کی قسم یہ اس کے لئے جس کو ان اشیاء کی حاجت ہے بہت کم ہے اس لئے کہ یہ عبادات میں بہت عظیم الشان شئے ہے۔ بلکہ اسی پر دنیا اور عبودیت کا مدار ہے۔ لہذا جس کو ان امور کی ادائیگی کی ہمت ہو تو وہ ان امور کو مضبوط پکڑے اور ان کے حقوق کی پوری پوری رعایت کرے ورنہ مقصود سے علیٰحدہ اور دور ہو جائے گا۔

اور تجھ کو جو چیز راہ بتلانے والی ہے وہ علماء آخرت عارفین باللہ کی بصیرت ہے کہ انھوں نے اپنا تمام تر معاملہ اللہ تعالےٰ کے توکل ہی پر چھوڑ دیا اور عبادت الٰہی کے لئے علیٰحدگی اختیار کی اور تمام علائق سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔ چنانچہ اس کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور بہت سی وصیتیں فرمائیں اور رؤساء میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاون اور مددگار اور اصحاب بنادیئے۔ جنھوں نے خیر اور بھلائی کا وہ مقام حاصل کیا جو کہ ائمہ کرام

کی کسی جماعت نے بھی حاصل نہیں کیا مگر زاہد اور بزرگ حضرات ۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے مذہب کا یہی اصول غیر مستقیم قرار دے دیا۔ اور یہ حضرات جب تک مدارس ۔ در عبادت گاہوں میں سے ہمارے آئمہ کرام کے اصول کے مطابق رہے تو برابر عزیز اور محترم رہے۔ یا تو علم میں امام ہونے کا مقام حاصل کیا جیسا کہ استاذ ابی۔ ابی حامد، ابی الطیب ابن صعوک اور ہمارے شیخ اور ان کے ہم پلہ اور بزرگ حضرات۔

یا عبادت میں سچائی کا مقام حاصل کیا۔ جیسا کہ ابی اسحٰق شیرازی، ابی سعیدؒ صوفی اور نصر المقدسی، یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے زہد اور علم میں امت پر فوقیت حاصل کی۔

آخر میں اگر ہم میں سے بعض حضرات کے قلوب کمزور ہو گئے اور ایسی اشیا میں مبتلا ہو گئے کہ جن کے نقصانات ان کے منافع سے زیادہ ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ تمام معاملہ برعکس ہو گیا اور برکات ختم ہو گئیں، اور لذات و حلاوتیں ختم ہو گئیں۔ اب کسی کی عبادت توصیف بیان کرنے کے قابل نہیں رہی۔ یا کسی کے پاس کوئی علم اور حقیقت ہو کہ جس کو بیان کیا جائے نہ رہا۔

اور آج کل ہمارے درمیان جو نور اور روشنی نظر آ رہی ہے۔ یہی ان حضرات کی برکت ہے جو کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کے نقش قدم پر عمل پیرا رہے جیسا کہ حارث المحاسبی اور محمد بن ادریس الشافعیؒ اور مزنیؒ و حرملہؒ وغیرہ۔ ائمہ کرام میں سے ان حضرات کی صفات قائل کے قول کے مطابق ہیں۔

ان حضرات نے اپنے ایام زندگی عفت اور پاکدامنی کے ساتھ گزارے اور اپنے آقا و سردار کی محبت کے علاوہ ان کو اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

فضیلت والے سچے اور اہل ولایت ہیں۔ سرداروں کے سردار کا انہوں نے قصد و ارادہ کیا ہے ہر ایک صاحب صبر کی گرہ کھل گئی۔ مگر ان لوگوں نے ان کی گرہوں میں سے کسی بھی گرہ کو نہیں کھولا۔ غرض کہ ہم قرن اول میں بادشاہ تھے۔ اپنے اعمال کی بنا پر پیچھے ہٹ گئے۔ شہسوار تھے پیادہ ہو گئے۔ کاش کہ ہم ایک مرتبہ بھی راستہ سے نہ ہٹتے۔ باقی اللہ تعالیٰ مصائب پر صبر کرنے والا ہے اور اسی سے اس بات کا سوال ہے کہ نہ ہم سے اس

خوشبو کو نہ چھینے۔ اس لئے کہ وہ جواد کریم اور منان رحیم ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

تفویض کی وجوہات

اس کے متعلق بھی دو طرح غور کرنا چاہیئے۔ ایک تو یہ ہے کہ اختیار اس ذات کے لئے جو تمام کاموں کو ہر ایک حیثیت سے اس کے ظاہر و باطن اور حالت و انجام کے اعتبار سے جاننے والا ہو۔ اس کے علاوہ کسی کے لئے ثابت نہ ہونا چاہیئے۔ وہ جن امور میں خیر اور صلاح ہے ان میں فساد اور ہلاک سے کسی بھی شکل میں امن نہیں حاصل ہو سکتی۔ اگر تم کسی بدوی دیہاتی یا بکریوں کے چرانے والے سے کہو کر ان درہموں کو دیکھ لو۔ اور اچھے برے علیحدہ کردو۔ تو وہ اس پر کسی طرح بھی قدرت نہیں رکھتا۔ اور اگر سنار کے علاوہ کسی اور دوکاندار کو کہو تو اس میں فی الجملہ دشواری ہوگی اور اس پر اطمینان نہیں ہو سکتا۔ جب تک سنار کو نہ دیئے جائیں جس کو سونے اور چاندی کے متعلق علم اور اس کے کھرے اور کھوٹے کی خبر ہے۔ اور یہ علم جو تمام کاموں کا ہر ایک طریقہ سے احاطہ کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا۔ تو اس وقت اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی اور کے لئے اختیار اور تدبیر کی جرات اور مجال نہیں۔

اسی بنا پر ارشاد ہے

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے اور جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز احکام کا کوئی حق حاصل نہیں

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ

اور آپ کا رب ان چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔

بعض صالحین کے متعلق منقول ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ فرمایا

گیا جو کچھ مانگے گا دیا جائے گا اور ان کو توفیق الٰہی حاصل تھی۔ انھوں نے کہا کہ تمام امور کو جاننے والا ایسے جاہل سے کہتا ہے کہ جس کو کسی بھی چیز کا علم نہیں ہے۔ عرض کیا۔ مجھ کو کیا معلوم ہے کہ میرے لئے کیا چیز بہتر ہے کہ اس کے متعلق میں سوال کروں۔ لہذا میرے لئے جو چیز بہتر ہو وہ مقدر فرمائے۔

اور تفویض کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جو تجھ سے کہے۔ کہ میں تیرے تمام کاموں کو کروں گا اور تیری مصلحتوں میں جن چیزوں کی حاجت ہے۔ سب کی دیکھ بھال کروں گا۔ اس لئے اپنے امور میرے سپرد کر دے۔ اور تو اپنے کاموں میں جو تیرے مناسب ہیں مشغول ہو جا۔ اور یہ انسان اور شخص تیرے نزدیک اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عالم۔ اور سب سے مضبوط اور طاقتور اور ایسے ہی زیادہ رحم کرنے والا اور بہت متقی اور سچا اور وعدوں کا پورا کرنے والا ہے۔ تو کیا تو اس شخص کو مغتنم نہیں سمجھے گا اور اس کو بہترین نعمت اور اس کے ساتھ بہت احسان اور بے انتہا شکر اور اس شخص کی بہت تعریف نہیں کرے گا۔ اس کے بعد جب وہ تیرے لئے کسی چیز کو منتخب کرے گا کہ جس کی صلاح اور درستگی کے متعلق کچھ علم نہیں۔ تو اس پر ناراض اور خفا نہیں ہوگا۔ بلکہ اعتماد اور بھروسہ اور اس کی اس تجویز پر اطمینان کا اظہار کرے گا اور یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص میرے لئے بہتر چیز کے علاوہ اور کوئی چیز پسند ہی نہیں کر سکتا۔ اور ہر حال میں وہ میرے لئے اچھی ہی چیز منتخب کرے گا۔ تو اب معاملہ اس شخص کے سپرد کر کے اور اس کی ذمہ داری میں دیکھ کیسی یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ تو اپنے معاملات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد نہیں کرتا۔ وہ ذات تو آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی نگرانی کرتی ہے۔

اور تمام عالموں سے بڑا عالم۔ اور ہر ایک قدرت والے سے بڑھ کر قادر اور ایسے ہی ہر مہربانی اور نرمی کرنے والے زیادہ رحم کرنے والا۔ اور تمام غنی والا انسانوں کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں تو یہ ذات تیرے لئے اپنے علم لطف اور اپنی تدبیر حسن کے ساتھ وہ چیز پسند کرے گی کہ جہاں تک تیرے علم اور فہم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور

تو اپنے آخروی امور میں جو تیرے لئے ضروری ہیں مشغول اور مصروف ہو جا۔ اور جب وہ وفات تیرے لئے کسی امر کو منتخب کر دے کہ جس کے اسرار سے تو ناواقف ہے تو اس سے راضی اور اس پر مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس میں ہر ایک شکل میں خیر اور صلاح ضروری ہے۔

رضا بالقضا کن وجوہ سے ضروری ہے

اور ہا رضا بالقضا کا مسئلہ تو اس میں دو ایسی وجوہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جن کے بعد اور کسی چیز کی حاجت اور ضرورت نہیں۔ ایک چیز تو یہ ہے کہ رضا میں وقتی اور بعد دونوں قسم کا فائدہ ہے۔ وقتی اور فوری فائدہ تو یہ ہے کہ اس کی بنا پر تعب، درد، رنج، و فضول ہم و غم ختم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض زہادؒ نے فرمایا ہے۔ جب تقدیر یقینی اور قطعی ہے تو اس کی فکر اور غم فضول چیز ہے اور اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہے جو کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا ہے۔

لیقل همك . وماقدر یکن ومالم قدر لم یاتك

اپنی پریشانیوں کو کم کر اس لئے کہ جو چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اس کو لازمی طور پر ہونا ہے اور جو تقدیر میں نہیں لکھی ہوئی وہ نہیں ہوگی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایسا جامع ہے کہ الفاظ کے اعتبار سے تو کم مگر فوائد معانی کی حیثیت سے بہت بلند ہے۔

اور بعد والا فائدہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب عطا فرمانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنه اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے اور وقتی طور پر افکار اور غموں کی وجہ سے پریشان اور گھبرانا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ بعد میں عذاب اور سزا نافذ ہوگی اس لئے قضا تو یقینی طور پر نافذ ہوگی۔ اس میں تیرے غم اور غصہ کی وجہ سے کسی قسم کی ہرگز تبدیلی نہیں ہو سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے۔

(شعر) اے نفس جو کچھ مقدر کر دیا گیا۔ اس پر صبر کر اور راضی ہو جا، تیرے لئے امان تو صرف غیر مقدر شدہ امور میں ہے اور اس بات کا کامل یقین ہو جانا چاہیئے کہ قضاء قدر نافذ ہونے والی ہے اور اس کی تنفیذ واجب اور ضروری ہے خواہ تو صبر کرے یا نہ کرے

اور عاقل و سمجھ دار انسان ثواب اور عقاب کے ساتھ۔ راحت قلب اور جنت کے ثواب پر اس بے فائدہ غم اور پریشانی کو ترجیح نہیں دے سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ رضا پر عدم رضامندی میں۔ وہ خطرات اور نقصان کفر اور نفاق کا عظیم الشان خدشہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے محفوظ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرنا چاہیئے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں۔ اور آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

اس آیت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اظہار ناراضگی یا اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرے اس سے ایمان کی نفی فرمائی گئی ہے بلکہ اللہ رب العزت نے ایمان کے سلب اور ختم ہونے پر قسم بھی کھائی ہے تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ناراضی کا اظہار کرے اور ہم نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میری قضا وقدر پر اظہار رضامندی اور میری آزمائشوں پر صبر اور میری نعمتوں پر شکر ادا نہ کرے وہ میرے علاوہ اور کوئی معبود بنالے۔

دوسرے الفاظ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جس وقت انسان ناراض ہوتا ہے تو وہ میری رضا پر راضی نہیں ہوتا۔ اس لئے اور کوئی معبود اللہ بنا لینا چاہیئے کہ جس کی رضا پر راضی ہو جائے۔

یہ عاقل کیلئے بہت عظیم الشان وعید اور ڈانٹ ہے۔ بعض صالحین سے جس وقت ربوبیت اور عبودیت کے معنی دریافت کئے گئے تو انھوں نے بالکل سچ

فرمایا ہے۔ کہ رب کے لئے تو احکام کا نافذ کرنا اور بندہ کے لئے اس پر اظہار رضا مندی کرنا ضروری ہے تو جس وقت اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ فرمائے اور بندہ اس پر راضی نہ ہو تو اس مقام پر نہ عبودیت پائی گئی اور نہ ربوبیت۔ اس اصول کو سمجھ کر اپنے متعلق بھی غور و خوض کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے تو ان بیماریوں سے محفوظ ہو جائے۔

صبر اور اُس کے اقسام

یہ بہت کڑوی دوا اور تلخ پانی ہے۔ مگر اس کے باوجود متبرک چیز ہے کہ ہر نفع کی دعوت دیتی اور نقصان کی چیز سے روکتی ہے۔ غرض کہ دوا جب اس قسم کی ہوتی ہے تو سمجھدار انسان نفس کو اس کے پینے پر مجبور کرتا اور زبردستی چلاتا ہے اور کہتا ہے۔ تھوڑی دیر کی تکلیف اور ایک سال کے لئے راحت اور آرام کا سامان ہے اور وہ منفعت جن کی بنا پر انسان صبر کرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو اس کو سمجھنا چاہیئے کہ صبر کی چار قسمیں ہیں۔ صبر علی الطاعت، صبر عن المعصیت اور صبر فضول دنیا پر اور محنتوں و مشقتوں پر صبر کرنا۔ تو جب صبر کی تلخی برداشت کرے گا۔ اور ان چاروں مقامات پر صبر سے کام لے گا تو طاعت الٰہی اور استقامت کے مراتب حاصل ہو جائیں گے اور آخرت میں عظیم الشان ثواب عطا ہوگا اور اس کی وجہ سے معاشی اور دنیاوی آزمائشوں میں مبتلا نہ ہوگا اور آخرت کے اعتبار سے بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اور دنیا کی طلب میں مبتلا نہ ہوگا۔ اور فوری طور پر اس میں مشغولیت سے محفوظ اور بعد میں اس کی اتباع سے بے خوف ہو جائے گا پھر اس کے بعد اگر کوئی ان میں مبتلا ہو جائے یا اس سے علیحدہ ہو جائے تو اس کا ثواب ضبط نہیں ہوگا۔ غرض کہ اس وقت صبر کی وجہ سے طاعت اور بلند مقامات حاصل ہوں گے اور پھر اس پر ثواب اور تقویٰ اور مقام زہد۔ اور بدلہ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے حساب و کتاب ثواب عطا ہوگا اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں۔

اور پریشانیوں کو دفع کرنے کے منافع تو اولاً دنیا میں جزع اور فزع سے راحت نصیب ہوتی ہے اس کے بعد آخرت میں اس کے عذاب اور عقاب

سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اب اگر صبر سے کمزوری اختیار کر جائے اور جزع و فزع کا راستہ اختیار کر جائے تو ہر قسم کی منفعتیں فوت ہو جائیں اور قسم قسم کے نقصانات لاحق ہو جائیں۔ اس لئے کہ جو طاعت کی مشقتیں نہیں برداشت کر سکتا وہ طاعت بھی نہیں کر سکتا اور اس کی حفاظت پر بھی اس کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے تمام ثواب برباد ہو جاتے ہیں۔ یا عبادت الہٰی پر ہمیشگی اور دوام نہیں کر سکتا کہ جس کی بنا پر مقامات شریفہ پر استقامت کے درجات حاصل نہیں کر سکتا۔ یا اس سے بڑھ کر کسی معصیت سے باز نہیں رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے یا فضول اور لغو امور میں اس کو صبر نہیں حاصل ہوتا ہے اور اسی میں الجھا رہتا ہے اور اسی میں مصیبت کے پریشانی پر بھی صبر کی توفیق نہیں حاصل ہوتی کہ جس پر صبر کے ثواب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اور بسا اوقات اس قدر جزع و فزع کرتا ہے کہ اس کی بنا پر عوض اور بدلہ بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو اس وقت دو قسم کی مصیبتیں لاحق ہو جاتی ہیں۔ ایک تو چیز کے فوت ہونے کی اور دوسرے اجر عوض کے فوت ہونے کی اور اس کے ساتھ امور غیر مرضیہ کے ارتکاب اور صبر سے محرومی کی۔

اور مصیبت پر صبر سے محرومی یہ مصیبت سے شاق اور بڑھ کر ہے تو ایسی چیز سے کیا فائدہ جو کہ حاصل اور موجودہ چیز کو ختم کر دے اور جو چیز ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے نہ ہاتھ آئے لہٰذا اتنی سعی و کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر ایک چیز ہاتھ سے نکل جائے تو دوسری چیز نہ نکلنے پائے اس چیز کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بہترین فرمان منقول ہے کہ انہوں نے کسی مریض کی مزاج پرسی کی اور فرمایا۔ اگر تو صبر سے کام لے تو تقدیر تو یقینی طور پر نافذ ہوگی مگر تجھ کو ثواب ملے گا۔ اور اگر جزع فزع شروع کرے تب بھی تقدیر نافذ ہوگی مگر اس شکل میں گناہ اور عذاب ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قلب کو دنیاوی علائق سے پاک و صاف کرنا اور نفس کو ان مضبوط علاقوں سے محض اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر توکل کر کے پاک صاف کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام

کاموں میں تدابیر کو چھوڑنا اور اپنے تمام معاملات میں بغیر ان کے اسرار جانے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔

اور نفس میں جزع وفزع کی رغبت اور خواہش ہوتے ہوئے اس کو اس سے روکنا اور رضا بالقضا کی لگام ڈالنے اور صبر کا گھونٹ پلانے پر مجبور کرنا شد ضروری ہے۔ یہ معاملہ بہت تلخ اور علاج بہت سخت اور اس کا بار زائد ہے۔ مگر اس کے باوجود تدبیر نہایت عمدہ اور راستہ سیدھا۔

اور پھر اس پر عاقبت محمودہ اور احوال سعیدہ حاصل ہوتے ہیں

تیرا اس والد کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہ نہایت شفیق اور مال دار ہو جو اپنے چہیتے لڑکے کو میوہ پھلوں کے کھانے سے روک دے اور اس بچے کی آنکھوں میں بیماری ہو۔ اور ان امور کے باوجود اس کا والد اس لڑکے کو ایسے استاد کے سپرد کر دے جو نہایت سخت اور ہوشیار ہو۔ چنانچہ استاد اس لڑکے کو سارے دن بند کئے رکھے اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرے۔ اور پھر اس کو پچھنے لگانے والے کے پاس لے جائے جو اس کے پچھنے لگائے اور اس کو اس میں تکلیف پہونچائے۔

تو کیا تیرا خیال یہ ہے کہ یہ تمام مال و دولت اپنے بخل کی بنا پر اس سے روک رہا ہے۔ یہ چیز ہرگز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ تو اجنبیوں کو مال و دولت عطا کرتا اور ان پر فراخی کرتا ہے یا تیرے خیال میں وہ اپنے اس لڑکے کو ذلیل و خوار کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ چیز بھی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ تمام تر مال و دولت اس کے لئے جمع کر رہا ہے یا اس نے اس لڑکے کو تکلیف اور ایذا پہنچانے اور پریشان کرنے کا خیال کیا ہے۔ حاشا وکلا ایسا نہیں۔ کیونکہ یہ لڑکا تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے دل کا پھول ہے۔ اس کی حالت تو یہ ہے کہ اگر ہوا بھی اس کو لگ جائے تو اس کے والد پر شاق گذرے۔ مگر ان تمام چیزوں کے باوجود اس کے والد کو اس چیز کا علم ہے کہ اس کی صلاحیت اسی چیز میں ہے اور تھوڑا سا تعب ونقصان بہت خیر اور بھلائی اور عظیم الشان نفع کا باعث ہے۔

اور اس طبیب حاذق مصلح اور ہمدرد کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جب

کرو اور مریض کو پانی پینے سے روک دے اور اس مریض کی پیاس کی وجہ سے حالت تبدیل ہو رہی ہو مگر اس کے بدلہ اس مریض کو ایسی کڑوی اور سخت دوا پلاتا ہے کہ جس سے اس کی طبیعت اور نفس گھبراتا ہو۔

تو کیا تیری دانست میں حکیم کو اس مریض سے دشمنی اور عداوت اور وہ اس کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس میں اس کے لئے صحت اور بھلائی ہے اس لئے کہ حکیم کو یقینی طور پر یہ چیز معلوم ہے کہ اس مریض کو مرضی کے مطابق اشیاء کے استعمال کرنے کی اجازت دینے میں اس کو نقصان پہنچانا اور ہلاک و برباد کرنا ہے اور ان چیزوں سے منع کر دینے میں اس کی شفا اور تندرستی ہے۔

اس مقام پر اگر انسان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ تیرے اوپر روٹی اور درہم وغیرہ کی تنگی کر دے تو اس وقت یقینی طور پر یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ تیرے ارادوں کے پیدا کرنے پر مالک اور تیرے پاس ان اشیا کے پہنچانے میں قادر ہے اور وہ ذات سراسر فضل وجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تیرے احوال سے باخبر اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اور وہ ذات عدم اور عجز خفا اور بخل سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس لئے کہ وہ ذات تمام داروں کی سردار اور قدرت والوں کی مالک اور سردار اور ایسے ہی اعلم العالمین اور الاجودین ہے

تو اب یقینی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ جن چیزوں کو تجھ سے روکے گی اس کا مقصد خیر اور بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اس کے برخلاف کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ تو خود فرماتا ہے۔

خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا — اس نے تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین موجود ہے۔ سب کا سب پیدا فرمایا ہے۔

اسی ذات نے تیرے متعلق اپنی معرفت کے سمندر پھیلا دیئے اور اسی ذات سے اور اسی کی وجہ سے دنیا حاصل ہو سکتی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ میں اپنے اولیا کو اس طرح پر دنیا کی نعمتیں عطا کرتا ہوں۔ جیسا کہ مشفق اور مہربان

چرواہا اپنے اونٹ کو عمدہ اور سبزہ زار چراگاہوں میں چراتا ہو اور اس کے بعد حقیقی طور پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ وہ ذات تیرے امتحان اور آزمائش سے منزہ ہے۔ تیری حالت اس پر منکشف اور تیرے ضعف و کمزوری سے باخبر اور پھر وہ ذات باری تجھ پر نہایت شفیق اور مہربان ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا۔

انّ اللہ تعالیٰ ارحم بعبدہ المومن مِنَ الوالدۃ الشفیقۃ بولدھا — اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ پر شفیق والدہ سے جو اپنے لڑکے پر شفقت کرتی ہے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

جب یہ سمجھے گا تو اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ناگوار اشیاء تجھ پر مصلحت اور درستگی کے علاوہ اور کسی وجہ سے نہیں نازل کی گئیں۔ باقی تو ان کے اسرار سے بے خبر اور وہ ذات علیم و خبیر ہے اسی وجہ سے اولیاء کرام اور منتخب حضرات آزمائش اور مصیبتوں میں زیادہ مبتلا ہوں گے۔

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

اذا احب اللہ قوماً ابتلاھم — جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اسے آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اور حضور کا فرمان ہے۔

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ بلاءً الانبیاء ثم الشھداء ثم الامثل فالامثل — سب سے زیادہ آزمائشوں میں مبتلا ہونے والے انبیاء کرام، پھر شہداء پھر درجہ بدرجہ فضیلت والے۔

غرض کہ جس وقت اللہ تعالیٰ تجھ سے دنیا کی اشیاء کو روک دے یا تیرے اوپر شدائد اور مصائب کی زیادتیاں کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے نزدیک معزز اور صاحب اعزاز ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اپنے اولیاء کرام کا طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیا اس لئے کہ وہ تیرے احوال سے بخوبی واقف ہے۔ اور اس کے ساتھ تو اس کو ان اشیاء کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے اس کا ارشاد ہے

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا — اور اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔

بلکہ اس ذات کے احسانات بکثرت ہیں کہ وہ تیری نگہبانی کرتا ہے اور اجر و ثواب عطا فرماتا اور ابرار اور منتخب حضرات کا مقام عطا فرماتا ہے چنانچہ اس کے بعد بہت عمدہ انجام اور قسم قسم کے انعامات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

فصل

حقیقی طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ اللہ رب العزت تیرے اس رزق کا ضامن اور ذمہ دار ہے کہ جس سے تیری اس کی عبادت کیلئے قوت اور تن درستی قائم رہ سکے اور وہ جن امور کو چاہے اور جس طرح اس کی مرضی ہو ان پر قادر ہے اور وہ تیری حالت سے واقف ہے اور ہر ایک زمانہ میں باخبر ہے اسی کی حقیقی ذمہ داری اور سچے وعدہ پر تو نے اعتماد اور بھروسہ کیا اور اسی بنا پر تیرا قلب مطمئن اور علائق و اسباب کے تذکرہ سے بے فکر ہو کر اسی ذات کی جانب متوجہ ہو گیا۔

اس لئے کہ صرف اسباب اللہ تعالیٰ کے علاوہ تجھے بے فکر اور مستغنی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ذات تو ان اشیاء کے کھانے اور پینے میں سہولت اور آسانیاں پیدا فرمائی ہے اور پھر اس پر عمدہ مبارک باد اور تہنیت پیش کرتا اور تقویت اور نفع پہنچاتا اور ہر قسم کے نقصانات اور ضرروں سے بچاتا ہے اور وہی ذات جب چاہے تو اسباب وغیرہ کے بغیر تجھے کافی اور وافی ہے۔

غرض کہ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو اس کے علاوہ اور کسی پر توکل نہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح اپنے تمام معاملات میں فکر و تدبیر چھوڑ کر تمام اس ذات کے سپرد کر دے جو آسمان و زمین کی نگرانی کرتا ہے اور تجھے آئندہ کے تمام معاملات میں اس طرح راحت فرماتا ہے کہ تیری فکر و فہم وہاں تک رسائی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان ہی معاملات میں اظہار رہتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور کیسے ہوگا اور عمل سے

رہنا چاہیے اس لئے کہ اس میں تضیع اوقات اور قلب کے مشغول ہونے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات تیرِ بے دہم و گمان کے برخلاف امور ظاہر ہوجاتے ہیں اور تمام سعی کی فکر اور سوچ ہی میں مبتلا رہتا ہے۔

سو اپنے محترم اوقات کو ان اشیا میں ضائع کرنا لغو و بے کار اور بے سود ہے۔ بلکہ ایسا خسارہ ہے کہ جس کے بعد ندامت اور پشیمانی ہے اور قلب کے مشغول ہونے اور عمر کے ضائع ہونے کی بنا پر نقصان عظیم ہے۔

اسی چیز کو بعض زاہدوں نے اس طرح ادا کیا ہے

(شعر) خدا تعالےٰ کے فیصلے اور احکامات نافذ ہو چکے لہٰذا اپنے کو لعل اور لو سے محفوظ رکھنا چاہیئے جو کچھ مقدر میں ہے وہ اپنے وقت پر ضرور ہو گا۔ مگر جاہل بھائی غمگین اور پریشان ہے۔

اور دوسروں کا قول ہے

(شعر) بعض وہ اشیا کہ جن کے متعلق خوف اور خدشہ ہے وہ نہیں ہوتیں اور ایسے ہی جن کی امیدیں کی جاتی ہیں وہ بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔

بس اپنے نفس کو یہ کہہ کر سمجھانا چاہیئے کہ اے نفس جو کچھ مقرر ہو چکا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہی ہمارا مالک اور ہم کو کافی اور نعم الوکیل ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں، حکیم ہے اس کی حکمتیں بیان سے باہر رحیم ہے اس کے رحم و کرم کا کوئی شمار نہیں۔ اور جو ذات ان صفات کی مالک ہو اسی پر توکل کرنا اور اپنے تمام امور کو اسی کے سپرد کرنا واجب اور ضروری ہے۔ لہٰذا تمام امور میں تفویض ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے قلب کو اس چیز پر آمادہ کرنا چاہیئے کہ جو اللہ تعالےٰ فیصلہ فرمائے اور مقدر فرمائے۔ وہی اوفق اور زیادہ بہتر ہے اگرچہ ہمارا علم اس کے اسرار اور کیفیات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے اور نفس کو تلقین کرے کہ اے نفس مقدر شدہ یقینی طور پر ہونے والا ہے اس لئے جزع اور فزع میں کوئی فائدہ نہیں اور خیر و بھلائی ان ہی امور میں حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ فرمائیں۔ لہٰذا ان سے خفگی کی کوئی وجہ نہیں کیا تو رضیت باللہ نہیں کہتا ہے۔

تو پھر اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اور قضا تو ربوبیت کی شان اور اس کے حقوق میں سے ہے تو رضا بالقضا واجب اور ضروری ہے۔

اور اسی طرح جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہو جائے یا ناگوار ناخوشگوار کوئی چیز پیش آ جائے تو اپنے نفس کی اس وقت حفاظت کر اور اپنے قلب پر قابو حاصل کر تاکہ جزع فزع اور کسی قسم کی شکایت نہ ظاہر ہو خصوصیت کے ساتھ اوائل جو پریشانیاں لاحق ہوں۔ اس لئے کہ کوشش کا مقام یہی ہے اور نفس گھبراہٹ کی طرف بہت تیزی کرتا ہے تو نفس کو یہ کہہ کر سمجھانا چاہیئے کہ جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب اس کے تبدیل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس سے عظیم الشان آفتوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا۔ اس لئے کہ آزمائشیں اور آفتیں تو اس کے خزانہ میں بکثرت ہیں اور سب کو ظاہر ہونا ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گی یہ تو ایک بادل ہے جو پھٹ جائے گا۔ لہٰذا اے نفس کچھ تحمل سے کام لے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت خوشی اور عظیم الشان ثواب عطا ہو گا۔ باوجودیکہ آنے والی ٹالی نہیں جا سکتی اور اس گھبراہٹ میں کوئی فائدہ نہیں اور حقیقۃً اگر صبر و تحمل کیا جائے تو خاص مشقت اور مصیبت نہیں ہے۔

اب اپنی زبان کو انا للہ کے ساتھ۔ اور قلب کو اس پر ثواب عطا ہو گا اس کے ساتھ اور انبیاء کرام و اولیاء اللہ نے جو بڑی مصیبتوں اور مشقتوں پر صبر سے کام لیا ہے ان کے تذکرہ کے ساتھ مشغول رکھنا چاہیئے اور اگر کسی وقت دنیا کی تنگی ہو جائے تو اس وقت نفس کو اس طرح خطاب کرے کہ وہ ذات تمام احوال سے باخبر اور تجھ پر رحم کرنے والی ہے اور وہ کتے کے ذلیل ہونے کے باوجود اور کافر کے دشمن ہونے کے باوجود اس کو کھانے کے لئے دیتی ہے۔

اور میں تو اس کا مسلمان بندہ ہوں اس کو میری دنیا کوئی مشکل اور محال چیز نہیں ہے اور حقیقی طور پر یہ سمجھ لے کہ کسی نفع اور فائدہ کے ماتحت تجھ سے اس چیز کو روکا اور عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی اور سختی کے بعد آسانی فرمائیں گے۔ کچھ صبر کر، اللہ تعالیٰ کے عجیب الطاف کا مشاہدہ کرے گا۔

شاعر کا قول انہیں سنا۔

اپنے پروردگار کی قدرت پر اُمید اور توقع رکھ جن کشادگیوں کو تو چاہتا ہے۔
عنقریب بہت جلد ہی ظاہر ہوں گی اور جس وقت کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہو کسی سے کام
نہ لے اس لئے کہ امورِ غیب میں تو بہت ہی عجیب غریب اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔

اور دوسرے شاعر نے بھی اسی کے ہم معنی کہا ہے

کہ اے وہ شخص جس پر غم ظاہر ہوئے ہوں جب تنگی شدت اختیار کر جائے تو
سورۂ الم نشرح میں غور و خوض شروع کر دے اس لئے کہ دو آسانیوں کے درمیان ایک تنگی
ہے جب بھی بار بار اس کو پڑھے گا انشاء اللہ تعالیٰ غموں سے کشادگی حاصل ہوگی۔

غرض کہ جب ان باتوں کو یاد رکھے گا انسان کو بار بار دہراتا رہے گا۔ اگر تھوڑے
سے زمانہ کے لئے کوشش اور محنت سے کام لے گا تو یہ تمام چیزیں آسان اور سہل ہو جائیں گی
تو اس وقت تو ان چاروں عوارضات پر قابو پالے گا اور ان مشقتوں سے محفوظ ہو جائے گا۔
جس کا نتیجہ ہوگا کہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک توکل اور تفویض کرنے والا۔ اس کی قضا پر
اظہار رضامندی کرنے والا اور مشقتوں پر صبر کرنے والا ہو جائے گا۔ اور تجھے دنیا میں
قلبی اور بدنی راحت اور آخرت میں عظیم الشان اجر و ثواب نصیب ہوگا۔ اور رب العالمین
کے نزدیک محبت اور شرافت کا مقام نصیب ہوگا۔ اور اس وقت تیرے لئے دنیا و
آخرت کی بھلائیاں جمع ہو جائیں گی اور عبادت الٰہی کا راستہ صاف ہو جائے گا کہ اس میں
کوئی پریشانی اور الجھن بھی باقی نہ رہے گی

اور اس عظیم الشان گھاٹی کو بھی تو عبور کر چکا ہوگا

آخر میں اللہ رب العزت سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو اپنی حسن توفیق عطا
فرمائے اس لئے کہ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور وہ ارحم الراحمین
ہے: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

پانچواں باب، پراگندہ کرنے والے امور

جب ہدایت کا راستہ درست اور آسان ہو جائے۔ اور پریشانیاں اور عوارضات ختم ہو جائیں تو اس کے بعد عبادت الٰہی کے لئے تیار ہونا اور اس میں ترقی حاصل کرنا فرض ہے اور سیر مستقیم اور ترقی۔ خوف اور رجا کو سمجھنے اور ان کو ان کے حقوق کے ساتھ لازم پکڑنے کے بعد ہو سکتی ہے۔

خوف ور جا کے بعد ہی ہدایت ممکن ہے

خوف کو دو وجہ سے مضبوط پکڑنا ضروری ہے۔ ایک تو معاصی اور گناہوں سے باز رہنے کی وجہ سے اس لئے کہ یہ نفس برائیوں کا بہت حکم کرنے والا ہے۔ شر اور برائی پر آمادہ کرنے والا۔ اور فتنہ کی ترغیب دینے والا ہے اور یہ نفس اپنی شرارتوں سے بہت عظیم الشان خوف اور خطرناک ڈانٹ کے بغیر باز نہیں رہ سکتا اور نفس میں ذاتی اعتبار سے کسی قسم کی شرافت نہیں کہ وفا اس کو برائیوں سے روک لے اور حیا اس کو سرکشی کرنے سے منع کر دے۔ اس کی حالت تو کہنے والے کے قول کے مطابق ہے۔ غلام اور کمینہ انسان صرف ڈنڈے سے باز آتا ہے اور آزاد اور شریف آدمی کو تو ملامت ہی کافی ہے غرض کہ اس کی اصلاح کی تدبیر تو صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اس کو قول و فعل اور فکر کے اعتبار سے خوف دلاتا رہے۔ بعض صالحین کے متعلق منقول ہے کہ ان کے نفس نے کسی معصیت اور گناہ کی تمنا اور خواہش کی تو وہ جنگل کی طرف چل دیئے اور وہاں جا کر کپڑے اتار دیے اور شدت گرمی میں لوٹ لگانی شروع کر دی۔ اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگے۔ ذرا مزہ چکھ دوزخ کی تپش اور شدت اس گرمی سے بہت زائد ہے۔ رات کو تو مردار اور دن میں سرکش و بدکردار بنتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نیکیوں پر عجب اور خود پسندی نہ اختیار کرنی چاہیئے۔ کہ کہیں اس کے ذریعہ سے ان کا ثواب نہ ضائع ہو جائے بلکہ ہمیشہ برائی عیب اور

نقصان کا تذکرہ کرتا رہے۔ اور ان خامیوں و برائیوں کو یاد کرتا رہے کہ جن کی بنا پر قسم قسم کے خطرات واقع ہو جانے کا خدشہ ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لو أني وعيسى اوخذ نا بما اكتسبت هاتان لعذ بنا عذابا لم يعذبه احدٌ من العٰلمين واشار باصبعيه صلى الله عليه وسلم

اگر میرا اور عیسیٰ بن مریم کا اپنے اعمال پر مواخذہ ہونے لگے تو اعیاذاً باللہ ہم کو ایسا عذاب دیا جائے کہ عالم میں کسی کو بھی نہ دیا گیا ہو اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

حضرت حسنؓ سے منقول ہے۔ انھوں نے فرمایا ہم کو اس بات سے بیفکری نہیں ہے کہ ہم میں سے کسی نے کوئی گناہ کیا ہو اور توبہ کا دروازہ بغیر توبہ کئے ہوئے بند ہو جائے اور وہ اعمال کرتا رہے۔

ابن مبارک کے متعلق منقول ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس طرح خطاب فرمایا کرتے تھے، زاہدوں کی باتیں بیان کرتا ہے اور کام منافقوں کے کرتا ہے اور پھر اس پر جنت کا خواہش مند ہے۔ ہلاکت ہے ہلاکت ہے جنت کے لئے اور ہی جماعت ہے جن کے اعمال تیرے اعمال سے بہت بلند ہیں۔

تو اس قسم کے الفاظ اور اس قسم کی چیزیں بندہ کے لئے ضروری ہیں کہ وہ اپنے نفس کو ان سے ڈراتا اور اس کو یہ سناتا رہے تاکہ وہ کسی طاعت پر عجب یا کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اور رجاء کے معانی پر بھی دو وجہ سے نظر کی جا سکتی ہے۔ ایک تو عبادت الٰہی پر تیار ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ امور خیر دشوار ہیں اور شیطان ان سے روکنے والا اور خواہشات اس کے اضداد کی دعوت دینے والے ہیں اور تمام مخلوق میں سے غافل کا حال نفس کے بارے میں بالکل ظاہر ہے اور جس ثواب کا طاعات پر وعدہ کیا گیا ہے وہ نگاہوں سے غائب ہے اور اس ثواب تک پہنچنے کا زمانہ بہت دور ہے۔ غرضکہ جب حالت یہ ہو تو نفس کسی طرح بھی خیر اور بھلائی کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اور نہ اس کے حقوق کی اس میں رغبت اور نہ اس کے لئے وہ تیار ہو سکتا ہے ہاں ایسی چیز ہو جو ہر ایک مقام پر اس کا مقابلہ کرے اور اس کی برائیاں کرے اور ساتھ ساتھ اس پر زیادتی کرے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی نعمت سے صرف رجاء قوی ہے اور ثواب کے حسن و زیادتی میں بہترین ترغیب کی چیز ہے۔

ہمارے شیخؒ نے فرمایا ہے۔ غم کھانا کھانے سے روکتا اور خوف گناہوں سے منع کرتا اور رجاء عبادت الٰہی پر تیار کرتی ہے اور موت کا تذکرہ اس سے زہد کی شان پیدا ہوتی ہے۔

اور رجاء کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مشقتوں اور مصیبتوں کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ غرض کہ جو شخص یہ پہچان لے کہ مجھ کو کیا حاصل کرنا ہے تو اس پر کوشش کا صرف کرنا آسان ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی چیز کو تلاش کرے اور اس کو اس کی پوری خواہش اور رغبت ہو تو وہ تمام مشقتوں کو برداشت کرے گا اور خواہ کتنی ہی مشقتیں اس کو لاحق ہوں۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

اور جو شخص کسی سے کامل طور پر محبت کرے تو اس کی مشقتوں اور محنتوں کو بھی وہ برداشت کرے گا حتیٰ کہ اس کو ان محنتوں کے برداشت کرنے میں ایک قسم کا لطف اور مزہ بھی محسوس ہو گا۔

شہد حاصل کرنے والے کو نہیں دیکھا کہ وہ مکھیوں کے کاٹنے سے نہیں ڈرتا اس لئے کہ اس کو شہد کی حلاوت کا چسکہ پڑا ہوا ہے۔ اور ایسے اس مزدور کو جو لمبی سیڑھی پر بوجھ لے کر پورے گرمی کے دن میں چڑھتا ہے اس وجہ سے کہ اس کو شام کو وہ درہم ملنے کی امید ہے۔

اور ایسے ہی کسان اور کاشتکار پورے سال گرمی اور سردی محنت اور مشقت کا کسی قسم کا خیال نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس کو اس میں سے زیادہ ملنے کی امید رہتی ہے۔

اسی طریقہ پر اے میرے بھائی وہ عابدین جو کہ کوشش والے ہیں جب کہ وہ جنت کی اچھائی اور عمدگی کا تذکرہ کرتے ہیں اور وہاں کی طرح طرح کی نعمتیں اور حور و قصور

کھانا پینا اور زیوارات اور حوروں کو یاد کرتے ہیں اور ان اشیاء کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر تیار کر رکھی ہیں بیان کرتے ہیں تو ان کو عبادت میں جو تعب و تکان ہوتا ہے وہ آسان اور سہل ہو جاتا ہے اور جو کچھ دنیا میں نعمتیں اور لذتیں فوت ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے جو ذلت و رسوائی اور نقصان و مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ وہ سب آسان ہو جاتی ہیں۔

منقول ہے کہ سفیان ثوریؒ کے شاگردوں نے سفیان ثوریؒ سے ان کی مشقت خوف اور اسے بری ستہ حالی کے متعلق گفت و شنید کی اور عرض کیا اے استاد اگر آپ مشقت میں کچھ کمی کر دیں گے تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اس پر حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا میں اس قدر کوشش کیسے نہ کروں۔ جب کہ مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تمام جنت والے اپنے اپنے مقامات پر ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوگا کہ جس کی وجہ سے آٹھوں جنتیں منور اور روشن ہو جائیں گی۔ سب کا یہ گمان یہ ہوگا کہ یہ الہ العالمین کے نور کا پرتو ہے۔ اس لئے سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے۔ اچانک منادی ندا کر دیں گے کہ اپنے سروں کو اٹھاؤ۔ یہ وہ چیز نہیں ہے جو کہ تم سمجھ رہے ہو بلکہ یہ تو ایک باندی اپنے آقا کے سامنے مسکرا رہی ہے۔ اس کا نور اور روشنی ہے پھر اس کے بعد سفیان ثوری نے یہ اشعار پڑھے۔

جس کا ٹھکانا اور مسکن فردوس ہو اس کے لئے کوئی مضر نہیں جو کچھ بھی وہ مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کرے تو اس کو دیکھے کہ وہ غمگین، خوف زدہ پریشان اور خستہ حال مسجد کی طرف جا رہا ہو۔

اے نفس مشقتوں پر صبر کرنے سے کیا چیز مانع ہے جب کہ وہ وقت آگیا ہے کہ بہت دور سے تیرا استقبال کیا جائے گا۔ انتہی۔

امام غزالی فرماتے ہیں جبکہ امور عبادت کا منبع دو چیزوں پر ہے۔ ایک طاعت الٰہی کے لئے تیار ہونا اور دوسرے معاصی سے باز رہنا۔ اور یہ چیز سوائے ترغیب اور ترہیب اور امید اور خوف کے ایسے نفس کے ساتھ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی ہے جو کہ برائیوں پر آمادہ

کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ سرکش جانور کے لئے ایک آگے سے کھینچنے والا اور پیچھے سے ڈنڈا مارنے والے کی حاجت ضرورت ہے اور جب کسی مقام پر وہ گر پڑتا ہے تو ایک طرف سے ڈنڈا مارا جاتا ہے اور ایک جانب سے گھانس دکھلائی جاتی ہے۔ تاکہ کھڑا ہو جائے اور جہاں پھنس گیا ہے، وہاں سے نکل جائے۔

اور ایسے ہی نافرمان لڑکا والدین کے لالچ دلانے اور استاد کے خوف کے بغیر کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ تو اسی طرح یہ نفس سرکش جانور ہے۔ خوف اس کا کوڑا اور ہانکنے والا ہے اور رجا اس کے لئے گھانس اور چلانے والے کو قائم مقام ہے۔ اور ایسے ہی یہ سرکش لڑکا ہے۔ جبکہ تقویٰ اور عبادت کی کتاب کو اٹھائے ہوئے ہے دوزخ کے تذکرہ اور اس کے عذاب سے اس کو ڈرانا اور جنت کے ذکر اور اس کے ثواب سے اس کو امید اور رغبت دلانا ہے۔

لہٰذا اس بندہ کے لئے جو کہ عبادت اور ریاضت کا طلب گار ہے یہ ضروری ہے کہ نفس کو ان دونوں امور یعنی رجا اور خوف کے ساتھ قابو میں کرے۔ ورنہ شیطان نفس کسی وقت بھی تیار نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ذکر حکیم (قرآن کریم) نے دونوں پہلوؤں کو خوب اچھی طرح بیان کیا ہے۔ وعدہ اور وعید ترغیب اور ترہیب اور دونوں امور میں بہت زیادتی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ ثواب اس قدر بیان کیا ہے۔ کہ جس سے صبر کرنا مشکل اور ایسے عذاب و عقاب اس قدر سنایا کہ برداشت سے باہر۔

تو اس وقت ان دونوں چیزوں کو لازمی سمجھنا ضروری ہے تاکہ مقصود عبادت حاصل ہو اور اس میں مشقتوں کا برداشت کرنا سہل اور آسان ہو۔ واللہ ولی التوفیق بفضلہ و رحمہ

خوف اور رجا کی حقیقت اور اس کا حکم

خوف اور رجا کا تعلق ہمارے علماء کرام کے نزدیک خواطر سے ہے اس لئے بندہ کی قدرت میں اس کے مقدمات کو پیش نظر رکھنا ہے۔ چنانچہ خوف وہ ڈر ہے

جو بندہ کے قلب میں کسی برائی کے خیال پر ہوس ملنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیت کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں لیکن خشیت میں ایک قسم کی زیادتی اور ہیبت ہے اور خوف کی ضد جرأت ہے لیکن کبھی اس کے تقابل میں امن بھی آ جاتا ہے۔

بولا جاتا ہے خائف و آمن۔ اور خوف و امن۔ اس لئے کہ آمن بھی وہی ہوگا جو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر جرأت کرے۔ باقی حقیقۃً خوف کی ضد جرأت ہی ہے اور خوف کے مقدمات چار ہیں۔

اول۔ تو ان کثیر گناہوں کا تذکرہ کرنا جو ہو چکے ہیں اور ان خصومات کا بکثرت تذکرہ کرنا جو ظالم سے صادر ہو چکے ہیں اور تو ان میں اس طرح گھرا ہوا ہو کہ ان سے چھٹکارا مشکل ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ کے اس عقاب کا تذکرہ کرنا کہ جس کی طاقت اور قوت نہیں اور تیسرے اپنے نفس کے عقاب اور عذاب کے برداشت کرنے سے کمزور ہونے کو بیان کرنا۔ چوتھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ کرنا کہ وہ جس طرح اور جس وقت چاہے تیرا مواخذہ کر سکتا ہے۔

اور رجاء۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو جان کر قلب کا خوش ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت سے آرام پانا ہے یہ تمام خواطر اور وساوس ہیں جو کہ بندہ کی طاقت اور قدرت سے باہر ہیں۔ اور رجا بندہ کی قدرت میں ہے اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی رحمت کو بیان کرنا ہے اور پیش آنے والے امور کا اشتیاق کے ساتھ تذکرہ کرنا اس کا نام بھی رجا ہے۔ مگر اس باب سے مقصود وہ پہلے ہی معنی ہیں، یعنی خوشی اور شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا تذکرہ کرنا اور رجا کی ضد یاس (ناامیدی) ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے فوت ہونے کو بیان کرنا اور قلب کا اس سے بے تعلق کرنا ہے۔ یہ صرف معصیت ہے۔

اور رجاء فرض ہے اس لئے کہ بندہ کے لئے یاس بچنے کا یہی طریقہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے اعتقاد کے بعد یہ محض نفل اور فضائل کے درجہ میں ہے۔

رجاء کے مقامات بھی چار ہیں۔ پہلا تو اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی سبقت کو بغیر کسی سفارش اور شفیع کے ذکر کرنا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم الشان ثواب اور کرامت کا محض اپنے فضل و کرم سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو بیان کرنا اپنے اعمال کا استحقاق سمجھ کر اس کو نہ بیان کیا جائے۔ اس لئے اگر افعال کے اعتبار سے ثواب سے تو بہت اور کم تھوڑا ہے اور تیسرے دین اور دنیا کے معاملہ میں بغیر استحقاق اور ... کے اللہ تعالیٰ کی امداد اور الطاف اور نعمتیں جو تیرے اوپر نازل رہیں ان کو یاد کرنا۔ اور چوتھے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے غضب و غصہ کے سبقت کر جانے کو یاد کرنا اور یہ کہ وہ مسلمان بندوں کے لئے ارحم الراحمین غنی کریم اور رؤف رحیم ہے۔ غرض کہ جب تو ان دونوں قسموں میں سے اشیاء کا تذکرہ کرتا رہے گا تو ہر حال میں خوف اور رجا مستحضر رہیں گے۔

وَاللہ تعالیٰ ولی التوفیق بمنہ وفضلہ

فصل

اب اس کے بعد پوری احتیاط اور حفاظت اور تمام حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وادی پر بھی عبور حاصل کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔ یہ گھاٹی بہت شاق اور پُرخطر ہے۔ اس لئے کہ یہ دو ہلاک اور برباد کرنے والی اشیاء کے درمیان الجھی ہوئی ہے۔ ایک تو امن کا طریقہ اور دوسرے یاس اور ناامیدی کا راستہ ہے۔ اور رجا اور خوف کا راستہ ان دونوں مہلک راستوں سے ہٹ کر منصفانہ طریقہ ہے۔ اس لئے اگر تیرے اوپر رجا کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ خوف بالکل ختم ہو جائے تو امن اور بے خوفی کے راستہ میں گرفتار ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نقصان اٹھانے والی ہی جماعت مامون ہوتی ہے اور اگر خوف کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ رجا بالکل جاتی رہی تو یہ یاس اور ناامیدی والی شکل ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر قوم ہی مایوس اور ناامید ہوتی ہے۔

اب اگر تو خوف اور رجاء دونوں کو اختیار کرے۔ اور دونوں کو مضبوط پکڑے تو یہی درمیانہ اور مستقیم راستہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اُن انبیاء اور اصفیا کا راستہ ہے جن کی تعریف حق تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ

یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم کیساتھ ہماری عبادت کرتے تھے اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

غرض کہ جب تیرے سامنے اس گھاٹی میں تین شکلیں نمایاں اور ظاہر ہوگئیں یعنی امن اور جرأت کا راستہ اور مایوسی وناامیدی کا طریقہ اور اس کے ساتھ ساتھ خوف ورجا کا راستہ ان دونوں کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اب اگر دائیں جانب ذرا سا مائل ہو جائے گا یا بائیں جانب کچھ جھک جائے گا تو ہلاکت کے راستوں میں الجھ کر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک اور برباد ہو جائے گا یا بائیں جانب کچھ جھک جائے گا تو ہلاکت کے راستوں میں الجھ کر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک اور برباد ہو جائے گا۔ اور پھر یہ دونوں ظلم اور ہلاک کر دینے والے راستہ سرکشی کے اعتبار سے بلند اور دعوت دینے والوں کی حیثیت سے زائد اور طریق عدل کے بہ نسبت چلنے کے اعتبار سے بہت سہل اور آسان ہیں اس لئے اگر دائیں جانب نظر ڈالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمت اور کثرت فضل اور غایت جود نظر آتا ہے کہ جس کی بنا پر خوف وخطرہ باقی نہیں رہتا اور تھوڑی دیر کیلئے انسان اس پر اعتماد کر کے بے خوف ہو جاتا ہے۔ اگر خوف والے پہلو پر نظر ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت، سیاست اور اس کے ہیبت وجلال اور عظمت امر کا مظاہرہ جو اس نے اولیاء اصفیا کے ساتھ بہت باریکیوں کے ساتھ ایسی پکڑ کا نظارہ سامنے ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ کیلئے مایوسی اور ناامیدی چھا جائے۔

لہٰذا اس وقت اس چیز کی حاجت اور ضرورت ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر کی جائے کہ جس کی بنا پر اعتماد اور امن والی شکل پیدا ہو اور نہ صرف اس کے ہیبت وجلال کا مظاہرہ کیا جائے کہ جس سے مایوسی پیدا ہو۔ بلکہ اس راستہ پر بھی نظر رکھے اور اس کو بھی

دیکھے اور اس میں سے بھی کچھ حاصل کرے۔ اور اس سے بھی کچھ لے۔ اور ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک راستہ متعین کرے اور اس پر چلے تاکہ امن اور سلامتی حاصل ہو اس لئے کہ محض امیدوں کا راستہ بہت آسان اور کشادہ ہے اور انجام امن اور خسران ہے اور ایسے ہی محض خوف کا راستہ بہت کشادہ مگر انجام سراسر ضلال اور گمراہی ہے۔ اور ان کے درمیان منصفانہ راستہ وہ خوف اور رجاء والا راستہ ہے۔ یہ اس بناء پر کہ گو یہ مشکل اور تنگ راستہ ہے۔ مگر محفوظ راستہ ہے اور ایسا واضح اور روشن طریقہ ہے کہ جس سے اولاً تو مغفرت اور بھلائی نصیب ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ملک رحمٰن سبحانہٗ وتعالیٰ کی زیارت نصیب ہوتی ہے کیا تو نے اس راستہ کو اختیار کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا کہ

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا — وہ لوگ اپنے رب کو اُمید سے اور خوف سے پکارتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ — سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے

ان اشیاء کو سمجھنا اور ان پر غور و خوض کرنا اور پختگی کے ساتھ کاربند ہونا ضروری ہے اس لئے کہ یہ چیزیں آسانی کے ساتھ نہیں حاصل ہو سکتیں۔

اب اس کے بعد پھر لوگ اس راستہ پر چلنا اور اس نفس کو جو کہ طاعات سے برگشتہ ہے طاعات پر آمادہ کرنا اور طاعات پر کاربند ہونا۔ تین اصولوں کو پیش نظر رکھے ہوئے اور ان پر غفلت اور سستی کے دوام حاصل کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایک تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اقوال کو ترغیب و ترہیب کے متعلق ذکر کرنا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے مواخذہ اور معاف کرنے کو بیان کرنا اور تیسرے آخرت میں جزا اور سزا کے متعلق بیان کرنا اور ہر ایک فصل کی تفصیل بہت سے صفحات کی محتاج ہے۔

اسی بناء پر ہم نے کتاب تنبیہ الغافلین وغیرہ تصنیف کی ہے اور اس کتاب

میں کچھ کلمات ذکر کئے ہیں کہ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ مقصود واضح اور روشن ہو جائے گا۔

اصل اول یعنی رجا اور خوف کے متعلق حق تعالیٰ کا فرمان

قرآن عزیز میں آیات ترغیب و ترہیب اور رجا و خوف کے متعلق غور و خوص کرنا چاہئے منجملہ رجائی آیتوں میں سے کچھ آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا — اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بے شک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔

اور وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ — اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ — گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا۔

وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ — اور وہ ایسا رحیم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ — ہمارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ پر مقرر کیا ہے

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ يَتَّقُوْنَ — اور میری رحمت تمام چیزوں کو محیط ہو رہی ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ — واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق و مہربان ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا — اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے

غرض کہ یہ آیات اور ان کے ہم معنی آیات ہیں جن میں رجاء کا ذکر ہے اور اس طرح خوف و سیاست کی آیتیں حسب ذیل ہیں۔

يَا عِبَادِ فَاتَّقُوْنِ — اے میرے بندے مجھ کو (میرے عذاب) سے ڈرو۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یہ خیال کیا تھا کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

اور وہ بوجہ جہل کے اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا

ہم اس روز ان کفار کے ان نیک کاموں کی طرف جو کہ وہ دنیا میں کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا بیکار کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔

غرض کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔

اب ان آیات کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ جو خوف اور رجا دونوں معانی کو عجیب انداز میں مشتمل ہیں۔ مثلاً

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

اے محمدؐ آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

تاکہ انسان پر صرف بیجا لمبی امیدوں کا غلبہ نہ ہونے پائے۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ سخت سزا دینے والا ہے۔

اب اس کے بعد فرماتے ہیں

ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قدرت والا ہے اسکے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

تاکہ صرف خوف اور خشیت ہی طاری نہ ہو۔ اور اس سے بڑھ کر ارشاد ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

پھر فرماتا ہے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہیں

اور ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر نظر کیجئے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ جو خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو۔

خشیت کو رحمن کے ساتھ ذکر فرمایا۔ لفظ جبار منتقم اور متکبر کے ساتھ نہیں بیان کیا۔ تاکہ خشیت کے ساتھ رحمت کا بھی تذکرہ ہو جائے اور تیرے قلب پر خشیت طاری ہو کہ جس کی وجہ سے اس میں خوف اور سکون میں حرکت پیدا ہو جائے۔ اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسا کہ تو کہے، مہربان والدہ سے ڈرتا ہے یا مشفق باپ سے خوف کرتا ہے یا کریم امیر سے ڈرتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ درمیانی اور اعتدالی شکل پیدا ہو جائے تاکہ صرف خوف اور نا امیدی نہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت کے ساتھ اس چیز کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس لئے کہ وہ جواد کریم ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اصل ثانی حق تعالیٰ کے افعال اور اسکے معاملات کا مظاہرہ

خوف کے پہلو کو ملحوظ رکھو اور ابلیس کے معاملہ پر غور کرو کہ اس نے اسی ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور کوئی قدم کے برابر بھی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جس

میں اس نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کیا ہو۔ مگر ایک حکم کی نافرمانی کی جس کی بناء پر راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اور اتی ہزار کی عبادت اس کے منہ پر ماردی گئی۔ اور قیامت تک کے لئے ملعون اور ہمیشہ کے لئے دردناک عذاب کا نشانہ بنا دیا گیا۔ حتیٰ کہ منقول ہے کہ صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو بیت اللہ کے پردوں سے لٹکا ہوا دیکھا اور پکار رہے ہیں الٰہی وسیدی میرے نام اور جسم میں کسی قسم کی تبدیلی نہ فرما۔

اس کے آدم علیہ السلام پر نظر کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے صفی اور اس کے وہ نبی کہ جس کو اس نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور تمام فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا۔ اور آدم علیہ السلام کو فرشتے اپنی گردنوں پر اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں لے گئے۔ مگر جس چیز کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس میں سے ایک لقمہ کھالیا۔ تو اعلان کر دیا گیا کہ میرے پڑوس میں میرا نافرمان نہیں رہ سکتا۔ اور ان فرشتوں کو حکم دیدیا گیا جو کہ ان کا تخت لے کر گئے تھے کہ تمام آسمانوں کو پار کرتے ہوئے ان کو زمین پر اتار دیا جائے .... اور جیسا کہ منقول ہے کہ جب تک دو سو سال تک اس گناہ پر آہ وزاری نہیں کی اور مشقتوں و محنتوں کا سامنا نہیں کیا اس وقت تک ان کی توبہ مقبول نہیں ہوئی اور پھر اس کے ثمرہ میں ان کی ذریت ہمیشہ کے لئے ان چیزوں میں گرفتار ہوگی

اب اس کے بعد نوح علیہ السلام پر نظر کرو کہ تمام رسولوں کی ابتداء دین کی تبلیغ میں کیا کیا مشقتیں انھوں نے برداشت کیں کہ جن کو بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ صرف غیر مناسب ایک کلام زبان سے نکال دیا اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف اعلان کر دیا گیا۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ	سو مجھ سے ایسی بھل چیز کی درخواست مت
اِنِّىْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ	کرو جس کی تمکو خبر نہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں
الْجٰهِلِيْنَ	کہ تم آئندہ نادان نہ بن جاؤ۔

حتیٰ کہ منقول ہے کہ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرم کی بنا پر چالیس سال تک اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ایک لغزش صادر ہوگئی تو کس قدر خوف تضرع

کا اظہار فرمایا۔

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۔ اور جس سے مجھ کو یہ اُمید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔

منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خوف کی شدت کی بنا پر اس قدر رویا کرتے تھے کہ جبریل امین کو آپ کی تسلی کے لئے بھیجا جاتا۔ اور وہ آکر کہتے کہ کیا، کوئی خلیل اپنے کسی خلیل کو نار اور آگ کے ساتھ عذاب دے سکتا ہے۔

اس پر ابراہیم علیہ السلام فرماتے اے جبریل جب اپنی خطا اور لغزش کو یاد کرتا ہوں تو خلت کا واسطہ بھول جاتا ہوں۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو پیش نظر رکھو کہ انہوں نے غصہ میں آکر ایک شخص کے گھونسہ مار دیا تھا تو اس پر اللہ العالمین سے کس قدر آہ و زاری اور استغفار کیا۔ اور دعا کی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ پھر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بلعم بن باعور ایک شخص تھا جس کی کیفیت یہ تھی آسمان کی طرف جس وقت نظر اٹھاتا تھا تو عرش تک اس کو تمام چیزیں نظر آجاتی تھیں۔

اور اللہ تعالےٰ کے اس فرمان

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا اور ان لوگوں کو اس شخص کے حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں۔ پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔

سے یہی مراد ہے — مگر — یہ کہ اس نے صرف ایک مرتبہ اور دنیا والوں کی طرف رجوع کرلیا۔ اور اپنے اولیاء میں سے ایک ولی کے احترام کو ترک کردیا۔ جس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی معرفت چھین لی اور زبان نکالے ہوئے کتے کی طرح اس کو کردیا۔ چنانچہ ارشاد۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے۔

(استغفراللہ) حتی کہ ہمیشہ کے لئے ہلاکت اور گمراہی کی گہرائیوں میں مبتلا ہو گیا اسی کے متعلق میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ ابتدائی معاملہ میں اس کے پاس بارہ ہزار علم حاصل کرنے والے جمع رہتے تھے۔ جو اس کے پاس سے نوٹ کیا کرتے۔ مگر پھر اس کی حالت یہ ہوئی کہ یہی پہلا وہ شخص ہے کہ جس نے یہ کتاب لکھی کہ دنیا اور عالم کا کوئی خالق اور صانع ہی نہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کی بار بار اس کی ناراضگی اور دردناک عذاب اور اس عظیم الشان ذلت اور رسوائی سے جو ہماری قوت اور طاقت سے باہر ہے پناہ مانگتے ہیں۔

اب دنیا کی خباثت اور بدبختی کا مشاہدہ کر لینا چاہیے کہ علماء کرام کو خصوصیت کے ساتھ گمراہ کرتی ہے لہٰذا سوچ اور سمجھ سے کام لینا چاہیے اس لئے کہ معاملہ بہت خطرناک اور زندگی کم اور اعمال میں خامی و کوتاہی۔ وہ اللہ العالمین باخبر ہے۔ اب وہ اگر ہمارے اعمال کو خیریت کے ساتھ پورا فرما دے اور ایسی ہی ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے تو پھر اس پر کوئی مشکل نہیں۔

اس کے بعد داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی سنتے چلو۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی زمین میں خلیفہ آپ سے ایک لغزش صادر ہو گئی کہ جس کی وجہ سے اتنے روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے زمین میں گھانس اگ آئی کہ میرے معبود میری آہ و زاری پر رحم نہیں فرماتا۔ جواب آیا۔ اے داؤد گناہ بھول گیا اور آہ و زاری یاد رہ گئی چنانچہ ان کی توبہ چالیس دن یا چالیس سال تک قبول نہیں ہوئی۔

پھر یونس علیہ السلام کو بے محل غصہ آ گیا۔ تو سمندر کی گہرائیوں میں چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں قید کر دئے گئے اور وہاں سے آپ پکارتے رہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فرشتوں نے آپ کی آواز سنی اور عرض کیا کہ یا اللہ العالمین آواز تو پہچانی جاتی ہے۔ مگر مقام اور جگہ معلوم نہیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا یہ میرے بندہ یونس علیہ السلام کی پکار اور آواز ہے۔ اس پر فرشتوں نے سفارش کی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالےٰ نے جہل کی طرف منسوب کر کے

بغیر نام کے ان کا اس طرح تذکرہ فرمایا۔ وَذَا النُّوْنِ پھر اس کے بعد فرمایا۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ
پھر ان کو مچھلی نے ثابت نگل لیا۔ اور وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ سو اگر وہ اس وقت تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔

اس کے بعد اپنی نعمت اور احسان کا تذکرہ فرمایا کہ

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ
اگر خداوند احسان سے ان کی دستگیری نہ کرتا تو جس میدان میں مچھلی کے پیٹ سے نکل کر ڈالے گئے تھے اسی میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ)

سوائے مسکین اس سیاست کو خوب سمجھ لے بعد یہی سلسلہ سید المرسلین اور اکرم الخلقین تک باقی رہا حتیٰ کہ آپ سے بھی فرمادیا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ
تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے راہ دین پر مستقیم رہیے اور وہ لوگ بھی مستقیم رہیں جو کفر سے توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور دائرہ دین سے نہ مت نکلو یقیناً وہ سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے

حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا
سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھ کو بوڑھا کر دیا۔

مقصود یہ آیت اور اس کے ہم معنی آیات ہیں اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَاسْتَغْفِرْهُ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے مغفرت کے ساتھ انعام فرمایا۔ اور فرمایا۔ لِّيَغْفِرَ لَكَ

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ
اور ہم نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

اور ارشاد فرمایا ۔

لِيَغْفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ — تاکہ اللہ تعالے آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں۔

اس کے باوجود آپ رات کو اس قدر نمازیں پڑھتے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو اگر بالفرض والتقدیر آپ سے ربوبیت کے حقوق ادا کرنے میں کوئی لغزش صادر ہوئی تو تمام اگلی اور پچھلی لغزشوں کو معاف فرما دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا — تو پھر کیا میں اللہ تعالےٰ کا بہت شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے۔

لَوْ اَنِّي وَعِيْسَى اُخِذْنَا بِمَا كَسَبَتْ هَاتَانِ لَعُذِّبْنَا عَذَابًا اَلِيْمًا لَمْ يُعَذِّبْهُ اَحَدٌ فِي الْعَالَمِيْنَ — کہ اگر میرا اور عیسےٰ علیہ السلام کا ہمارے اعمال پر مواخذہ شروع ہو جائے تو عیاذاً باللہ ہم کو ایسا عذاب دیا جائے کہ آج تک عالمین میں سے کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔

اور اس کے باوجود آپ راتوں کو نماز پڑھتے اور روتے اور یہ دعا فرماتے۔

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَبِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ — میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ کے عذاب سے آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی نافرمانی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور آپ سے ہی آپ ہی کے ذریعہ پناہ طلب گار ہوں۔ میں آپ کی ویسی ثنا بیان کرنے سے قاصر ہوں اور آپ ایسے ہی ہیں جیسے خود آپ نے اپنی تعریف بیان فرمائی ہے۔

اور صحابہ کرام جو کہ بہترین امت خیر القرون والے ہیں۔ کچھ مزاق کی کیفیت ان سے ظاہر ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ — کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت

قُلُوْبُھُمْ لِذِكْرِ اللهِ   نہیں آیا کہ انکے دل خدا کی نصیحت کیلئے جھک جائیں۔

اور پھر باوجود اس امت کے حدود اور سیاست کے اعتبار سے مرحوم ہونے کے سزائیں متعین کی گئیں۔ حتیٰ کہ یونس بن عبیدؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ پانچ درہم کے چرانے پر بھی اپنے محترم عضو کے کٹنے سے بے خوف نہ ہونا چاہیئے کہ کہیں اللہ تعالےٰ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔

اسی بنا پر ہم اللہ تعالےٰ سے جبکہ ارحم الراحمین ہے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ محض اپنے رحم وکرم کا معاملہ فرمائے انہٗ ارحم الراحمین۔

اور اب اس کے بعد رجاء اور امید کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت کے متعلق بحث کرنی چاہیئے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اللہ رب العزت کی رحمت کی غایت اور انتہا کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ستر سال کے کفر کو ایک ساعت کے ایمان سے معاف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا   آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ اپنے
یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ   کفر سے باز آجاویں گے تو ان کے سارے گناہ جو اسلام سے پہلے ہو چکے ہیں معاف کردیئے جائیں گے

کیا فرعون کے جادوگروں کا معاملہ تیرے پیش نظر نہیں ہے جو اپنی کل تدابیر سے آراستہ ہو کر آئے اور اس پر فرعون کی عزت کی قسم کھائی جوکہ رب العالمین کا دشمن ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ کرکے پہچان لیا کہ یہی چیز حق ہے اور پکار اٹھے اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے) اور اس کے بعد ان کا اور کوئی نیک کام مذکور نہیں۔ مگر اس کے باوجود دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تعریف کے ساتھ قرآن کریم میں ان کا کس قدر تذکرہ فرمایا ہے۔ اور ایک ساعت کے ایمان سے کتنے صغائر اور کبائر معاف فرمائے۔

بلکہ صرف انھوں نے صدق قلب کے ساتھ یہ جملہ کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مگر یہ کتنا مقبول ہوا اور تمام پچھلی لغزشیں معاف کردی گئیں اور جنت میں ہمیشہ کے لئے شہداء کے سردار بنا دیئے گئے۔ یہ اس شخص کی حالت ہے جوکہ ہر قسم کی گمراہی فسق وفجور اور

جادوگری کے بعد صرف ایک ساعت کے لئے اللہ تعالٰی کو پہچانے اور اس کی توحید بیان کرے۔ تو اس شخص کے ساتھ کیا ہی اچھا برتاؤ کیا جائے گا۔ جو کہ اپنی تمام زندگی اللہ تعالٰی کی معرفت اور اس کی توحید میں صرف کر دے۔ اور اس کے علاوہ دارین میں اس کو کوئی چیز اچھی ہی نہ معلوم ہو۔

اصحاب کہف کو دیکھو کہ انھوں نے اپنی تمام زندگیاں کفر و نفاق میں برباد کر دیں مگر جب وہ اس چیز کے لئے آمادہ ہوئے اور کہنے لگے۔

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا

ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے

اور اللہ تعالٰی کے دربار میں درخواست پیش کی تو کیسے ان کی درخواست قبول ہوئی اور انعامات و اعزاز و اکرام سے ان کو نوازا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ

اور ہم ان کو کبھی داہنی اور کبھی بائیں کروٹ بدل دیتے تھے۔

اور اتنا اعزاز فرمایا اور اس قدر ہیبت و خشیت کا لباس پہنایا کہ اکرم الخلق کو ہی مخاطب کر کے فرما دیا۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا

اگر اے مخاطب تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کی وحشت سما جاتی۔

بلکہ ان کے ساتھ رہنے والے کتے کا بھی کس قدر احترام کیا کہ اپنی کتاب عزیز میں اس کا بار بار تذکرہ فرمایا دنیا میں انہی کے ساتھ مقید کر دیا اور آخرت میں وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ سبحان اللہ رب العالمین کا ایک کتے پر فضل و کرم ہے جو ایسی قوم کے ساتھ تھا جس نے خدا کو پہچانا اور بغیر عبادت کے اس کی معرفت پر چند دن گزار کر چل دی تو جس مسلمان بندہ نے اللہ تعالٰی کی معرفت کی اور اس کو پہچانا اور ستر سال تک اس کی عبادت میں مصروف رہا اس پر فضل کی بارشیں کس قدر ہوں گی ۔۔۔۔۔ اور کیا حال ہوگا اگر وہ ستر ہزار سال تک محض عبادت ہی کی وجہ سے زندہ رہے اس چیز کا خیال نہیں کرتا کہ مجرمین کے لئے ہلاکت اور بربادی کی دعا کرنے پر

ابراہیم علیہ السلام پر خفگی کا اظہار فرمایا۔

اور ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام پر قارون کے معاملہ میں، چنانچہ فرمایا کہ تجھ سے قارون نے مدد طلب کی۔ لیکن تو نے اس کی مدد نہیں۔ میری عزت و کبریائی کی قسم اگر وہ مجھ سے طلب کرتا تو میں اس کی امداد کرتا اور اس کے گناہ معاف کر دیتا۔

اور اس کا مشاہدہ نہیں کرتا کہ یونس علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کی قوم کے بارے میں خفگی کا اظہار فرمایا کہ ایک بیلدار درخت کے متعلق تو افسوس کرتے ہو جو ایک دم اُگتا ہے اور فوراً اسی دیر میں خشک ہو جاتا ہے۔ اور ایک لاکھ یا اس سے زائد افسوس نہیں ہوتا۔ پھر اس کے بعد کتنی جلدی ان کا عذر قبول فرمایا۔ اور ان سے ان کے دردناک عذاب ہٹا لیا۔ اس کے بعد کہ وہ گمراہی کا راستہ اختیار کر چکے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے کس انداز میں وحی نازل فرمائی۔ جبکہ آپ بنی شیبہ کے دروازے میں داخل ہوئے اور وہاں ایک جماعت کو ہنستے ہوئے پایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیوں ہنستے ہو۔ اس کے بعد تم کو ہنستا ہوا نہ دیکھوں۔ پھر جب آپ حجر اسود پر پہنچے تو ان کی طرف ایڑیوں کے بل ہٹے اور فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے ہیں۔ اور انھوں نے کہا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری رحمت سے میرے بندوں کو کیوں مایوس کر دیا۔

نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ — میرے بندوں کو بتلا دو کہ میں غفور رحیم ہوں۔

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِالْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْوَالِدَةِ الشَّفِیْقَةِ بِوَلَدِهَا — اللہ تعالیٰ مومن بندے کے لئے شفیق ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔

اور حدیث مشہور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مِائَةَ رَحْمَةٍ فَوَاحِدَةٌ مِنْهَا قَسَمَهَا بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ فَبِهَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا — اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک رحمت تمام جنات، تمام انسان اور تمام بہائم میں تقسیم فرمائی۔ اسی ایک کے ذریعہ وہ ایک دوسرے

يَتَرَاحَمُونَ وَادَّخَرَ مِنْهَا تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ لِنَفْسِهِ لِيَتَرَحَّمَ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

پر مہربانی اور رحم کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ نے ننانوے اپنے لئے مخصوص فرمالی ہیں جن کے ذریعہ وہ قیامت کے روز اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

سو جبکہ ایک رحمت سے اللہ تعالےٰ نے اپنی معرفت وغیرہ کا تیرے اوپر اس قدر انعام واکرام فرمایا اور اس امت مرحومہ میں سے ہونا اہلسنت والجماعت کی معرفت کیساتھ۔ یہ تمام ظاہری و باطنی نعمتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم سے اس بات کی اُمید کہ وہ ان تمام نعمتوں کو پورا فرمائے اس لئے کہ جو شخص احسان ظاہر کرتا ہے وہ اس کی تکمیل بھی کرتا ہے اور رحمت کے ننانوے حصول میں سے تیرے لئے عظیم الشان دولت حاصل ہو جائے گی۔ غرضیکہ ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنے فضل عظیم کی برکت سے آخرت میں رسوا نہ فرمائے۔ اس لئے کہ وہ سید کریم اور جواد رحیم ہے۔

اصل ثالث آخرت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں

اس کے متعلق پانچ حالتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ موت، قبر، قیامت، جنت اور نار اور ان مقامات میں اطاعت کرنے والوں اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے کیا خطرات ہیں اور ایسے ہی خالی وکوتاہی کرنے والے اور کوشش کرنے والوں کے لئے کن خطرات کا سامنا کرنا ہے۔ ان کا تذکرہ کرنا۔

موت ——— اس کے متعلق دو آدمیوں کی حالت پیش نظر رکھنا چاہیئے ایک تو وہ ہے جو کہ ابن شبرمتہؒ سے منقول ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں شعبیؒ کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کرنے کے لئے گیا۔ اس کے اوپر کچھ حالت طاری تھی۔ سو ظاہر ہے اور اس کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کی تلقین کر رہا تھا۔ شعبیؒ نے اس شخص کو مخاطب کرکے کہا کہ کچھ نرمی کے ساتھ تلقین کرو۔ یہ سن کر مریض بول اُٹھا کہ آپ تلقین کریں یا نہ کریں۔ میں اس کلمہ کو کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر یہ آیت کا ٹکڑا پڑھا۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور اس کے اہل ہیں۔

یہ سن کر شعبی ؒ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا ہے کہ جس نے ہمارے دوست اور ساتھی کو اپنی نجات اور حفاظت میں رکھا اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فضیل بن عیاض ؒ کے شاگرد کے انتقال کا وقت قریب آ گیا فضیل بن عیاض اس کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھ کر سورۂ یٰسین کی قرأت شروع کر دی۔ شاگرد بولا۔ استاد یہ سورت نہ پڑھیے فضیل خاموش ہو گئے اور اس کے بعد اس کو تلقین شروع کی اور فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں اس سے بری ہوں اور یہ جملہ کہہ کر وہ انتقال کر گیا۔ اس کے بعد فضیل بن عیاض اپنے مکان میں تشریف لے آئے اور چالیس روز تک برابر روتے رہے۔ مکان سے باہر نہیں نکلے۔ اس کے بعد اس شخص کو خواب میں دیکھا کہ اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ حضرت فضیل نے دریافت کیا کہ کس بنا پر اللہ تعالےٰ نے تجھ سے ایمان کی معرفت کو چھین لیا اور میرے شاگردوں میں تیرا مقام بہت بلند تھا اس نے جواب دیا تین چیزوں کی بنا پر ایک تو چغلخوری۔ اس لئے کہ میں اپنے ساتھیوں کو وہ باتیں کہتا تھا جو کہ آپ سے نہیں کہتا تھا دوسرے حسد کی بنا پر کیونکہ میں اپنے ساتھیوں پر حسد کیا کرتا تھا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مجھ کو بیماری تھی۔ میں طبیب کے پاس آیا اور اس سے اس کے علاج کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ہر سال ایک شراب کا پیالہ پیا کرو۔ ورنہ یہ بیماری اور علت باقی رہے گی۔ تو میں عیاذاً باللہ اس کی نارافگی کی بنا پر کہ جس کی ہمارے اندر قوت اور طاقت نہیں پیا کرتا تھا۔ الغرض اس کے بعد دو شخصوں کی حالت پر اور غور کرو۔ اول تو عبداللہ بن مبارک کے متعلق مروی ہے کہ جب انکے انتقال کا وقت قریب آیا۔ تو انھوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور مسکرائے اور اس کے بعد فرمایا۔

لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ

اور میں نے امام الحرمین سے سنا کہ وہ استاد ابی بکر سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے

فرمایا تعلیم کے زمانہ میں میرا ایک ابتدائی ساتھی تھا اور وہ تعلیم میں بہت کوشش کرتا اور اس کے باوجود نہایت متقی اور عبادت گذار تھا مگر ان تمام کوششوں کے باوجود علم میں زائد کمال نہ پیدا ہوتا تھا۔ ہمیں اس کی اس حالت پر تعجب ہوتا۔ چنانچہ وہ بیمار ہوگیا۔ اور بیماری کے زمانہ میں اولیا کرام ہی کے محیط میں رہا۔ بیماروں کے مکان میں نہیں گیا اور بیماری میں سعی وکوشش جاری رکھی۔ اچانک اس کی حالت بہت نازک ہوگئی اور میں اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں اس نے اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی اور کہا ابن فورک۔ (لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ) اور اسی وقت انتقال کرگیا۔ رحمۃ اللہ (سبحان اللہ)

اور دوسرا واقعہ مالک بن دینارؒ سے منقول ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کے انتقال کا وقت قریب تھا اس نے مالک بن دینار کو دیکھ کر کہا کہ میرے سامنے دو آگ کے پہاڑ ہیں کہ ان پر مجھے چڑھنا دشوار ہو رہا ہے۔ ابن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کے گھر والوں سے دریافت کیا معلوم ہوا کہ اس کے پاس دو پیمانے تھے کہ ایک سے تو چیزیں ناپ کر دیتا تھا۔ اور دوسرے سے وصول کیا کرتا تھا۔ ابن دینار کہتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو منگوایا۔ اور ایک کو دوسرے پر مار کر توڑ دیا۔ اس کے بعد اس شخص سے دریافت کیا اس نے جواب دیا کہ کمی کے علاوہ زیادتی ہی زیادتی نظر آتی ہے۔ (واللہم احفظنا)

قبر اور موت کے بعد کی حالت

اس جزئی کے ماتحت ہمیں دو شخصوں کی حالت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ بعض صالحین سے منقول ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوری کے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا۔ میں نے دریافت کیا۔ ابو عبداللہ کیسی حالت ہے۔ انھوں نے اعراض کیا اور فرمایا یہ کنیتوں سے یاد کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا۔ سفیان کیسی حالت ہے۔ انھوں نے اس کے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

میں نے اپنے پروردگار کی طرف ظاہری طور پر دیکھا تو اللہ العالمین نے فرمایا۔ اے

ابن سعید میری رضا اور خوشنودی تجھے مبارک ہو۔ رات کی تاریکیوں میں شوق کے آنسو اور پریشان دل کے ساتھ بیدار رہتا تھا۔ لہٰذا جونسا محل پسند ہو وہ منتخب کرے۔ اور میری زیارت کرتا رہے کہ میں تجھ سے دور نہیں ہوں۔

اور دوسرا شخص تو بعض حضرات کو خواب میں دیکھا گیا کہ ان کی رنگت بدلی ہوئی ہے اور دونوں ہاتھ گردن میں بندھے ہوئے ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ اس پر انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

کہ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ہم اس پر غلبہ کر کے اس کے ساتھ کھیلتے تھے اور یہ زمانہ ہمارے ساتھ کھیل کرتا ہے اور اب دو آدمیوں کی حالت اور سن۔ اور ایک تو بعض صالحین سے منقول ہے کہ ان کے ایک لڑکا تھا اور وہ شہید کر دیا گیا۔ اور پھر اس کو اس رات تک کہ جس میں عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا خواب میں انہیں دیکھا۔ اسی رات انھوں نے خواب میں دیکھا۔ دریافت کیا اے لڑکے کیا تو نے انتقال نہیں کیا۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ مجھ کو تو شہید کیا گیا تھا اور میں زندہ ہوں۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے رزق ملتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ تو کیوں آیا ہے۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ تمام آسمانوں میں اعلان ہوا ہے کہ کوئی نبی صدیق اور شہید ایسا باقی نہ رہے۔ جو عمر بن عبدالعزیز کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہو۔ تو میں نماز جنازہ میں شرکت کے لئے آیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ کو سلام کرنے آیا ہوں۔

اور دوسرا واقعہ ہشام بن حسانؒ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک جوان لڑکا انتقال کر گیا میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اس پر بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہیں یہ دیکھ کر میں نے دریافت کیا کہ اے لڑکے یہ بڑھاپا کہاں سے آگیا۔ اس نے جواب دیا کہ جب ہمارے پاس فلاں شخص آیا تو اس کے آنے کی وجہ سے دوزخ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کہ جس کی بنا پر سب بڈھے ہوگئے (اعاذنا اللہ من نار جہنم)

قیامت

اس کے متعلق اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا

جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دارالنعم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔

ایک شخص تو قبر سے اس حالت میں اُٹھے گا کہ براق تیار ہوگی اور تاج وجوڑے موجود ہوں گے کہ جن کو پہن کر وہ جنت نعیم تک جائے گا۔ اور اس کا اعزاز اس قدر ہوگا کہ جنت تک پیادہ بھی نہ جائے گا اور دوسرا شخص وہ ہوگا کہ قبر سے اس حال میں نکلے گا کہ زبانیہ اور بیڑیاں اور رسے موجود ہوں گے اور اس کو دوزخ تک پیادہ جانے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ منہ کے بل دوزخ تک اس کو گھسیٹا جائے گا (ہم اللہ تعالےٰ کی بارگاہ اس کی ناراضیوں سے پناہ مانگتے ہیں)۔

اور میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب قیامت قائم ہوگی تو ایک جماعت اپنی قبروں سے نکلے گی۔ ان کے لئے باہر ایسی سواریاں ہونگی کہ جن کے سبز پر ہوں گے اور یہ جماعت ان پر سوار ہو جائے گی تو یہ قیامت کے گوشوں میں لے کر ان کو اڑیں گی ـــــ جب جنت کی دیواروں کے قریب آئیں گے اور فرشتے ان کو دیکھیں گے تو بعض بعض سے کہیں گے کہ یہ کون ہیں۔ فرشتے کہیں گے معلوم نہیں شاید کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں۔

چنانچہ بعض فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور دریافت کریں گے کہ تم کون ہو اور کون سے نبی کی امت ہو۔ یہ جواب دیں گے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ہیں اب فرشتے دریافت کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ہو چکا۔ یہ جواب دیں گے نہیں۔ پھر فرشتے کہیں گے تمہارے اعمال کا وزن ہو گیا۔ یہ اس پر کہیں گے نہیں نہیں۔ اس کے بعد دریافت کریں گے کہ تم نے اپنے نامہ اعمال پڑھ لئے۔ یہ اس پر بھی انکار کر دیں گے تو پھر فرشتے کہیں

کہ واپس ہو جاؤ۔ یہ تمام چیزیں تمہارے پیچھے ہیں۔ اس پر یہ جواب دیں گے کہ ہم کو کوئی چیز ایسی نہیں دی گئی کہ جس پر ہمارا حساب ہو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ کہیں گے ہم تو کسی چیز کے مالک ہی نہیں ہوئے کہ جس کی وجہ سے ہمارے ساتھ عدل یا ظلم کا معاملہ کیا جائے۔ بلکہ ہم تو جب تک پروردگار نے بلایا اسی کی عبادت میں مصروف رہے۔ جب بلایا سو آ گئے۔ تو ایک منادی اللہ تعالیٰ کے جانب سے ندا کرے گا کہ میرے بندوں نے سچ کہا۔ اور مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں سنا۔

أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا اس شخص سے بہتر ہو سکتا ہے جو قیامت کے روز امن کی حالت میں آئے گا۔

سو کس قدر عظیم الشان وہ انسان ہوگا کہ جس نے ان تمام مصیبتوں اور زلزلوں اور واقعات کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اور پھر بھی وہ بے خوف رہے گا اور اس کے قلب پر کسی قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ بھی نہ محسوس ہوگی۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور آپ کو ان شہداء میں سے کر دے۔ اور یہ چیز اس ارحم الراحمین پر کوئی مشکل نہیں۔

جنت اور دوزخ

اس کے متعلق تو صرف قرآن کریم کی ان دو آیتوں پر غور کر لینا چاہیئے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا

اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دیگا جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش جو دنیا میں کرتے تھے مقبول ہوئی۔

اور دوسرے دوزخیوں کی حالت کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ

اے ہمارے رب ہم کو اس جہنم سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم بیشک قصور وار ہیں ارشاد ہو گا کہ اسی جہنم میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

منقول ہے کہ اس وقت یہ کتے بنا دئے جائیں گے جو دوزخ میں شور مچاتے ہوں گے (اعاذنا اللہ من ذلک) غرضکہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یحییٰ بن معاذ الرازی نے فرمایا کہ معلوم نہیں دو مصیبتوں میں سے کونسی مصیبت سخت اور دشوار ہے جنت کا فوت ہو جانا یا دوزخ میں داخلہ۔ جنت سے صبر نہیں ہو سکتا اور دوزخ کی مشقتیں برداشت نہیں کی جا سکتیں۔ اور ہر حال میں نعمتوں کا فوت ہو جانا جہنم پر قیاس کرتے ہوئے بہتر ہے۔ پھر طامت کبریٰ اور عظیم الشان مصیبت یہ ہے کہ دوزخ میں جلنے کے بعد خلود اور ہمیشگی ہے۔ اگر یہ سلسلہ کبھی ختم ہو جاتا تو اس میں پھر آسانی اور سہولت تھی۔ لیکن معاملہ تو اس کے برخلاف ہے۔ کونسا قلب ان مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے اور کس کا نفس ان پر صبر کر سکتا ہے اسی بنا پر عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا ہمیشہ رہنے کا تذکرہ یہ ڈرنے والوں پر شاق گزرتا ہے اور حسنؓ کے سامنے تذکرہ کیا گیا کہ دوزخ میں سب سے آخر میں جو شخص نکلے گا۔ اس کا نام هناد ہو گا کہ ایک ہزار سال اس کو عذاب دیا جا چکا ہو گا۔ وہ پکارے گا یا حنان یا منان۔

یہ سن کر حضرت رو پڑے اور فرمانے لگے کاش میں هناد ہو جاؤں۔ حاضرین کو ان کے اس جملہ پر تعجب ہوا۔ اس پر حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ افسوس ہے تم پر دوزخ سے تو کوئی دن بھی نکلنے کے قابل نہیں ہو گا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ایک ہی اصلیت پر رجوع کرتی ہیں اور یہ اصلیت وہ ہے کہ جس سے کمریں جھک جاتی ہیں۔ اور چہرے زرد اور معدے بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور قلوب پھٹ جاتے ہیں اور بندوں کی آنکھوں سے

آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ وہ چیز معرفت اور ایمان کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہے یہ وہ انتہائی مقام ہے کہ جس پر خائفین کا خوف آکر ختم ہو جاتا ہے اور رونے والوں کی آنکھیں آنسو بہا دیتی ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا غم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو طاعت کا غم کہ کہیں وہ مقبول نہ ہو۔ دوسرے معصیت اور گناہوں کا غم کہ کہیں ان کی مغفرت اور بخشش نہ ہو اور تیسرے ایمان اور معرفت کے سلب اور ختم ہو جانے کا غم ہے۔

اور مخلص حضرات نے فرمایا ہے کہ غم تو حقیقت میں ایک ہی ہے وہ معرفت اور ایمان کے سلب ہو جانے کا غم ہے اور تمام غم اس کے سامنے ہلکے ہیں اس لئے کہ ان کا تدارک ہو سکتا ہے۔

اور یوسف بن اسباط سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ سفیان ثوری کے پاس تشریف لے گئے۔ سفیان پوری رات روتے رہے۔ یوسف بن اسباط نے کہا یہ تمام آہ و زاری گناہوں پر ہے۔ اس پر بیان کیا کہ ہم بھی توبہ پر آمادہ ہو گئے اور فرمایا گناہوں کی معافی تو اللہ تعالےٰ پر اس سے بہت آسان ہے۔ مجھے تو اس کا خدشہ اور خوف ہے کہ کہیں مجھے اسلام کی دولت سے نہ محروم کر دیا جائے۔ ہم اپنے رب منان سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو وہ مصیبتوں میں نہ گرفتار کرے اور ہم پر اپنے فضل سے بہت نعمتیں نازل فرمائے اور ملت اسلام پر ہمارا خاتمہ فرمائے بیشک وہ ارحم الراحمین ہے اور ہم نے سوئے خاتمہ کے اسباب اور اس کے معانی کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کر دئے ہیں۔ لہذا ان اشیاء کو خوب سمجھ لینا چاہیئے اور زائد غور و خوض میں تفصیل کی حاجت ہے اور تفصیلات میں اکثر اوہام پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی مدد اور حسن توفیق کے ساتھ ان ہی پر کاربند ہو جانا چاہیئے۔

اب اس کے بعد اگر دریافت کیا جائے کہ خوف یا رجا کے راستوں میں سے کونسا راستہ اتباع کے قابل ہے۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ دونوں سے مرکب طریقہ ہی سلوک کے قابل ہے اس لئے کہ جس شخص پر رجا کا غلبہ ہو گیا تو امیدوں ہی میں بیٹھا رہے گا کہ جس

سے اس کے محروم ہو جانے کا خدشہ ہے اور جس شخص پر صرف خوف ہی غالب آ جائے تو وہ خارج ہو جائے مقصود ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہ ہو۔

اس لئے کہ حقیقت میں رجاء حقیقی خوف حقیقی سے اور ایسے خوف حقیقی رجاء حقیقی سے نہیں جدا ہو سکتا۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ تمامتر رجا اہل خوف ہی میں پائی جاتی ہے۔ امن اور بے خوفی سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور ایسے ہی خوف وجاب رجا ہی میں پایا جاتا ہے۔ مایوسی میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

اب دونوں پہلوؤں میں ایکدوسرے سے بہتر۔ یا کسی قوت بھی تذکرہ کے اعتبار سے زیادتی کا مستحق ہے یا نہیں تو اس کے متعلق یوں سمجھو کہ بندہ جس وقت قوی اور طاقتور رہو تو خوف اس کے لئے زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے اور جب کمزور اور ضعیف ہو جائے اور خصوصیت کے ساتھ آخرت کی طرف متوجہ ہو تو اس وقت رجا اولیٰ ہے۔ علماء کرام سے یہی چیز سننے میں آئی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں اسی وجہ سے منقول ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے میں ان حضرات سے جن کے دل میری خشیت اور خوف کی وجہ سے شکستہ ہیں بہت قریب ہوں۔ تو اس وقت رجاء اولیٰ اور بہتر ہے ان کے قلوب کے شکستہ ہونے اور سابقہ خوف کی بنا پر جو کہ صحت وقوت اور قدرت کے زمانہ میں کیا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا۔

لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی خوف اور حزن نہ کریں۔

اب اگر دریافت کیا جائے کہ کیا بہت سی احادیث اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنے اور اس کی ترغیب کے متعلق نہیں منقول ہوئی ہیں سوان کا کیا محل تعیین کیا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اس کی معصیت و نافرمانی سے بچنا اور اس کے عذاب وعقاب سے خوف کرنا ہے اور اس کی خدمت میں سعی و کوشش کرنا ہے۔

اس مقام پر ایک لطیف اور عجیب نکتہ ہے کہ جس میں اکثر عوام غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ رجاء اور تمناؤں کے درمیان فرق ہے کہ رجا کسی اصلیت اور بنیاد کے بعد متحقق ہوتی ہے اور تمنا بغیر اصل اور بنیاد کے موجود ہو سکتی ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے کھیتی کی اور بیج وغیرہ جمع کئے اور کوشش کی پھر کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اس میں سو قفیز غلہ کی پیداوار ہو تو یہ رجا ہے۔

اور دوسرا شخص کھیتی وغیرہ کچھ نہیں کرتا۔ اور کام کاج کچھ نہیں کرتا۔ اور سارا سال بے فکری اور غفلت میں گذار دیتا ہے۔ جب کٹائی کا وقت آتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ سو قفیز اس میں پیداوار ہو تو اس شخص سے کہدیا جائے گا کہ یہ رجا نہیں، بلکہ یہ تو محض بے بنیاد تمنائیں ہیں۔

یہی حالت اس بندہ کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت سعی و کوشش کے ساتھ کرتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی سے باز رہتا ہے پھر کہتا ہے کہ میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اس تھوڑی سی عبادت کو قبول فرمائے اور ان کوتاہیوں کو پورا فرمائے اور اس پر زیادہ عطا فرمائے اور ہر قسم کی لغزشیں معاف فرمائے اور اس کے ساتھ حسن ظن بھی رکھے تو یہ بندہ کی رجا ہے۔

اور اگر غفلت اختیار کرے اور طاعات کو چھوڑ دے اور اس کے ساتھ معصیت کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و ناراضی اور وعدے وعید کی کوئی پرواہ نہ کرے پھر کہنے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے جنت ملنے اور دوزخ سے چھٹکارے کی امید ہے سو یہ محض آرزوئیں ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں اس کا نام حسن ظن اور رجا رکھنا یہ سراسر غلطی اور گمراہی ہے

اسی کے ہم معنی کسی نے خوب کہا ہے

نجات کی امید اور اس کے راستوں پر عمل بھی نہیں کیا۔ کشتی خشکی میں کیسے چل سکتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ اس اصل کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

الکیّس من دان نفسه وعمل	سمجھدار انسان وہ ہے جو اپنے نفس کی نگہداشت
لِمَا بَعْدَ الموت وَالعاجز مَنِ	رکھے اور مرنے کے بعد کے لئے تیاری کرے اور
اتّبعَ نفسه هواها وَتَمنّٰی	جاہل انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات

لیٰ اللہ عزوجلّ الامانی — کے تابع رکھے اور وہ اللہ تعالیٰ کو امیدیں لگائے رکھے

اسی بنا پر حسن بصری نے فرمایا ہے کہ ایک جماعت ایسی ہے جس کو آرزوؤں نے مغفرت اور بخشش کے وساوس میں مبتلا کر دیا تھی کہ دنیا سے افلاس کی حالت میں گئے اور ان کے پاس ایک نیکی بھی نہیں۔ تو اب کسی کا کہنا کہ میں اپنے پروردگار سے حسن ظن رکھتا ہوں۔ یہ جھوٹ ہے اگر اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا، تو اس کے لئے بہترین اعمال کرتا۔ اس کے بعد خداوند عالم کا یہ ارشاد تلاوت کیا۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا — جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کا خواستگار اس کو نیک اعمال کرنے چاہئیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ — اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا اور پھر تم خسارہ میں پڑ گئے۔

اور جعفر ضبعی سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو میسرۃ العابد کو دیکھا کہ محنت اور مشقت کی بنا پر ان کی پسلیاں ظاہر ہوگئی تھیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے۔ وہ ناراض ہو گئے اور فرمایا۔ میرے اندر آپ کو ایسی کیا چیز نظر آئی جو مایوسی پر دلالت کرتی ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ — اللہ کی رحمت تو نیکو کاروں سے قریب ہے۔

جعفر بیان کرتے ہیں کہ مجھے ان کے اس قول سے رونا آگیا۔ غرضکہ جب تمام رسول اور ابدال اور اولیاء کرام اس قدر طاعات میں کوشش کرنے اور معاصی سے بچنے کے باوجود قلق ہیں۔ سو ان اشیاء کے باوجود تمہارا یہ خیال ہے کہ ان حضرات کو حسن ظن نہیں۔ یہ چیز ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے جود و کرم پر بخوبی حسن ظن رکھنے والے ہیں۔ لیکن انھوں نے یہ بات سمجھی کہ بغیر کوشش کے محض تمنائیں اور غرور ہے اس نکتہ کا اعتبار کرو اور ان کی حالت کے متعلق غور و خوض کرو اور بیداری اختیار کرو باقی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

فصل۔ خوف ورجا پیدا کرنے کا طریقہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تو اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے پر غور کرے اور اس کے تمام اشیاء پر عام ہونے کو دیکھے اس کے بعد اپنے کو امت مرحومہ و مکرمہ میں سے ہونے کے متعلق نظر کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کمال جود و کرم اور اللہ تعالیٰ کے عنوان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ دیکھے اور اللہ تعالیٰ کی بکثرت تیرے ساتھ تائید کا شامل ہونا اور بغیر شفیع اور کسی احسان کے ظاہری و باطنی طور پر تیرے اوپر نعمتوں کی بارش ہونا۔ ان تمام اشیاء کو ملحوظ رکھے اور دوسری جانب کمال عظمت و سلطنت ہیبت اور کبریائی کو ملحوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے اس غضب پر نظر کرے کہ جس کے بعد آسمان و زمین قائم نہیں رہ سکتے اور اس کے بعد تیری غفلت، گناہوں کی کثرت اور سرکشی کاموں کی باریکی اور معاملات کے خطرناک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے علم کا محیط ہونا اور عیوب پر باخبر ہونا ہے۔ اور پھر اللہ رب العزت کے وہ وعدے اور ثواب کہ جن کی حقیقت تک عقلوں کی رسائی ناممکن ہے۔

اور دوسری جانب اس کی وعیدات کی سختی اور ایسا دردناک عذاب کہ جس کو قلوب برداشت کرنے سے عاجز ہیں۔ غرض کہ ان تمام اشیاء کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کے فضل پر اور کبھی اس کے عذاب و عقاب پر اور ایسے ہی اس کی رأفت و رحمت اور دوسری جانب اپنے نفس کی سختی اور سرکشی پر نظر ہونی چاہیئے۔ جب یہ تمام چیزیں پیدا ہو جائیں گی تو اس کی وجہ سے خوف اور رجا دونوں پہلو حاصل ہو جائیں گے۔ اور اب تو سیدھے اور منصفانہ راستہ عمل پر ہو کر ہلاک ہونے والے پہلوؤں یعنی ناامیدی اور بے خوفی سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور گشت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہونے سے محفوظ ہو جائے گا اور گویا کہ عدل اور انصاف سے ملا ہوا پیالہ تو پی جائے گا کہ جس کے بعد رجا کی برودت اور ایسے ہی محض خوف کی حرارت کوئی نقصان دہ ثابت نہ ہوگی اور منزل مقصود تک تیری رسائی اور ان دونوں علتوں سے سلامتی حاصل ہوگی اور اب نفس کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ طاقت

کے لئے تیار اور بغیر غفلت و سرکشی کے رات دن خدمت الٰہی میں مصروف رہے گا اور معاصی اور رسوائی کی چیزوں سے ایکدم باز رہ کر ان کو قطعی طور پر چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ نوف بکالی جب جنت کا ذکر فرماتے تو ان کا شوق بڑھ جاتا۔ اور ایسے ہی جب دوزخ کا تذکرہ کرتے تو غفلت طاری ہو جاتی۔

اور اس وقت تو ان خاص عابدین میں سے ہو جائے گا کہ جن کی حفاظت اللہ تعالٰی نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ	یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور
وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا	امید و بیم کے ساتھ ہماری عبادت کرتے تھے اور
لَنَا خَاشِعِينَ	ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

اور اللہ رب العزت کے فضل اور اس کی حسن توفیق کے ساتھ اس عظیم الشان گھاٹی کو بھی تو نے عبور کر لیا اور کس قدر دنیا میں حلاوت اور پاکیزگی اور ایسے آخرت میں ثواب و اجر کے ذخیرے تیار کر لئے۔ آخر میں ہم اللہ سبحانہ و تعالٰی سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنے حسن توفیق کے ساتھ قوت عطا فرمائے۔ بیشک وہ ارحم الراحمین ہے اور اجود الاجودین ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چھٹا باب برائیوں کی گھاٹی

اللہ تعالٰی تمہیں اور ہمیں حسن توفیق عطا فرمائے جب دین کا راستہ صاف اور ظاہر ہو گیا تو اب انہی کوششوں کو جدا کرنا اور مفسدات سے اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اور یہ چیز اخلاص کو لازم پکڑنے اور منت کے تذکرہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور ان کے اضداد سے اجتناب صرف دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان افعال میں فائدہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالٰی کی جانب سے اچھائی کے ساتھ قبول کرنا اور اس پر ثواب عطا ہونا، ورنہ اگر ثواب کل یا بعض تقسیم کر دیا جائے تو یہ چیز مردود ہو جائے گی۔ جیسا کہ خبر مشہور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالٰی فرماتا ہے۔

أنا أغنى الأغنياء عن الشرك من عمل عملاً فأشرك فيه غيري فنصيبي له فإني لا أقبل إلا ما كان لي خالصا

میں لوگوں کے شرک سے بالکل بے نیاز ہوں۔ جو شخص عمل میں میرے علاوہ کسی کو کیا شرک تو گویا اس نے میرا حصہ بھی اُسے دے دیا میں ہرگز اس وقت تک کوئی عمل قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص نہ ہو۔

اور نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندہ سے جبکہ وہ اپنے اعمال پر ثواب کی درخواست کرے گا۔ فرمائے گا کیا تیرے لئے مجالس میں کشادگی نہیں کی گئی۔ کیا تجھے دنیا میں سرداری حاصل نہیں ہوئی۔ کیا تیری بیع و شرا میں رخصت نہیں دی گئی۔ یا اس کی وجہ سے تیری عظمت و بڑائی نہیں کی گئی غرضکہ اس قسم کے خطرات اور نقصانوں کا تذکرہ فرماتا ہے۔

ریار کی مصیبتیں

امام غزالی فرماتے ہیں ریار کے خطرات دو قسم کی رسوائیاں اور مصیبتیں ہیں۔ ایک رسوائی تو تمام فرشتوں کی موجودگی میں عیوب کا فاش ہو جانا ہے اس لئے منقول ہے کہ فرشتے بندہ کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس خوشی اور مسرت کے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اعمال کو سجین والوں کے پاس لے جاؤ۔ اس لئے کہ ان سے میری ذات مقصود نہ تھی تو اس وقت یہ عمل بھی اور بندہ بھی فرشتوں کے سامنے رسوا اور ذلیل ہو جاتا ہے۔

اور دوسری رسوائی قیامت کے دن علیٰ رؤس الاشہاد ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

إن المرائي ينادى يوم القيامة بأربعة أسماء يا كافر يا فاجر يا غادر يا خاسر ضل سعيك وبطل أجرك فلا خلاق لك اليوم التمس الأجر ممن كنت تعمل له يا مخادع

ریاکار کو قیامت کے روز چار ناموں کے ساتھ یاد کیا جائے گا کہ اے کافر، فاجر، غادر، خاسر تیری کوشش برباد اور تیرا ثواب ضبط۔ آج تیرا کوئی حصہ نہیں۔ اے دھوکہ باز جس کے لئے تو اعمال کیا کرتا تھا۔ اسی سے ثواب بھی حاصل کر۔

اور منقول ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی اس طرح اعلان کرے گا کہ جس کو تمام مخلوق سن لے گی کہاں ہیں وہ لوگ جو کہ انسانوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کھڑے ہو جائیں۔ جن کے لئے اعمال کرتے تھے انہی سے اس کا ثواب لیں۔ میں تو جس عمل میں کوئی چیز غلط ہو جائے اس کو قبول نہیں کرتا اور مصیبتیں سوان میں سے ایک تو جنت کا فوت ہو جانا ہے اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

إنَّ الجَنَّةَ تَكَلَّمتْ وَقَالَتْ انا	جنت بول اٹھے گی اور اعلان کرے گی
حَرَامٌ عَلىٰ كُلِّ بَخِيلٍ وَ مُرَاءٍ	کہ میرا داخلہ ہر بخیل اور ریاکار پر حرام ہے۔

حدیث میں دو معنے کا احتمال ہے ایک ۔تو بخیل سے مراد وہ شخص ہے جو کہ نیک بات سے بخل کرے اور وہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ریاکار سے وہ مراد ہے جو کہ بہت ہی قباحت کے ساتھ ریا کرے اور یہ منافق ہے جو کہ اپنے ایمان اور توحید کی نمائش کرتا ہے

اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بخل اور ریاء سے نہ باز آئے اور نفس کی اس میں رعایت نہ کرے تو اس میں دو قسم کے خطرے ہیں کہ ان اشیاء کی بدبختی اس کو کفر کی گھاٹی میں ڈال دے کہ جس کی بنا پر جنت ہاتھ سے جاتی رہے (عیاذاً باللہ) اور دوسرے اس سے ایمان کا سلب ہو جانا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی ناراضگی اور عقاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور دوسری مصیبت وہ دوزخ میں داخل ہونا ہے کیونکہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح نقل کرتے ہیں۔

أوَّلُ مَنْ يُدْعَىٰ يَوْمَ القِيٰمَةِ رَجُلٌ قَدْ	قیامت کے روز سب سے پہلے تین شخص طلب
جَمَعَ القُرْآنَ وَرَجُلٌ قَدْ قَاتَلَ فِي	کئے جائیں گے، قاری قرآن۔ مجاہد فی سبیل اللہ اور
سَبِيْلِ اللهِ وَرَجُلٌ كَثِيْرُ المَالِ فَيَقُولُ	مالدار۔ قاری سے خدا تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کیا
اللهُ تَعَالىٰ لِلْقَارِي الم اُعَلِّمْكَ مَا	میں نے تجھے اپنا وہ کلام نہیں سکھایا تھا جو میں نے
اَنْزَلْتُ عَلىٰ رَسُوْلِيْ فَيَقُوْلُ بَلىٰ يَا رَبِّ	اپنے رسول پر اتارا تھا۔ وہ جواب دیگا اے میرے

قمت به آناء الليل و أطراف النهار
فيقول الله كذبت وتقول الملائكة
كذبت فيقول الله سبحانه بل
اردت ان يقال فلان قارئ
فقد قيل ذلك

سب کچھ نہیں ۔ ارشاد ہوگا جو تو جانتا تھا اس پر
تونے کتنا عمل کیا وہ کہے گا میں دن رات قرآن
پڑھتا رہا ہوں۔ خدا تعالی اور فرشتے بھی اس کی
تکذیب کریں گے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔
تیری غرض تو یہی کہ دنیا تجھے قاری کہے۔ تو تجھے
ایسا کہا جا چکا۔

ويؤتى لصاحب المال فيقول له الم اوسع
عليك حتى لم ادعك تحتاج الى احد
فيقول بلى يا رب فيقول له فما عملت فيما
آتيتك فيقول كنت اصل الرحم واتصدق
فيقول الله كذبت وتقول الملائكة
كذبت فيقول الله سبحانه بل اردت ان
يقال انه جواد فقد قيل ويؤتى بالذى
قتل فى سبيل الله فيقول الله ما فعلت
فيقول امرت بالجهاد فى سبيلك
فقاتلت حتى قتلت
فيقول الله كذبت وتقول الملائكة
كذبت ويقول الله بل اردت ان
يقال فلان جرئ و شجاع فقد
قيل ذلك ثم ضرب رسول الله
صلى الله عليه وسلم بيده
على ركبتى وقال يا ابا هريرة
اولئك اول خلق الله يسعر

مالدار کو بلایا جائے گا اور اس سے کہا جائیگا
کیا میں نے تجھ پر مال کی وسعت نہ کی تھی۔ کیا
میں نے تجھے دوسروں کا محتاج بنانے سے محفوظ
نہ رکھا تھا۔ وہ کہے گا میرے خداوندا کیوں نہیں
ارشاد ہوگا۔ میں نے تجھے جو مال عطا کیا تھا تو نے
اس کا کیا کیا۔ وہ جواب دیگا۔ میں صلہ رحمی اور
صدقہ کیا کرتا تھا۔ خدائے عزوجل بھی اور فرشتے
بھی اس کی تکذیب کرینگے اور خدا تعالے ارشاد
فرمائیگا تیری غرض تو یہی کہ دنیا تجھے سخی کہے تو وہ تجھے
حاصل ہو چکی۔ پھر جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہے
اسے طلب کیا جائے گا۔ اللہ تعالی اس سے ارشاد فرمائیں
گے تو نے دنیا میں کیا کیا وہ عرض کرے گا تو نے اپنی راہ
میں جہاد کا حکم دیا تھا۔ میں نے قتال کیا حتی کہ خود بھی
مقتول ہو گیا۔ اللہ تعالی اور فرشتے اس کی تکذیب
کریں گے۔ اللہ تعالے فرمائے گا۔ تیری غرض تو یہی
کہ دنیا تجھے جری اور شجاع کہے وہ تیری غرض حاصل
ہو چکی۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ

بہم نار جہنم — علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے گھٹنے پر مارا اور فرمایا اے ابو ہریرہ یہ اللہ کی پہلی مخلوق ہے جن سے دوزخ کی آگ بھڑکے گی

اور ابن عباس سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرما رہے تھے۔

اِنَّ النَّارَ وَاَهْلَهَا يَعْجُوْنَ مِنْ اَهْلِ — دوزخ اور دوزخی ریاوالوں کو بھڑک اٹھیں گے
الرِّيَاءِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَعِجُّ النَّارُ — عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیسے دوزخ بھڑکے گی۔
قَالَ مِنْ حَرِّ النَّارِ الَّتِيْ يُعَذَّبُوْنَ بِهَا — فرمایا اس آگ کی شدت کی وجہ سے جس سے انھیں عذاب دیا جائے گا۔

غرض کہاں ریا کیوں اور دوزخوں میں عقل والوں کیلئے عبرت کا مقام ہے

اخلاص اور ریار کی حقیقت اور ان کا حکم اور عمل میں ان کا اثر

اخلاص کی ہمارے علماء کرام کے نزدیک دو قسمیں ہیں۔ ایک عمل کا اخلاص اور دوسرے طلب ثواب کا اخلاص۔ اخلاص عمل تو اللہ کے تقرب کا ارادہ کرنا اور اس کے امر کو بڑا سمجھنا اور اس کی دعوت پر لبیک کہنا ہے اور اس چیز پر آمادہ کرنے والی شے وہ اعتقاد صحیح ہے اور اس اخلاص کی ضد نفاق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں سے اپنا علاقہ اور تعلق قائم کرنا ہے۔ ہمارے شیخ رح نے فرمایا ہے۔ نفاق وہ فاسد اعتقاد ہے جو کہ منافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اور اس کا اس کی علت وخامی کی بنا پر شمار نہیں ہوتا اور رہا اخلاص طلب ثواب میں سو وہ امر خیر پر آخرت کے نفعوں کا ارادہ رکھنا ہے۔ اور ہمارے شیخ رح فرمایا کرتے کہ یہ امر خیر پر آخرت کے نفع کا ارادہ رکھنا ہے۔ اس طور پر کوئی اعتراض ایسا نہ پیدا ہو کہ جس کی بنا پر اس کے خیر اور بہتر ہونے میں خامی اور دشواری پیدا ہو جائے اس طریقہ پر اس سے نفع کی امید ہو اور ہم نے ان شرائط کی تشریح کر دی ہے۔

حواریین نے عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اعمال کا اخلاص کیا ہے۔ فرمایا کہ جو عمل اللہ تعالےٰ کے لئے کیا جائے اور اس پر کسی اور کی تعریف گوارہ نہ کی جائے۔ یہ ریاء کے چھوڑنے کا پیش خیمہ ہے اور تذکرہ کے ساتھ اس واسطے خاص کیا اس لئے کہ یہی اسباب ہیں جو کہ اخلاص میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ اور جنید رحؒ نے فرمایا اخلاص اعمال کو مکدرات سے پاک صاف کرنا ہے۔ اور فضیلؒ نے کہا۔ اخلاص مراقبہ کو دوامی شکل دینا اور ہر قسم کی اشیار کو فراموش کر دینے کا نام ہے۔

یہ کل طور پر اخلاص کا بیان ہو گیا۔ اس بارے میں اقوال تو بکثرت ہیں۔ مگر حقیقت واضح ہونے کے بعد کثرت نقل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

اور سید الاولین والآخرین سے جس وقت اخلاص کی تعریف دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

تقول ربی اللہ ثم تستقیم کما أمرت — اللہ تعالےٰ کا قائل ہو جائے اور پھر اس کے بعد جس طرح وہ حکم فرمائے۔ اس پر جا رہے

یعنی اپنی خواہشات اور نفس کی اتباع نہ کرے اور اپنے رب کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرے اور جیسا حکم ہوا ہے اسی طرح عبادت الٰہی پر کاربند ہے اور یہ تمام سوی اللہ کے علائق ختم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور حقیقی اخلاص ہے اور اخلاص کی ضد ریا اور نمائش ہے اور وہ امور آخرت پر دنیاوی نفع کی خواہش اور ارادہ کرنا ہے۔

اب ریار کی دو قسمیں ہیں ایک ریار محض اور دوسری ریار تخلیط۔ ریار محض تو یہ ہے کہ صرف دنیاوی نفع کی خواہش ہو۔ اور ریا تخلیط اس میں دنیا و آخرت دونوں کے نفع کا ارادہ ہو۔ غرض کہ یہ ان کی تعریفات ہوئیں۔ اب ان کی تاخیر قابل بحث ہے سو اخلاص عمل کا تو فائدہ یہ ہے کہ فعل اور کام قربت اور ثواب بنے اور اخلاص طلب اجر کی تاثیر یہ ہے کہ عمل اس کے ذریعہ سے مقبول اور زائد ثواب وعظمت کا باعث ہو باقی نفاق اعمال کو حبط کر دیتا ہے اور اس کو مقام قربت سے کہ جس پر ثواب کی امید ہو خارج کر دیتا ہے تو ریا محض بعض علما کے نزدیک عادت سے نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ نصف ثواب اس کے ذریعہ

سے باطل ہو جائے اور دوسرے علما کے نزدیک ریا محض کا عارف سے صدور ہو سکتا ہے
اور اس کی وجہ سے دُگنے سے نصف ثواب ختم ہو جائے گا اور تخلیط میں دُگنے سے چوتھائی
ثواب ختم ہو جائے گا۔ اور صحیح قول ہمارے شیخ کے نزدیک یہ ہے کہ ریا محض عارف سے
آخرت کے تذکرہ کے وقت نہیں صادر ہو سکتی ہاں سہواً اس کا صدور ممکن ہے اور تمام چیز یہ
ہے کہ ریا کی تاثیر کی بنا پر قبولیت میں رکاوٹ اور ثواب میں کمی ہوتی ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ
کا کوئی اعتبار نہیں اور ان مسائل کی شرح تفصیل طلب ہے اور کتاب احیاء علوم الدین میں
کامل طور پر اس کی شرح کردی ہے اور کتاب اسرار معاملات الدین میں بھی کوئی گنجائش باقی
نہیں رکھی ہے۔

اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ اعمال بعض علماء کرام کے نزدیک تین قسم کے ہیں۔ پہلی قسم
تو یہ ہے کہ جس میں دونوں قسم کے اخلاص جمع ہو جائیں اور یہ حقیقی طور پر ظاہری عبادات ہیں۔
اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں اخلاص کی کوئی شکل ہی نہیں پائی جاتی ہے اور یہ عبادات
باطنیہ ہے اور تیسری قسم جس میں طلب اجر کی توقع پائی جاتی ہے لیکن اخلاص عمل اس
میں قطعاً نہیں۔ یہ وہ مباح امور ہیں جن سے محض ثواب ہی کی اُمید ہے ہمارے شیخ رح
نے فرمایا کہ ہر وہ عبادت جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی کر سکتے ہوں۔
اس میں اخلاص عمل کی صورت متحقق ہو سکتی ہے تو عبادت باطنیہ میں کثرت سے اخلاص عمل ہی
پایا جاتا ہے۔

اور اخلاص طلب اجر، تو مشائخ کرامیہ نے فرمایا ہے۔ یہ عبادت باطنیہ میں نہیں ہو
سکتا اس لئے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور وہ ریا کے
لوازمات سے پاک صاف ہے اس لئے اس میں طلب اجر کے لئے اخلاص کی حاجت اور
ضرورت نہیں۔

اور ہمارے شیخ رح فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت وہ بندہ جو کہ عبادت باطنیہ کے
ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کر رہا ہو اس سے دنیاوی نفع کا ارادہ کرے تو یہ بھی ریا ہے
امام غزالی فرماتے ہیں۔ عبادات باطنیہ میں دونوں اخلاصوں کا پایا جانا کوئی مستبعد

نہیں ایسے ہی نوافل میں بھی شروع کے وقت دونوں قسم کے اخلاص پائے جا سکتے ہیں۔
اور رہے وہ مباحات جو کہ زاد آخرت کے لئے کئے جائیں ان میں اخلاص طلب آخرت کا پایا جا سکتا ہے۔ اخلاص عمل ان کے اندر ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ان میں بنفسہ قربت بننے کی صلاحیت نہیں بلکہ یہ تو قربت کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ اب اگر دریافت کرے کہ یہ تو ان کے مقامات ہو گئے اب عمل کرنے کے لئے بھی وقت بتلایئے تو اخلاص عمل عمل کے ساتھ یقینی طور پر وابستہ رہتا ہے اور کسی بھی حالت میں اس سے جدا اور علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور رہا اخلاص طلب اجر تو بسا اوقات وہ موخر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک عمل سے فراغت کے وقت اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ اب یا اخلاص پر عمل کا اختتام ہو گا یا ریا پر ہر ایک شکل میں جو کچھ ہونا ہو گا سو ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کا تدارک مشکل ہے۔
اور ہمارے علماء کے علاوہ مشائخ کرامیہ کے نزدیک جب تک ریا سے نفع مطلوب حاصل ہوا ہو اس وقت تک اس میں اخلاص کی شکل پیدا کرنا ممکن ہے۔ اور جب مطلوب مقصود حاصل ہو جائے تو اس وقت اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔
اور بعض علماء کرام کے نزدیک فرائض میں موت تک اخلاص قائم کیا جا سکتا ہے اور نوافل وغیرہ میں اس کی کوئی سبیل باقی نہیں رہتی۔ فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کو بندہ پر خود عائد کیا ہے تو اس میں فضیلت اور آسانی رکھی ہے اور نوافل بندہ نے خود اپنے اوپر لئے ہیں تو اس کا مطالبہ تکالیف کے بعد رکھا جائے گا:
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ جس شخص سے ریا صادر ہو جائے یا اعمال میں اخلاص فوت ہو جائے تو اس کا تدارک اور تلافی وجوہات مذکورہ میں سے کسی ایک ذریعہ سے ممکن ہے اور ان مذاہب کے دقائق نقل کرنے سے اب مقصود عمل کرنے والوں کی کمی اور اس راستہ پر چلنے کے شوق کی کمی کو بتلانا ہے اور عبادت میں قدم رکھنے والے کے لئے سہولت کا پیدا کرنا ہے۔ اگر یہی بیماری کی ایک قول میں دوا نہیں پائے گا تو امراض اور اغراض کے مختلف ہونے اور اعمال کی علتوں اور آفتوں کے جدا ہونے کی وجہ سے دوسرے قول سے اس کی تشفی ہو جائے گی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ہر ایک عمل علیحدہ اخلاص کا محتاج ہے یا نہیں تو اس بارے میں علماء کرام مختلف ہیں بعض کے نزدیک ہر ایک عمل کے لئے اخلاص کی حاجت اور ضرورت ہے اور بعض کے نزدیک تمام عبادات کے لئے ایک اخلاص بھی کفایت کر سکتا ہے اور اخیر والے اعمال جیسا کہ نماز وضو وغیرہ جن میں ایک اخلاص ہی کافی ہے۔ اس لئے کہ بعض کا بعض کے ساتھ صلاحیت اور فساد کی وجہ سے علاقہ اور تعلق ہے تو اس بنا پر ایک ہی شے کے حکم میں ہو گئے۔

اب اگر اپنے نیک کام پر صرف اللہ تعالیٰ سے نفع کی امید رکھے اور انسانوں کی تعریف و نمائش اور نفع وغیرہ کی کوئی امید نہ قائم کرے تو کیا یہ بھی ریاء ہوگی۔

تو بعض ریاء ہے علماء کرام نے فرمایا۔ ریا کا دار و مدار مقصود پر ہے۔ ارادہ عمل پر نہیں۔ سو اگر عمل خیر پر دنیاوی نفع مطلوب ہو تو یہ بھی ریا شمار کی جائے گی۔ خواہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توقع کی جائے یا بندوں سے اللہ رب العزت فرماتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۔

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا (اگر چاہیں) دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

اور الفاظ ریا کار کی قید نہیں اور ریا رؤیت کے معنی سے مشتق ہے اور اس فاسد ارادہ کو اس نام کے ساتھ اس وجہ سے موسوم کیا کہ اس کا وقوع بکثرت ہوتا ہے اور یہ چیز انسانوں کی وجہ اور ان کے دکھلانے کے لئے ہوتی ہے۔ اب اگر اس دنیا سے جو کہ اللہ تعالیٰ سے مانگی ہے۔ انسانوں سے علیحدگی اور عبادت الٰہی کے لئے تیاری مقصود ہو تو کیا یہ بھی ریا سمجھی جائے گی؟ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ عفت مال کی کثرت اور جاہ و عظمت سے نہیں حاصل ہوتی۔ یہ قناعت اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے سے میسر ہوتی ہے۔ اور یہی عبادت الٰہی کے تیاری تو اگر مقصود صرف اتنا ہی ہو تو یہ ریا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ چیز امور آخرت اور اس کے اسباب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب اگر عمل خیر سے اس قسم کی نیت کی جائے تو یہ ریا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مامور اس نیت کی وجہ سے

خیر یا اعمال آخرت کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔ اور ارادہ خیر ریا نہیں ہوا کرتا۔ اسی طریقہ پر اگر وہ ان سے انسانوں میں عظمت اور علماء مشائخ کی محبت کا قصد و ارادہ کرے اور مقصود اس سے اہل حق کی تائید یا بدعتیوں کی تردید یا انسانوں کو عبادت پر آمادہ کرنا ہو یا اپنے نفس کی شرافت و بزرگی اور دنیا مقصود نہ ہو تو یہ تمام چیزیں بہترین ارادے اور نہایت محمود نیتیں ہیں۔ ان میں ریا وغیرہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ اس لئے کہ حقیقی طور پر ان سے آخرت ہی مقصود ہے۔

میں نے اپنے بعض مشائخ سے علماء کرام کے اس دستور کے متعلق دریافت کیا جو کہ تنگی اور سختی کے زمانہ میں سورہ واقعہ پڑھتے ہیں کہ کیا اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس تنگی کو دور فرما دے اور عادت و دستور کے مطابق دنیا میں ان پر فراخی کر دے تو دنیاوی نفع کا آخرت کے عمل کے ساتھ ارادہ کرنا کیسے درست ہوگا۔

تو میرے اس اشکال کا جواب انھوں نے اس طرح بیان فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ان حضرات کا اس تلاوت سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بقدر قناعت اور کفاف روزی عطا فرمائے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیاری اور درس علم پر تقویت حاصل ہو۔ اور یہ تمام خیر اور بھلائی کے ارادے ہیں۔ دنیا ان سے مقصود نہیں اس صورت کی رزق کے معاملہ میں تنگی کے وقت قراءت اور اس پر خصوصی طور پر التزام کرنا اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے آثار منقول ہیں۔ حتیٰ کہ ابن مسعودؓ پر جب ان کے لڑکے پر معاملہ میں دنیا کے نہ چھوڑنے پر عتاب کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے لئے سورہ واقعہ چھوڑ دی ہے ان تمام اشیاء کے پیش نظر ہی علماء کرام میں یہ دستور چلا ہے ورنہ ان حضرات کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ تو دنیاوی سختی پر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی اس کی فراخی پر۔ اور یہ حضرات تو دنیاوی تنگی اور سختیوں کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اپنے درمیان اس چیز کو عظیم الشان اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نعمت عظمیٰ خیال کرتے ہیں۔ اور جب وسعت ظاہر ہوتی ہے جس کو اکثر انسان احسان اور نعمت خیال کرتے ہیں تو یہ حضرات ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ

کی جانب سے امتحان اور مصیبت تو نازل نہیں ہونے والی تھے۔ اس لئے کہ ان کا مقصود تو سفر کرنا اور اکثر احوال میں بھوکے رہنا ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ہمارے کل مال وہ بھوکے رہنا ہے۔ اصل تصوف کا اصل یہی ہے اور یہی میرا اور میرے بزرگوں کا مذہب ہے اسی طرح اسلاف سے یہ دستور چلا آیا ہے اور بعض متاخرین سے اس میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ چیزیں میں نے اس لئے بیان کردیں کہ ان کے مقاصد کے متعلق کوئی جاہل مخالفت نہ کرے اور کوئی مبتدی سلیم الصدر جس کو ان علوم سے کوئی سابقہ نہیں پڑا غلطی نہ کھائے۔

اب اگر کوئی کہے کہ علماء کرام زاہدین اور ارباب صبر و ریاضت کے لئے یہ چیز کیسے مناسب ہے تو یہ چیز سنت سے ماخوذ ہے اور پھر مقصود قناعت وعبادت الٰہی کے لئے تیاری ہے۔ شر اور شہوت اور تنگی و عسرت کی حالت میں کمزوری مقصود نہیں ہے۔ اور اکثر تجھے اس کے بعد قناعت قلب اور بھوک کے کٹنے کی مایوسی اور کمزوری اور کھانے سے ناامیدی نظر آئے گی اور امتحان کرنے والوں نے اس کا بخوبی تجربہ کرلیا ہے۔ لہذا ان امور کو بخوبی سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جانا چاہیئے

اور دوسری برائی وہ عجب اور خود پسندی ہے اور اس سے بھی دو وجہ سے بچنا ضروری ہے ایک تو یہ ہے کہ یہ تائید اور توفیق الٰہی سے روکتا ہے اور بہت جلد اس کی وجہ سے ہلاکت پھیل جاتی ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ثلاث مہلکات شح مطاع۔ تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں۔ ایک تو وہ بخل کہ جس کی پیروی کی جائے وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ اور وہ خواہش جس کی اتباع کی جائے۔ اور انسان کا اپنی ذات کے ساتھ خود پسندی اور عجب کا معاملہ کرنا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے عمل صالح تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اسی بنا پر عیسیٰ ؑ نے اپنے خادموں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ بہت سے چراغوں کو ہوا نے بجھا دیا اور بہت سے عابدوں کو عجب اور خود پسندی نے ہلاک و برباد کر دیا۔

اور مقصود فائدہ کی چیز عبادت ہے اور یہ خصلت بندہ کو اس قدر محروم کر دیتی ہے کہ اس سے کوئی خیر اور بھلائی کا کام ہی صادر نہیں ہوتا اور اگرچہ کچھ حاصل ہی ہو جاتا ہے

تو بہت کم تباہی سے بچتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے پاس امور خیر میں سے کوئی بھی نہیں بچتی۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے محفوظ رکھے کیونکہ وہی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

عجب کے معنی اور اس کی تاثیر اور حقیقت و حکم

عجب کی حقیقت وہ عمل صالح کو بڑا سمجھنا ہے اور اس کی تفصیل علماء کرام نے اس طرح بیان کی ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز یا مخلوق یا نفس سے شرافت اور بزرگی کا ظاہر کرنا اور کبھی عجب اس قسم کا ہوتا ہے کہ ان تینوں چیزوں یعنی شی نفس اور مخلوق کے سامنے اس کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرا عجب یہ ہے کہ دوسرے اس کا تذکرہ کیا جائے اسی طرح یکتا اور تنہا ہے کہ ایک کے سامنے اس کو بیان کیا جائے۔ اور عجب کی ضد منت ہے اور وہ اس بات کا تذکرہ کرنا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے۔ اور وہی ذات اس کو شرافت اور ثواب کی زیادتی و مرتبت عطا فرمائے گی۔ عجب کے لوازمات کے وقت یہ چیز ضروری اور بقیہ اوقات میں مستحب ہے۔

اور اعمال صالحہ میں عجب کی تاثیر کے متعلق بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ عجب اعمال کو تباہ کرنے کا منتظر رہتا ہے۔ اگر مرنے سے پہلے توبہ اور استغفار کرے تو سلامتی حاصل ہو جاتی ہے ورنہ پھر تباہی اور بربادی ہے اور کرامیہ کے مشائخ میں محمد بن صابر کی یہی رائے ہے اور عمل کے حبط ہونے کا ان کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ہر قسم کی خوبیاں اس میں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ثواب یا کسی قسم کی تعریف کا مستحق نہیں رہتا۔ اور علماء کرام کے نزدیک زیادتی ثواب کے علاوہ اور کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔

اب اگر شبہ ہو کہ عارف بندہ پر یہ چیز کیسے مشتبہ ہو سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اعمال صالحہ کو اس قدر ثواب کو دو چند فرمایا۔ تو اس مقام پر ایک عجیب نکتہ اور بہترین بات سمجھ لینی چاہیئے۔ وہ یہ کہ انسانوں کی عجب کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ہر حالت میں عجب میں مبتلا رہتی ہے اور یہ قدریہ معتزلہ کی جماعت

ہے جوکہ اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کے احسان کے قائل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق خاص اور لطف و کرم کے منکر ہیں یہ بیماری ان کے شبہات کی بنا پر ہے۔

اور دوسری جماعت وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسان و توفیق کو تسلیم کرنے والی ہے اور یہ حضرات اصحاب استقامت ہیں کہ ان سے کسی بھی عمل میں عجب نہیں صادر ہوتا اور یہ چیز اس بصیرت کی بنا پر ہے جو ان کو عطا کی گئی ہے اور اس کی تائید کی وجہ سے جو ان کو خصوصی طور پر عطا ہوئی ہے۔

اور تیسری جماعت وہ عام مخلوق قسم کے حضرات ہیں اور اس میں تمام اہل سنت داخل ہیں۔ جو کہ بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ کی منت اور توفیق کو یاد کرتے ہیں اور ابھی غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس عارضی غفلت اور سستی نفس کی بنا پر عجب میں مبتلا ہو جاتے ہیں

اب رہی یہ چیز کہ قدریہ اور معتزلہ کی ان کے اعمال کے متعلق کیا حالت ہے تو اسمیں اختلاف ہے بعض کے نزدیک تو یہ چیز ان کے اعتقاد کی بنا پر اعمال کو جدا کرنے والی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی عمل کلی طور پر اسلام کے فرق کی وجہ سے کسی بھی اعتقاد کی وجہ سے جدا نہیں ہوتا حتیٰ کہ ان حضرات نے ہر ایک عمل کو عجب کے ساتھ خاص کر دیا ہے جیسا کہ اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ عجب کسی بھی عمل میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ انھوں نے اس چیز کو منت کے تذکرہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

اب رہی یہ چیز کہ ریاء اور عجب کے علاوہ اعمال میں اور بھی کوئی شے برائی ڈالنے والی ہے تو اس کے علاوہ اور اشیاء بھی ایسی موجود ہیں کہ جن کے ذریعہ اعمال میں خامی اور نقص پیدا ہوتا ہے لیکن ان دونوں کو تذکرہ کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا کہ اکثر برائیاں ان ہی پر موقوف ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ بندہ کے لئے یہ چیز ضروری ہے کہ عمل کو دس چیزوں سے محفوظ رکھے۔ نفاق، ریاء، اختلاط، احسان، اذیٰ، ندامت، عجب، حسرت، ذلت، فساد کے لعن طعن کا خوف، پھر ہمارے شیخ نے ان میں سے ہر ایک چیز کی ضد اور عمل میں نقص پیدا کرنے کو بتلایا ہے۔

لہذا نفاق کی ضد اعمال میں اخلاص کا پیدا کرنا ہے۔ اور ریا کی ضد اجر کے طلب کیلئے
اخلاص پیدا کرنا اور اختلاط کی ضد علیحدگی حاصل کرنا اور امن و احسان کی ضد اعمال کو اللہ تعالیٰ
کے سپرد کرنا اور ایذی کی ضد اعمال کو محفوظ کرنا اور ندامت کو ختم کر دینے کی شئی وہ نفس میں
ثابت قدمی اور پختگی کا مادہ پیدا کرنا ہے اور عجب کی ضد منت اور حسرت کی ضد اعمال
خیر کو غنیمت سمجھنا اور ذلت و تہاون کی ضد توفیق کی عظمت اور بڑائی اور ایسے ہی انسانوں کی
ملامت کی ضد۔ وہ خشیت الٰہی ہے۔ نفاق سرے سے عمل کو ہی ختم کر دیتا ہے اور ریا کی وجہ
سے اس کی واپسی واجب اور ضروری ہو جاتی ہے اور من واذیٰ۔ یہ وقتی طور پر صدقہ کی
اصلیت ختم کر دیتے ہیں۔ اور بعض مشائخ کے نزدیک ان کے ذریعہ سے صرف ثواب
ضائع اور برباد ہوتا ہے اور ندامت سے باتفاق علماء عمل تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور عجب
سے عمل کی زیادتی اور ثواب کی کثرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور حسرت و تہاون اور ایسے خوف ملامت
ان سے عمل میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اور اس کی خوبی جاتی رہتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں اعمال کا قبول ہونا یا نہ ہونا۔ یہ اصحاب تحقیق کے نزدیک اس کی
عظمت کی پروا ہوتا ہے۔ اور عمل کا احباط کبھی نفس اور اسباب کے ذریعہ ہوتا ہے اور
کبھی ثواب کے باطل ہونے کے ساتھ۔ اور اس باتفاقات ثواب کی کثرت اور زیادتی کے برباد
کرنے کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

اور ثواب ایک نفع کی شے ہے کہ جس کا فعل اور اس کے احوال اور قرائن مطالعہ کرتے ہیں۔
تضعیف اس پر زیادتی ہوا کرتی ہے اور اس میں حسن و خوبی۔ یہ دوسرے اعمال کے قرائن کے اقتضا
کے بعد ہوا کرتی ہے۔

جیسا اصحاب خیر میں سے کسی کے ساتھ احسان کرنا، پھر والدین کے ساتھ بھلائی کا
معاملہ کرنا ایسے انبیاء کرام میں کسی نبی کے ساتھ۔ خوبی کا معاملہ کرنا۔ تو ان اشیاء کی بنا پر
اعمال میں حسن و خوبی پیدا ہوتی ہے۔ زیادتی نہیں ہوتی۔ ان معانی کے ماتحت یہ میری تحقیق
کا خلاصہ ہے اس لئے اس کو بخوبی سمجھ لو۔

فصل یعنی ریا اور عُجب کی برائیاں

اب اس کے بعد اس ڈرانے والی وادی کو بھی عبور کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے کہ جس سے پریشانیوں اور مصیبتوں کی بنا پر بہت ہی حفاظت کی حاجت ہے۔ اس لئے کہ طاعات سے نفع حاصل کرنے والا ان تمام گھاٹیوں کو عبور کرتا اور تمام مشقتوں کو برداشت کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے معزز اور مکرم طور پر عبادت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی اس کوشش پر سوائے اس گھاٹی کے اور کسی کا خدشہ نہیں اس لئے کہ اس گھاٹی میں اس قسم کی پریشانیاں ہیں کہ جن سے اس کے سلب ہو جانے کا خدشہ ہے اور ایسی اشیا ہیں کہ جن کی بنا پر عبادت پر آفتوں کے ظاہر ہونے کا خدشہ ہے کہ جن کی بنا پر کہیں عبادت میں فساد اور خلل نہ پیدا ہو جائے اور پھر خطرات کے اعتبار سے بلند اور وقوع کے اعتبار سے عام یہ دو موانع یعنی ریا اور عجب ہیں۔

لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ ایسے بہتر اصول ذکر کرتے ہیں کہ جن کی بنا پر تجھے ان سے جلدی اور تیری شفقت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور کمی پیدا ہو جائے، سو اس کے متعلق اول اللہ جل شانہ کا ارشاد پیش نظر رکھ۔

اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۔	اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی اور ان سب میں اللہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس لئے بتلایا گیا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ ہر شئے کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

گویا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان جو عجیب اور عجیب عجیب اشیا ہیں سب کو پیدا کیا ہے اور تیرے غور کرنے کے لئے یہی چیز کافی ہے کہ تو بخوبی سمجھ لے کہ میں قادر اور عالم ہوں اور تو صرف دو رکعت نماز پڑھتا ہے کہ جس

میں ہر قسم کے عیوب اور کوتاہیاں ہیں اس کے باوجود میری نظر اور میرے علم کو اور میری تعریف اور قبولیت کو کافی نہیں سمجھتا۔ جب تک کہ مخلوق اور انسانوں سے اس عبادت پر تعریف نہیں کرالیتا۔

تو کیا یہ دغا ہے اور کیا یہ عقلمندی کی چیز ہے کہ جس کو کوئی سمجھدار انسان اپنے لئے پسند کرے بیوقوف ذرا غور و خوض سے کام لے۔

دوسرا اصول

جس شخص کے پاس کوئی بہترین موتی ہو کہ جس کو وہ ایک لاکھ دینار میں بیچنے پر قادر ہو۔ پھر اس کے باوجود وہ اس کو ایک پیسے میں فروخت کردے تو کیا یہ عظیم الشان نقصان اور بہت بڑا خسارہ نہیں، اور ہمت کی کمزوری اور علم کی رائے کی خامی و کوتاہی اور عقل کی کمزوری پر نہیں۔ لہذا بندہ کے عمل پر جو مخلوق سے مدح اور تعریف ملتی ہے وہ الہ العالمین کی رضا اور شکر و ثنا کے سامنے ایک حس اور ایک پائی سے بھی کم ہے۔ اللہ رب العزت کا ثواب لاکھ دینار سے بھی بڑھ کر بلکہ دنیا و ما فیہا سے بہت زائد اور بڑھا ہوا ہے۔ تو کیا یہ کھلا ہوا نقصان نہیں کہ اپنے نفس کو ان عظیم الشان کرامتوں سے ان حقیر و رذیل چیزوں کی بنا پر محروم رکھتا ہے۔

اب اگر اس ذلیل ارادہ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تو آخرت کا قصد و ارادہ کرنا چاہیئے۔ دنیا خود اس کے ساتھ آئے گی۔ بلکہ الہ العالمین سے سوال کر وہ دونوں جہاں عطا فرمائے گا اس لئے کہ وہ دونوں جہان کا مالک ہے۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان اسی چیز کی وضاحت کر رہا ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ — جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو اللہ تعالےٰ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا معاوضہ ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

ان الله تعالى ليعطى الدنيا بعمل الآخرة — اللہ تعالےٰ اعمالِ آخرت پر دنیا عطا کرتا ہے

وَلَا یعطی الاخرۃ بنیۃ الدنیا ۔ اور دنیا کے کاموں پر آخرت نہیں دیتا ۔

سو جب تو نیت کو خالص کرے اور ہمت و کوشش کو صرف آخرت کے لئے صرف کرے تو دنیا و آخرت دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں گی اور اگر صرف دنیا کا ارادہ کرے تو آخرت ہاتھ سے جاتی رہے گی ۔ اور بسا اوقات تیرے ارادہ سے دنیا ہی حاصل نہیں ہوگی اور اگر حاصل بھی ہو جائے تو باقی نہیں رہے گی ۔ لہذا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو جائے گا ۔

تیسرا اصول

مخلوق کہ جس کی وجہ سے تو اعمال کرتا ہے اور جس کی خوشنودی چاہتا ہے ۔ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ تو اس کی وجہ سے اعمال کرتا ہے تو غصہ اور ناراضی کا اظہار کرے اور تجھے ذلیل و خفیف کرے تو عاقل اور سمجھدار انسان اس شخص کے لئے کیسے عمل کرتا ہے کہ جس کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ تو اس کی خوشنودی چاہتا ہے تو وہ تجھے ذلیل کرے اور ناراض ہو ۔ لہذا اے مسکین اس ذات کے لئے اعمال کر کہ جس کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی وجہ سے تو نے یہ اعمال کئے ۔ اور اس کے لئے تمام کوششیں صرف کیں اور اس کی رضا مندی مطلوب ہے تو وہ تجھے محبوب رکھے اور تجھے اس قدر عطا کرے کہ تو راضی اور خوش ہو جائے اور ہر ایک شے سے غنی و بے فکر کر دے ۔ لہذا اس ہی چیز کو لازم اور ضروری سمجھنا چاہیئے ۔

چوتھا اصول

جو شخص کوئی کوشش اور کام کرتا ہے ۔ اور اس کو اس بات پر قدرت ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں سب سے بڑے بادشاہ سے داد لے ۔ اس کے باوجود ایک ذلیل خاکروب کی خوشی کا طالب ہے تو یہ چیز اس کی بے وقوفی و رائے کی کمزوری اور جہالت کی دلیل ہے اور اس شخص سے جواب طلب کیا جا سکتا ہے کہ اس چمار اور خاکروب کو راضی کرنے سے

کیا فائدہ جب کہ بادشاہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے

اور اس پر طرہ یہ بھی ہو کہ خدا کرے بادشاہ کی ناراضگی کی بنا پر تجھ سے خفگی اور غصہ کا اظہار بھی کرتا ہو تو یہ ساری چیزیں ہاتھ سے جاتی رہیں۔

بعینہٖ یہی حالت ریاکاری کی ہے۔ اس کو اس حقیر و ذلیل مخلوق کو راضی کرنے کی کیا حاجت اور فرصت ہے جب کہ وہ اس رب العالمین کی رضا حاصل کرنے پر قادر ہے کہ جس کے بعد کسی چیز کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی۔ اب اگر ہمت بالکل پست ہو اور تیرا نظریہ بہرحال میں مخلوق کی رضامندی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کو خالص کرے اور اپنی کوشش کو محض اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کرے اس لئے کہ تمام قلوب اور تمام پیشانیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وہ تیری طرف دلوں کو مائل کر دے گا اور انسانوں کو جمع کر دے گا۔ اور تیری محبت سے سینوں کو پر کر دے گا تو اس سے وہ چیزیں حاصل ہو جائیں گی جو کہ تیری سعی و کوشش سے کبھی بھی نہیں حاصل ہو سکتیں۔ اب اگر تو باز ہی نہ آئے اور اپنے اعمال سے مخلوق کی رضا ہی کا طالب ہو تو وہ ذات تجھ سے دلوں کو پھیر دے گی اور تیری نفرت انسانوں کے دلوں میں جما دے گی۔ اور مخلوق تیرے اوپر ناراض ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کی ناراضگی تیرے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ یہی چیز محرومی اور نقصان کی ہے۔

حضرت حسنؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک انسان یہ کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کروں گا کہ جس کی بنا پر میرا تذکرہ ہونے لگے چنانچہ وہ مسجد میں سب سے پہلے آتا اور سب سے بعد میں جاتا نماز کے اوقات میں ہر ایک شخص اس کو نماز میں مصروف دیکھتا اور متواتر روزے رکھتا۔ ذکر کی مجالس میں شرکت کرتا۔ چھ ماہ تک اس کی یہی حالت رہی اس کے بعد جس جماعت سے وہ گزرتا تو وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اس ریاکار کے ساتھ اچھائی کا معاملہ فرمائے۔ یہ شخص اپنے اوپر ملامت کرتا اور کہتا میں فضول ریاکاری میں مبتلا ہوں اس لئے کہ میں اپنے تمام اعمال کو اللہ کے لئے کروں گا ان پر کچھ بھی زیادتی نہیں ہوئی جو کہ یہ کیا کرتا تھا مگر یہ کہ اس کی نیت خیر کے ساتھ ہو گئی۔ اب اس کے بعد جس جماعت سے گزرتا تو وہ کہتے اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے۔ اب خیر اور بھلائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حسنؒ نے یہ آیت پڑھی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کرے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور مومنین کے قلوب میں ان کی محبت ڈال دیتا ہے کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

اے حمد و ثواب کے طلب گار ایسے عمل میں کہ جس میں بلندی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ریاکار کو رسوا کرتا ہے اور اس کی تمام کوششوں و محنتوں کو برباد کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اس کے ڈر کی وجہ سے خالص اسی کے لئے اعمال کرے۔ خلود اور دوزخ سب اس کے سامنے ہیں۔ اس کی مہربانی سے تجھے عطاؤں سے نوازا جائے گا اور انسان تو کسی بھی چیز کے مالک نہیں۔ ان پر نظر کرنے میں سراسر گمراہی ہے۔

اب عجب کے متعلق بھی کچھ اصولوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

ایک چیز تو یہ ہے کہ بندہ کے اعمال کی جب اللہ تعالیٰ کی اس پر رضا اور خوشنودی اور شرف قبولیت حاصل ہو جائے عظیم الشان قدر و قیمت ہے ورنہ تو مزدور کو دیکھ لے کہ دو درہم میں سارے دن کام کرتا رہے گا اور ایسے ہی دو دانق کے بدلے چوکیدار ساری رات جاگتا رہے گا۔ غرض کہ تمام پیشے اور حرفے والے رات دن چند درہموں کی وجہ سے محنت ومشقت میں مبتلا رہتے ہیں۔

اب اگر تو اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور اس کی وجہ سے ایک دن روزہ رکھے تو اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس پر شرف قبولیت حاصل ہو جائے تو آج کے اس روزہ کی کوئی قیمت نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

مستقل مزاج والوں کو ان کا صبر بے شمار ہی ملے گا۔

اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اعددت لعبادی الصائمین مالا عین کہ میں نے اپنے روزہ دار بندوں کیلئے

وأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر — وہ چیز تیار کر رکھی ہے کہ جس کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ کسی انسان کے قلب میں اس کا تصور ہوا۔

یہ تیرا وہ دن ہے کہ سارے دن میں بار برداری کرنے کے بعد صرف دو درہم ملتے۔ مگر صرف دوپہر کے کھانے کو شام تک موخر کرنے پر اس قدر اس کی قیمت ہوگئی اور اگر ایک رات اللہ تعالیٰ کے لئے قیام کرے اور محض اس سے اسی کی ذات مقصود ہو تو بزرگی اور شرافت میں اس قیام کی کوئی قیمت نہیں ادا کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ — سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کیلئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں ملا ہے۔

یہ وہ دن اور راتیں ہیں کہ جن کی قیمت صرف دو درہم اور دو دانق ہے۔ محض اس نیت کی بنا پر ان کو اس قدر شرافت اور قیمت حاصل ہوگئی ہے۔

بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ وقت نکال کر دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے یا صرف ایک سانس میں لا الہ الا اللہ کہدے تو اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ — اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انھیں اس میں بے شمار نعمتیں ملیں گی۔

یہ سانسوں میں ایک سانس ہے جس کی دنیا والوں کے پاس اور تیرے نزدیک کوئی قیمت نہیں تو ایسے مواقع فضول کس قدر ضائع کرتا ہے اور بے فائدہ کتنے زمانے تیرے اوپر گزرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طالب ہو تو اس کی کس قدر قیمت اور قدر و منزلت ہو جائے۔

لہٰذا عاقل اور سمجھ دار انسان کے لئے یہ چیز ضروری ہے کہ اپنے عمل کی حفاظت

اور اس کے مرتبہ کی پر نظر رکھے۔ اور یہ کہ جو کچھ اس کے عمل کی قدر و منزلت اور شرافت ہے محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اپنے افعال میں ایسی چیزوں کا خوف رکھے کہ اللہ تعالے کی خوشنودی اور مرضی کے خلاف کوئی چیز نہ صادر ہو کہ جس سے یہ حاصل شدہ قیمت جاتی رہے اور وہی سابقہ حد اہم اور دانق والی قیمت بلکہ اس سے بھی خسیس اور غیر قبول واپس جائے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک انگوروں کا خوشہ یا پھولوں کی ٹہنی کہ جس کی قیمت بازار میں دو دانق ہے اب اگر کوئی اپنی محنت کے باوجود اس کو بادشاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے روانہ کرے اور بادشاہ اس سے خوش ہو کر ایک ہزار درہم عطا کر دے تو بادشاہ کی خوشنودی کی وجہ سے اس ذرا سی چیز کی قیمت ایک ہزار روپے ہو جائے گی اور اگر بادشاہ اس سے راضی نہ ہوا اور واپس کر دے تو وہ چیز پھر اپنی اصلی قیمت بلکہ اس سے بھی کم ہو جائے گی۔

یہی ہماری حالت ہے۔ ہوشیاری اور سمجھ سے کام لینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر رکھنی اور اپنے افعال کو تمام ان چیزوں سے جو کہ دربار الٰہی میں غیر پسندیدہ ہیں پاک رکھنا چاہیئے۔

اور دوسری اصل یہ ہے کہ تجھے معلوم ہے کہ دنیاوی بادشاہ جب کسی شخص کو کھانے پینے کی چیز دیدے یا کپڑے یا چند روپے پیسے عطا کر دے۔ تو وہ رات دن اس کی خدمت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ اس میں ذلت اور حقارت ہے اور اس کے سرہانے کھڑا رہے گا حتی کہ اس کے پیر دبانے کے لئے آمادہ اور اس کے سامنے خدمت کیلئے تیار رہے گا۔

اور بسا اوقات ساری رات اس کے دروازہ پر پہرہ دینا پڑے گا اور کبھی اس کا دشمن کہ گا تو اس سے قتال کے لئے تیار ہونا اور اپنی اس جان کو قربان کرنا پڑے گا کہ کوئی بدل نہیں اور ہر ایک قسم کی تکلیف اور پریشانی و نقصان تمام اس ذرا سے حقیر نفع کی بنا پر برداشت کرنا پڑے گا باوجودیکہ حقیقی طور پر یہ تمام چیزیں اللہ کی جانب سے ہیں۔ بادشاہ وغیرہ تو درمیان میں سبب اور ذریعہ ہے۔ تیرے پروردگار نے تجھے عدم سے ہستی عطا کی اور

بہت عمدہ طریقہ پر تیری پرورش کی اور دین ونفس اور دنیا میں وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں کہ تیری عقل وفہم ان کی حقیقت معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا — اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگ جاؤ تو تم ان کے شمار سے قاصر ہو۔

پھر تو دو رکعت نماز پڑھتا ہے جو کہ تمام خامیوں سے لبریز ہوتی ہے اور مستقبل میں ثواب اور بزرگی کا طالب۔ پھر ان تمام چیزوں کے باوجود بڑائی اور عجب ظاہر کرتا ہے تو عاقل اور سمجھدار انسان کی شان سے یہ چیز باہر ہے اس کو ان پر نظر رکھنی چاہیئے۔

اور تیسرا اصول، وہ یہ کہ وہ بادشاہ جس کی حالت یہ ہو کہ تمام بادشاہ اور امراء اس کی خدمت کریں اور اس کی تعمیل حکم کے لئے سادات اور بڑے حضرات تیار رہیں اور اس کی خدمت عقلاء اور حکماء کریں اور علماء وعقلاء اس کی خوشنودی کے منتظر رہیں۔ اور اس کے آگے آگے اکابر اور رؤسا چلیں۔ جب وہ کسی بازاری یا دیہاتی کو اپنی مہربانیوں کے ماتحت اپنے دروازہ پر اجازت دیدے اور تمام بادشاہوں اور سرداروں اور اکابر وفضلاء اس کی خدمت اور تعریف کے لئے موجود ہوں۔ اور بادشاہ ان تمام حاضرین کے باوجود اس کو کچھ عطا کر دے اور اس کی عیب دار خدمت کی طرف خوشی کے ساتھ دیکھ لے تو اس سے بھی کہا جائے کہ اس حقیر وذلیل خدمت پر بادشاہ کا احسان ہو گیا۔

اب اگر یہ شخص اس حقیر وذلیل خدمت کو لے کر بادشاہ پر احسان جتلانا شروع کر دے اور بڑائی وعجب اختیار کرنے لگے۔ تو اس شخص کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ بے وقوف اور مجنون ہے کسی بات کی سمجھ اس میں نہیں۔ جب یہ مثال آپ کے ذہن نشین ہو گئی تو ہمارا معبود حقیقی اور بادشاہ کہ جس کی ساتوں آسمان اور زمین ومافیہا تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز بھی ایسی باقی نہیں جو اللہ العالمین کی حمد وتقدیس نہ کرتی ہو اور وہ معبود جس کے سامنے آسمان وزمین میں جتنی چیزیں ہیں سب سرنگوں ہیں۔ خواہ طوعاً یا کرھاً۔ اور جس کے دروازہ کے خدام، جبریل امین، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل اور حملۃ عرش اور کروبی اور روحانی اور تمام وہ مقرب فرشتے ہیں کہ جن کی تعداد اللہ العالمین کے علاوہ اور کسی

کو معلوم نہیں۔ باوجودیکہ یہ بلند مقامات۔ اور انفاس طاہرہ اور عبادت عظیمہ والے ہیں۔

اور پھر وہ حضرات جو کہ اس دربار کے خادم ہیں۔ وہ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور خیرالعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء مرسلین کے ساتھ ہیں۔ باوجودیکہ مراتب عظیمہ اور مناقب جمیلہ اور مقامات کریمہ اور عادات جلیلہ ان کو حاصل ہیں (صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین)

پھر اس کے بعد علماء کرام، ائمہ ابرار زہاد عارفین، اپنے پاکیزہ اجساد اور مراتب عظیمہ اور اپنی ان خاص عبادتوں کے ساتھ جو کہ محض اس ذات خداوندی کے لئے کی ہیں اور الٰہ العالمین کے دربار کے سب سے ذلیل وحقیر نوکر اور غلام۔ وہ دنیا کے بادشاہ اور ظالم ہیں جو ذلت اور حقارت کے سامنے سرنگوں کئے ہوئے ہیں اور جنہوں نے رسوائی کی وجہ سے اپنے چہروں پر مٹی مل لی ہے اور اس کے سامنے رو کر اور آہ وزاری اور ذلت ومسکنت کے ساتھ اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں اور اس ذات کے لئے عبادت اور اپنے نقص وذلت کے معترف ہیں۔ ذلت کے ساتھ اس کے دربار میں سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں جب الٰہ العالمین ان کی طرف نظر فرماتا ہے تو اپنے فضل سے ان کی حاجتیں پوری کر دیتا ہے یا اپنے کرم سے ان کے قصور معاف فرما دیتا ہے اور اس ذات نے اپنی تمام عظمت وجلال اور کبریائی وکمال کے باوجود اور تیرے حقیر وذلیل اور گندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تجھے اپنے دربار میں اجازت دیدی۔ جب کہ تیری یہ حالت ہے کہ اگر تو شہر کے کسی بڑے شخص سے اجازت طلب کرے تو وہ اجازت نہ دے۔ اور اگر اپنے قبیلہ کے امیر سے گفتگو کرنا چاہے تو وہ بات نہ کرے اور اگر کسی بادشاہ کو سجدہ کرے تو وہ تیری طرف توجہ نہ کرے اور اس جل جلالہ نے اپنی عبادت اور مناجات ومخاطبت کے لئے تجھے اجازت دیدی ہے بلکہ تو اس کے سامنے درخواست پیش کرتا اور اپنے ہاتھوں کو دراز کرتا ہے۔ اور وہ تیری حاجت روائی اور فردی کاموں میں کفایت کرتا ہے۔ اور پھر تیری عیب اور نقصان والی دو رکعتوں سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر اتنا ثواب عطا فرماتا ہے کہ کسی انسان کے خیال میں اس کا خاکہ بھی نہیں آسکتا۔ اور ان تمام باتوں کے باوجود تو ان دو رکعتوں

پر عجب کرتا اور اکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات پر نظر نہیں کرتا۔
افسوس ہے کہ کتنا بدترین بندہ اور کس قدر جاہل انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ مددگار ہو
اور وہی اس جاہل اور سرکش نفس کو راہ راست پر لانے والا ہے۔ وعلیہ التکلان

فصل یعنی بندہ کی ذلت اور اللہ العالمین کی عظمت کا مظاہرہ

اور دوسرے طریقہ سے یہ بات سمجھو کہ کوئی بڑا بادشاہ ہدایا دینے کی اجازت دیدے اور اس کی موجودگی میں امراء، اور کبراء، رؤسا اور عقلاء، اور اغنیاء قیمتی موتیوں اور عمدہ اشیاء اور بہترین مالوں میں سے قسم قسم کے ہدایا نے کر آتے ہیں اور ان تمام اشیاء کی موجودگی میں ایک سبزی فروش اور ایسے ہی دیہاتی شخص کچھ انگور لے کر آجائے جس کی حقیقت دو چار آنہ کی ہو اور بادشاہ کی بارگاہ میں لے کر چلا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ امراء اور رؤسا بہت ہدایا اور تحائف پیش کریں۔ مگر بادشاہ اس فقیر کے ہدیہ کو قبول کرلے اور اس طرف خوشی اور رضامندی کے ساتھ دیکھ لے اور نفیس وغیرہ خلعتیں دینے کا حکم دے تو کیا یہ بادشاہ کا غایت فضل اور کرم نہیں ہوگا۔ اب اگر یہ فقیر بادشاہ پر احسان جتانے لگے اور عجب و بڑائی کرنے لگے اور بادشاہ کے احسانات کو فراموش کردے تو ایسے شخص سے یہی کہا جائے گا کہ یہ مجنون ہے عقل اس کی خراب ہے۔ بیوقوف، گستاخ اور جاہل ہے۔ لہٰذا جب تو کسی رات میں قیام کرے۔ یا دو رکعت نماز پڑھے تو ان سے فراغت کے بعد غور وخوض کر کہ دنیا کے گوشوں میں خشکی اور تری بیاباں جنگل میں اس کے کتنے خدام اس کے کتنے خداموں اور کتنے صدیقین اور مشتاقین خائفین اور مجتہدین نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے قیام کیا ہے۔

اور اس وقت دربار الٰہی پر کتنے اس کے برگزیدہ بندے اور خالص خادم کھڑے ہوئے اور پاکیزہ زبانیں اور رونے والی آنکھیں اور لبریز دل، اور پاکیزہ دل والے متقی اور پرہیزگار جمع ہیں۔ اب اگر تو اعمال کی اصلاح اور درستگی میں پوری سعی و کوشش کرے تب بھی اس ملک عظیم کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اور ان عبادات کے

سامنے جو کہ اس کے دربار میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ تجھ سے یہ عبادت غفلت اور ہر قسم کے عیوب اور ایسے بدن کے ساتھ جو کہ گندگیوں سے ملوث اور ایسی زبان کے ساتھ جو کہ معصیت اور لغویات سے آلودہ کی گئی ہے تو کیسے اس میں صلاحیت ہے جو کہ ملک عظیم اور رب کریم کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اور رب العزت کی خدمت میں جرأت کون کر سکتا ہے۔ ہمارے شیخؒ نے فرمایا کیا تو نے اپنی نمازوں میں سے کوئی نماز آسمانوں کی طرف اس طرح بھیجی ہے۔ جیسا کہ خوان مالداروں کے مکان پر دعاء کیا جاتا ہے۔

اور ابو بکر الوراقؒ فرمایا کرتے تھے۔ میں کسی نماز سے فارغ نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ مجھے فراغت کے بعد اس عورت سے زیادہ شرمندگی ہوتی ہے جس کو زنا کے بعد ندامت اور پشیمانی ہو (سبحان اللہ)

پھر رب کریم محض اپنے فضل و کرم سے ان دو رکعتوں کی قدر اور مرتبہ کو بلند فرماتا اور اس پر بے شمار وعدے فرماتا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ تو اس کا بندہ اور اس کی غلامی میں داخل ہے۔ اور جو کچھ بھی تو اعمال کرتا ہے۔ وہ محض اس کی حسن توفیق اور آسانی کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اور ان تمام چیزوں کے باوجود پھر عجب اور بڑائی جتلاتا اور اللہ کے احسانات کو فراموش کرتا ہے۔ اللہ رب العزت بڑائی اور عظمت کا زیادہ مستحق ہے۔

غرض کہ اس قسم کی باتیں اس جاہل کے علاوہ جس کو کچھ خبر نہیں اور اس غافل سے جس کو کچھ فکر نہیں قلب مردہ اور امور خیر سے عاری ہو اسی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی حسن توفیق سے ان امور پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

فصل یعنی امور بالا پر عجیب انداز میں تبصرہ

اب اس تقریر کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ اے انسان اپنی غفلت سے باز آجا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے ۔ اس لئے کہ یہ وادی بہت سخت اور شاق اور بہت خطرناک اور نقصان دہ ہے ۔ یہ گھاٹی سب سے پہلے سامنے آتی ہے اس لئے کہ تمام اشیا کی جڑ اور بنیاد ہے ۔ اگر اس میں صحیح وسالم رہا تو فلاح و کامیابی حاصل ہوگی اور اگر دوسرا پہلو اختیار کرگیا تو تمام کوشش ضائع اور برباد ہوگئیں اور امیدیں برباد اور زندگی ختم ہوگئی ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس گھاٹی میں تین امور زیر بحث ہیں ۔

امر اول تو یہ ہے کہ بہت دقیق بہت نقصان دہ اور خطرناک ہے اور اس مسئلہ کی وقت یہ ہے کہ ریا اور عجب اعمال میں بہت ہی خفیہ طور پر جاری ہیں اور ان پر سوائے اس شخص کے جو کہ دین کے معاملہ میں عبور با خبر زندہ دل اور ہوشیار ہو وہی آگاہ ہوسکتا ہے اور جاہل ، بدتمیز اور غافل لیئم کو تو ان اشیا کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی ۔

اور میں نے بعض علماء دنیا پر سے سنا ہے ۔ بیان کرتے ہیں کہ عطا سلمیؒ نے ایک کپڑا بہت عمدہ اور اچھا بنا ۔ اور اس کو بازار فروخت کرنے کے لئے لے کر گئے ، ایک بزاز نے دیکھکر کہا کہ اس میں فلاں فلاں عیوب ہیں ۔ عطا سلمیؒ نے وہ کپڑا اس سے لے لیا اور بیٹھ کر بہت رونا شروع کردیا اس پر وہ شخص بہت نادم ہوا ۔ اور معذرت کی درخواست کی ۔

اور اس کپڑے کی قیمت میں اضافہ کرنے لگا ۔ اس پر عطاء نے فرمایا کہ میرا منشا یہ نہیں جو کہ آپ خیال کررہے ہیں ۔ میں نے یہ کام کیا ۔ اور اس کپڑے کی مضبوطی ، درستگی اور عمدگی میں پوری محنت کی کہ اس کے اندر کسی قسم کا عیب نہ باقی رہے ۔ مگر جب اس کام کے جاننے والوں کے سامنے اس کو پیش کیا تو اس میں وہ عیوب نکلے کہ جن سے میں غافل اور بے خبر تھا ۔ تو ہمارے ان اعمال اور عبادتوں کی کیا حالت ہوگی جبکہ وہ کل کو اللہ تعالےٰ کے دربار میں پیش ہوں گے اور ان میں سے کس قدر عیب اور برائیاں ظاہر ہوں گی کہ جن سے آج ہم غافل اور بے فکر ہیں ۔

اور بعض صالحین سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات سحر کے وقت

اپنے بالائی کمرہ میں بیٹھا ہوا سورہ طٰہٰ پڑھ رہا تھا جب میں نے اس کی تلاوت ختم کی، تو میرے اوپر ایک قسم کی غشی طاری ہوئی تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترا اور اس کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور اس نے وہ کتاب میرے سامنے لاکر کھول دی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی ہے اور ہر کلمہ کے نیچے دس نیکیاں لکھی ہوئی ہیں مگر ایک کلمہ کے نیچے کوئی چیز بھی نہیں لکھی ہوئی ہے اور وہاں مٹا ہوا ہے میں نے دریافت کیا کہ خدا کی قسم میں نے تو یہ کلمہ پڑھا ہے۔ مگر اس کا ثواب کیوں نہیں لکھا۔ اس شخص اور صورت نے جواب دیا کہ بے شک تو نے یہ کلمہ پڑھا۔ اور ہم نے اس کا بھی ثواب لکھا۔ مگر ہم نے آسمان سے ندا سنی کہ کوئی عرش کے نیچے سے کہہ رہا ہے کہ اس کا ثواب مٹا دو۔ ہم نے مٹا دیا۔ یہ سن کر میں اپنی نیند اور غشی میں خوب رویا اور دریافت کیا کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ جواب آیا کہ ایک آدمی کا ادھر سے گزر ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے تو نے اس کلمہ پر اپنی آواز بلند کی۔ اس لئے اس کا ثواب مٹا دیا گیا۔ اور اس چیز کے شکل اور کھوٹ والے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ریا، اور عجب ایسی آفتیں ہیں جو کہ ایک دم واقع ہوتی ہیں اور ستر سال کی عبادت کو ختم کر دیتی ہیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے سفیان ثوری اور ان کے اصحاب کی دعوت کی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ کھجوروں کا وہ طباق لے کر آؤ جو کہ میں دوسرے حج سے لے کر آیا ہوں پہلے حج والا نہیں۔ سفیان ثوری نے اس کی جانب دیکھا اور فرمایا اے مسکین اس جملہ کی وجہ سے تو نے اپنے دونوں حجوں کو تباہ اور برباد کر دیا۔

اور ریا اور عجب کی برائی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر تھوڑی سی طاعت اور عبادت اس سے محفوظ ہو جائے تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کی وہ قدر و عظمت ہے کہ جس کا کوئی شمار نہیں۔ اور اگر زائد طاعت کو یہ آفت لاحق ہو جائے تو اس کی کوئی قیمت نہیں باقی رہتی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کا تدارک فرما دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا عمل مقبول میں کبھی بھی کسی قسم کی کمی نہیں ہو سکتی اور عمل مقبول میں کمی کیونکر ہو سکتی ہے اور تحقیق؟ سے فلاں فلاں عمل کے ثواب کے متعلق دریافت کیا گیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ اگر وہ

قبول ہو جائے تو اس کے ثواب کا کوئی شمار نہیں۔

وہبؒ نے فرمایا پہلے زمانہ میں ایک شخص نے ستر سال تک اللہ العالمین کی اس طرح عبادت کی کہ پے درپے روزے رکھتا اور پورے ہفتہ تک بھی افطار نہیں کرتا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کیا وہ پوری نہیں ہوئی اس نے اپنے نفس کو ملامت شروع کردی کہ یہ ساری تیری ہی خرابی ہے اگر تیرے اندر کسی قسم کی خیر اور بھلائی ہوتی تو تیری حاجت ضرور مقبول ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجا اور کہلائے انسان تیری یہ ساعت جس میں تو نے اپنے نفس کو ملامت کی تمام سابقہ عبادت سے افضل اور بہتر ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عاقل اور سمجھدار انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ کیا یہ کھوٹ اور برائی نہیں، کہ ایک شخص ستر سال تک عبادت کی محنت و مشقت کو برداشت کرتا ہے اور اس کے بعد ایک ساعت کے لئے غور و فکر کرتا ہے تو یہ ایک ساعت کی غور و فکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ستر سال کی عبادت سے افضل اور بہتر ہو جاتی ہے اور کیا یہ عظیم الشان نقصان نہیں کہ تم ایک ساعت میں وہ خیر اور بھلائی کے کرنے پر قادر ہے جو کہ ستر سال میں نہیں کر سکتا اور ان تمام مواقع کو فضول ترک کئے ہوئے ہے۔

خدا کی قسم یہ تو بہت عظیم الشان نقصان ہے اور اس سے غفلت اختیار کرنا خسران عظیم ہے اور وہ خصلت جس کی قدر و منزلت ہے تو واجب اور ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس کو مہلکات سے بچایا جائے۔ اسی وجہ سے ان دقائق پر عابدین جیسے اولی الابصار کی نظر ہوتی ہے

اس لئے انھوں نے ان اسرار کے پہچاننے کا اہتمام کیا اور پھر اس کی رعایت اور حفاظت کی طرف توجہ دی ہے اور ظاہری طور پر اعمال کی کثرت کو مغتنم نہیں سمجھا۔ اور پکار اٹھے کہ فضیلت اعمال کی عیوب سے صفائی میں ہے۔ کثرت اور زیادتی سے کوئی فائدہ نہیں اور کہنے لگے کہ ایک جوہر ہزار ٹھیکریوں سے بہتر اور افضل ہے اور جن حضرات کا علم کم اور ان معاملات میں ان کی فہم و فراست بالکل نہیں وہ ان حقائق سے بہرے اور قلوب کی

کی بیماریوں سے بے خبر ہیں۔ انھوں نے رکوع سجود کی کثرت اور کھانے پینے سے باز رہنے کو اختیار کر لیا۔ اور عدد و کثرت کے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ نہیں غور کیا کہ اعمال کی صفائی اور پاکیزگی میں کس قدر منافع ہیں اور ماخوذوں کی اس تعداد سے جس میں مغز نہ ہو کوئی فائدہ نہیں اور جب بنیاد مضبوط نہ ہو خالی چھتوں کو بلند کرنا سود مند نہیں۔ غرضکہ ان حقائق پر تو علماء اور اصحاب کشف ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیماریوں کے خطرات

ایک چیز تو یہ ہے کہ معبود حقیقی ایسا بادشاہ ہے کہ جس کی عظمت و جلالت کی کوئی انتہا نہیں اور تیرے اوپر اس کے اس قدر انعامات ہیں جو کہ شمار اور بیان سے باہر ہیں۔ اور تیرے پاس ایسا بدن ہے۔ جو کہ خفیہ عیوب کے ساتھ ملوث اور آفتوں سے لبریز اور امور محذورہ سے بھرا ہوا ہے۔

اب اگر نفس کی سبقت کی بنا پر اس میں کوئی لغزش واقع ہو جائے تو اس بات کی حاجت اور ضرورت ہے جو کہ اس عیب دار بدن سے اور اس نفس سے جو کہ شر کی طرف مائل ہونے والا برائیوں کی طرف رغبت دلانے والا ہے ایسے طور پر صحیح و سالم ہو کہ الالعالمین کی جلال و عظمت اور اس کی تائیدات اور احسانات کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو۔ اور پھر اس کو رضا اور قبولیت کا مقام بھی حاصل ہو جائے۔ ورنہ اس قدر عظیم الشان نفع کے فوت ہونے پر یہ نفس اس کے تدارک کی صلاحیت نہیں رکھتا اور بسا اوقات اس کے ذریعہ اس قدر حجاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خدا کی قسم یہ بہت بلند چیز اور عظیم الشان خطرات ہیں۔

اور الالعالمین کی جلال اور عظمت اس طرح پر ظاہر ہے کہ ملائکہ مقربین ابرار اس کے سامنے رات دن اس طرح کھڑے رہتے ہیں کہ بعضوں کو جب سے پیدا کیا گیا ہے وہ اب تک حالت قیام میں ہیں اور بعضے آج تک رکوع اور بعضے سجدے اور بعضے تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں۔

اور شان یہ ہے کہ قائم کا مقام رکوع کرنے والے کا رکوع اور ایسے سجدہ کرنے والے کا سجدہ اور تسبیح و تہلیل والے کی تسبیح و تہلیل نفخ صور تک پوری نہیں ہوگی۔ سب اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہیں گے۔ اس کے بعد جب اس عظیم الشان خدمت سے فارغ ہوں گے تو پکار اٹھیں گے تیرے لئے پاکی ہے ہم نے کما حقہ تیری عبادت نہیں کی۔ اور سید المرسلین وخیر العالمین اعلم الخلق اور افضل المخلوقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں تیری حمد و ثنا پر قادر نہیں۔ تیری حمد و ثنا اسی طرح ہے۔ جیسا کہ تو نے فرمائی ہے یعنی میں اس پر قادر نہیں۔ تیری حمد و ثنا اسی طرح ہے جیسا کہ تو نے فرمائی ہے۔ یعنی میں اس پر قادر نہیں کہ تیری کوئی ایسی ثنا کر سکوں جس کا تو مستحق ہے علاوہ ازیں کہ تیرے مرتبہ کے مطابق تیری عبادت کروں اور اسی سید المرسلین کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا صحابہ نے نے دریافت کیا اور نہ آپ یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اور نہ میں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے نوازے اور تائیدات خداوندی اور احسن کی نعمتوں کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے وہ فرماتا ہے۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا — اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، ان کو شمار کرنے لگو، تو شمار میں نہیں لا سکتے

منقول ہے کہ انسانوں کا حشر تین دیوانوں کے ماتحت ہوگا۔ ایک نیکیوں کا دفتر، دوسرا برائیوں کا اور تیسرا اللہ تعالےٰ کے انعام حسنات کا مقابلہ تو نعمتوں کے ساتھ ہوگا تو کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ جس کے ساتھ نعمت نہ ہو۔ حتیٰ کہ نیکیوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گھیر لیں گی۔ اب برائیاں اور گناہ باقی رہ جائیں گے۔ اس میں اللہ العالمین کی مرضی ہے۔

اور نفس کے عیوب اور آفتیں ہم نے پہلے ذکر کر دی ہیں۔ اور خوف کی چیز یہ ہے کہ بندہ عبادت میں مصروف رہتا ہے اور ستر سال تک اپنے عیوب اور برائیوں سے بے خبر اسی طریقہ پر کاربند رہتا ہے۔ بسا اوقات ان میں ایک چیز بھی قبول نہیں

ہوتی اور بسا اوقات سالہا سال کی عبادت کو ایک ساعت تباہ اور برباد کردیتی ہے

اور ان سب سے خطرناک چیز یہ ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندہ کو دیکھتا ہے اور وہ اپنی عبادت کے ساتھ ریا اور نمائش میں لگا رہتا ہے کہ ظاہری شکل تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور باطنی صورت مخلوق کے لئے عیاذاً باللہ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سرکشی اور نافرمانی کے طور پر رد کردیتا ہے۔

بعض علماء کرام سے سنا کہ وہ حسن بصریؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا۔ اور ان کی حالت دریافت کی۔ اس پر حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کرکے فرمایا ....

.... اے حسن تجھے وہ دن یاد ہے جبکہ تو مسجد میں نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ اور انسانوں نے تیری طرف نظریں اٹھانی شروع کیں۔ تو نے اس وجہ سے اپنی نماز میں اور حسن و خوبی پیدا کردی۔ اگر تیری پہلی نماز ہی خالص میرے لئے نہ ہوتی تو آج میں تجھے اپنے دروازے سے واپس کردیتا اور تجھ سے جدائی اختیار کرلیتا۔

غرض کہ جب معاملہ وقت اور مشکلات کے اعتبار سے اس درجہ کو پہنچ گیا۔ تو اہل بصیرت حضرات نے اس طرف توجہ دی اور اس نے اوپر خوف کیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضرات نے تمام ان چیزوں پر توجہ کو چھوڑ دیا کہ جن کے ذریعہ انسان اپنے اعمال پر کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ رابعہ بصریہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا میرے جتنے بھی اعمال ہوتے ہیں ان کو کچھ شمار نہیں کرتی اور دوسروں نے فرمایا، اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ، جیسا کہ برائیوں کو چھپایا جاتا ہے۔

اور دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر امور خیر کے لئے کوئی خیمہ بنا سکتا ہے۔ تو بنالے۔ منقول ہے کہ رابعہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ امیدوں سے نا نیکیوں ڈرتی ہو۔ فرمایا جس کے اعمال ظاہر ہوں گے اسی کی پکڑ ہوگی

مروی ہے کہ محمد بن واسع اور مالک بن دینار دونوں جمع ہوئے۔ مالک بن دینا

بولے یا اللہ تعالٰی کی طاعت اور عبادت یا نار دوزخ محمد بن واسع نے کہا یا اللہ تعالٰی کی رحمت یا پھر نار دوزخ۔ مالک بن دینار بولے مجھ سے بڑھ کر اور کسی علم کی مجھے حاجت اور ضرورت نہیں۔

ابی یزید بسطامی فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں نے عبادت الٰہی کی۔ اس کے کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے۔ اے ابو زید عبادت سے خزانہ بھرا ہوا ہے اگر اس تک رسائی چاہتا ہے تو ذلت اور مسکنت اختیار کر۔

میں نے استاد ابی الحسن سے سنا ہے وہ استاد ابی الفضل کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ میں طاعات کرتا ہوں وہ اللہ تعالٰی کے دربار میں غیر مقبول ہیں۔ اس کے متعلق ان سے کچھ کہا گیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ کہ اس ذات کو فعل کی حاجت نہیں کہ وہ اس کو قبول کرے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ میرے اعمال غیر مقبول ہیں۔ اس پر ان سے کہا گیا تو پھر آپ عبادت کرنا چھوڑ دیجئے۔ اس پر فرمایا ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی کی کسی دن نظر رحمت ہو جائے اور نفس امور خیر کا عادی ہو جائے۔ لہذا ان کے چھوڑنے کی حاجت نہیں جب تک شروع ہی سے نفس کو اس کا عادی نہ بنایا جائے۔ غور کرو کہ یہ قوال اصحاب ریاضت اور مجاہدہ اور بزرگوں کی حالت ہے تو تیری حالت تو شاعر کے اس قول کے مطابق ہے۔

اپنے نفس کے لئے غیروں کی صحبت تلاش کر، مایوسی پیدا ہو گئی اور امیدیں ختم ہو گئیں۔ افسوس ہے۔ سستی پر سرداری کا خواہش مند ہے۔ نفسوں کے ساتھ تدبیر اور توجہات کے ساتھ کوشش کرو۔ انتہی۔

اس کے بعد دیکھ میں اس مقام پر صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ جو کہ اور مقامات پر بھی ذکر کی ہے۔ ابن مبارک خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے معاذ سے کہا کہ میرے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کرو، جو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور ہر قسم کی شدت

دستی میں اس کو محفوظ اور یاد رکھا ہو۔ معاذ رض نے فرمایا بہت اچھا اور اس کے بعد
بہت روئے" اور اس کے بعد فرمایا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات
کا شوق اور اس کی خواہش اس کے بعد حدیث بیان کرنی شروع کی کہ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے
بٹھالیا۔ چنانچہ ہم چل دئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا
اور فرمایا۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ثابت ہیں جو اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا
ہے۔ احکامات نافذ فرماتا ہے۔ اور فرمایا معاذ۔ میں نے عرض کیا سید المرسلین حاضر
ہوں۔ فرمایا میں تیرے سامنے ایک چیز بیان کرتا ہوں اگر اس کو محفوظ رکھے گا تو تجھے
نفع پہنچے گا۔ اور اگر اس کو ضائع کر دے گا تو اللہ العالمین کے دربار میں تیری حجت ختم ہو
جائے گی۔ فرمایا۔ اے معاذ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے سات
فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ ہر ایک آسمان پر ایک فرشتہ دربان اور داروغہ ہے اور آسمانوں
کے دروازوں میں ہر ایک دروازہ پر دروازہ کی عظمت اور بڑائی کے اعتبار سے ایک
فرشتہ دربان ہے۔ فرشتے بندہ کے اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور اس عمل میں سورج
کی طرح روشنی اور شعاعیں ہوتی ہیں آسمان دنیا تک پہنچ جاتا ہے اور فرشتے اس عمل کو
زیادہ سمجھتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے ہوں گے جب دروازہ پر پہنچیں گے تو دربان
فرشتوں سے کہے گا یہ اس کا عمل اسی کے منہ پر مار دو۔ میں صاحب غیبت ہوں۔
مجھے میرے پروردگار نے اس چیز کا حکم دیا ہے کہ میں اس شخص کا عمل نہ چھوڑوں
جو کہ انسانوں کی غیبت کرتا ہو کہ وہ میرے دوسرے کے پاس چلا جائے اس کے بعد
فرشتے اگلے دن بندہ کا نیک عمل لے کر چڑھتے ہیں۔ جس میں نور اور روشنی ہوتی ہے
اور فرشتے اس عمل کی کثرت اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسرے
آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس آسمان کا فرشتہ کہتا ہے کھڑے ہو جاؤ اور یہ عمل
اسی صاحب عمل کے منہ پر مار دو اس لئے کہ اس نے اس سے دنیا کی ساز و سامان
کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس کا عمل کسی اور تک نہ جانے

دوں۔ چنانچہ شام تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں اور پھر فرشتے بندہ کے اعمال خوشی خوشی لے کر چڑھتے ہیں کہ جس میں صدقات روزہ اور بہت سی خیر کی چیزیں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کی کثرت اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں وہ فرشتے جو کہ اس آسمان پر دربان ہے کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور یہ عمل اس کے منہ پر مار دو۔ میں بڑائی والوں کا بادشاہ ہوں مجھے میرے پروردگار نے اس چیز کا حکم دیا ہے کہ اس کا عمل دوسرے تک نہ جانے دوں یہ شخص مجلسوں میں انسانوں پر تکبر کرتا تھا۔

اس کے بعد پھر فرشتے بندہ کے اعمال لیکر چڑھتے ہیں اور وہ اس طرح چمکتا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ ستارہ اور بہت روشن تارہ اور اس کے اندر آواز ہوتی ہے اس کے روزہ، نماز، حج اور عمرہ کے متعلق پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بھی چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہ فرشتہ جو کہ اس جگہ متعین ہے۔ کہتا ہے یہاں ٹھہر جاؤ اور یہ عمل والے کے منہ پر مار دو۔ میں عجب والوں کا بادشاہ ہوں۔ مجھے میرے پروردگار نے اس چیز کا حکم دیا ہے کہ اس کا عمل آگے نہ جانے دوں۔ اس لئے کہ یہ جب بھی کوئی نیک کام کرتا تھا تو اس میں عجب اور بڑائی شروع کر دیتا تھا۔

اس کے بعد پھر فرشتے بندہ کا عمل لے کر چڑھتے ہیں اور اس کو اس طرح مزین کئے رکھتے ہیں جیسا کہ دلہن فرشتے ان بہترین اعمال جہاد حج اور عمرہ کو لے کر پانچویں آسمان تک پہونچتے ہیں اور ان اعمال میں ایسی روشنی ہوتی ہے جیسا کہ سورج میں نور اور روشنی ہوتی ہے اس آسمان والا فرشتہ کہتا ہے میں حسد والوں کا بادشاہ ہوں اللہ تعالیٰ نے اس پر جو کچھ انعامات کئے تھے یہ ان پر حسد کیا کرتا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ جس قدر راضی تھا وہ ناراض ہو گیا۔ میرے پروردگار نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں اس کا عمل اپنے علاوہ اور کسی کے پاس نہ جانے دوں۔ اس کے بعد پھر فرشتے بندہ کا عمل لے کر چڑھتے ہیں۔ جس میں کامل وضو اور بہت نمازیں روزے اور حج وعمرے ہوتے ہیں۔ حتی کہ ان سب کو لے کر چھٹے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرشتہ جو کہ دروازہ پر متعین رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں رحمت والا ہوں اس کا عمل اسی کے منہ پر مار دو۔ یہ شخص

کسی انسان پر بھی رحم نہیں کرتا تھا۔ اور اگر کسی شخص سے اس کا واسطہ ہو جاتا تو گالی گلوچ دیتا۔ میرے پروردگار نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کا عمل کسی اور کے پاس نہ جانے دوں۔
اس کے بعد پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر چڑھتے ہیں جس میں بہت صدقات نماز اور روزہ زہد و تقویٰ سے مزین و آراستہ اس کی رعد کی طرح آواز اور روشنی برق و بجلی کی طرح ہوگی۔ جب ساتویں آسمان پہ پہنچتے ہیں تو اس آسمان والا فرشتہ کہتا ہے میں ریا اور انسانوں میں نمائش کرنے والوں کا فرشتہ ہوں اس عمل والے نے مجالس میں شہرت، دوستوں میں بلندی اور بڑوں میں بزرگی کی طلب کی ہے۔ میرے پروردگار نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں اپنے اس عمل کو اپنے علاوہ اور کہیں نہ جانے دوں۔ اور جو عمل خالص اللہ کے لئے نہ اس میں ریا ہو اور اللہ العالمین بڑائی اور ریا کار کے اعمال کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد پھر فرشتے بندہ کے اعمال لے کر چڑھتے ہیں جس میں نماز روزہ زکوٰۃ حج اور عمرہ اور بہترین اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے اذکار ہوتے ہیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتوں پر عبور کر لیتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جتنے حجاب ہوتے ہیں وہ سب ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ فرشتے پروردگار جل جلالہٗ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال صالحہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ خالص اللہ تعالےٰ کے لئے کئے گئے ہیں۔
اس پر اللہ تعالےٰ فرمائیں گے تم میرے بندہ کے اعمال کے محافظ ہو اور مجھے اس کے دل کے احوال کی خبر ہے۔ اس نے ان اعمال سے میرا قصد و ارادہ نہیں کیا اور میرے علاوہ دوسروں کا ارادہ کیا ہے اور نہ خالص میرے لئے ان اعمال کو کیا ہے۔ میں بخوبی واقف ہوں کہ اس نے اپنے اعمال سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے۔ ایسے شخص پر میری لعنت نازل ہو۔ اس نے انسانوں کو اور تمہیں دھوکہ دیا ہے مجھے ہرگز نہیں دھوکہ دے سکتا۔ میں تو علام الغیوب ہوں قلب کے احوال سے باخبر ہوں۔ مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور نہ میری مرضی کے بغیر ظاہر ہو سکتی ہے۔ مجھے جیسا ہونے والی اشیاء کے متعلق علم ہے ویسا ہی گذری ہوئی چیزوں کی خبر ہے اور جیسا کہ آخرین

کے احوال سے میں باخبر ہوں ایسا ہی اولین کے متعلق مجھے علم ہے۔ تمام مخفی اور پوشیدہ چیزوں کی مجھے خبر ہے تو پھر میرا بندہ اپنے اعمال سے مجھے کیسے دھوکہ دے سکتا ہے۔ دھوکہ تو صرف مخلوق کو دے سکتا ہے کہ جن کو کچھ خبر نہیں۔ میں علام الغیوب ہوں اس پر میری لعنت نازل ہو اور ساتوں فرشتے اور تمام زمین کے فرشتے جو کہ اس کے تابع ہیں کہیں گے کہ ہمارے پروردگار اس پر تیری اور ہماری لعنت نازل ہو۔ پھر آسمانوں والے کہیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت نازل ہو۔

اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت معاذ بن جبل روئے اور خوب آہ و بکا کی اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ جو چیزیں آپ نے بیان کی ہیں اُن سے چھٹکارا اور نجات کیونکر حاصل ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا اے معاذؓ یقین میں اپنے نبی کی اقتدا کر۔ معاذؓ نے عرض کیا آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میں معاذ بن جبل ہوں۔ مجھے چھٹکارا اور نجات کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا اے معاذ اگر تیرے اعمال میں خامی اور کوتاہی ہو۔ تو انسانوں کے معاملات میں الجھنے سے اپنی زبان کو محفوظ رکھ، اور خصوصیت کے ساتھ اپنے قرآن والے بھائیوں سے اور انسانوں کے واقعات میں اپنے نفس کے عیوب بیان کر اور اپنے بھائیوں کی برائی بیان کر کے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کر اور ایسے ہی اپنے بھائیوں کو ذلیل کر کے اپنی عزت اور بڑائی نہ جتلا۔ اور انسانوں میں نمائش کے لئے اپنے عمل کی ریا نہ کر اور دنیا میں ایسا معروف نہ ہو کہ جس سے آخرت ہی کو بھول جائے۔ اور دوسرے کی موجودگی میں صرف ایک شخص سے سرگوشی نہ کر۔ اور انسانوں پر بڑائی نہ جتلا کہ کہیں اس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے محروم نہ کر دیا جائے اور اپنی مجلس میں فحش اور بے حیائی کی باتیں نہ کر کہ تیری بداخلاقی کی بنا پر انسان تجھ سے علیحدگی اختیار کرنے لگیں اور انسانوں پر احسان نہ جتلا اور اپنی زبان سے ان کو نہ چیٹ کہ تجھے دوزخ کے کتے چیٹنے لگیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا یعنی ہڈیوں سے گوشت نوچا جائے گا۔ معاذ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان خصلتوں پر کاربند ہونے کی کون طاقت رکھتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ جو چیزیں میں نے بیان کی ہیں جس کے لئے

اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اس کو ان پر کاربند ہونا آسان ہے ۔

ان میں سے تجھے یہ چیزیں کافی ہیں کہ انسانوں کے لئے وہ چیز پسند کر جو کہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ایسے ہی ان کے لئے اس چیز کو نہ پسند کر جس کو اپنے لئے نہیں گوارا کرتا۔ اب اس کے بعد تو سالم اور محفوظ ہو جائے گا خالد بن معدانؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جس قدر اس حدیث کو پڑھا کرتے تھے، قرآن کریم کو بھی اس قدر نہ پڑھا کرتے تھے۔

اب اس حدیث کو سننے کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ تم میں سے ہر شخص وہی ہے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ۔ واقعات بہت بلند اور خطرات بہت دردناک جن کے اثرات سے قلوب اڑ جاتے اور عقلیں متحیر ہو جاتی ہیں ۔ اور ان امور کو برداشت کرنے سے سینے تنگ اور اس کے خوف سے نفوس گھبرا جاتے ہیں ۔ لہذا اپنے معبود حقیقی الہ العالمین کو پکڑ اور اس کے در کو تضرع اور آہ وزاری کے ساتھ آہ وزاری کرنے والوں کی رات اور دن کے گوشوں میں لازم پکڑے ۔ اس لئے کہ ان معاملات سے نجات، بغیر اس کی رحمت کے مشکل اور بحر عظیم سے سلامتی اور حفاظت بغیر اس کی نظر توفیق اور رحمت کے دشوار ہے ۔

لہذا غفلت سے باز آ اور کاموں کو کما حقہ کرنا شروع کرے اور اس خوفناک گھاٹی میں ذرا نفس کے ساتھ بھی مجاہدہ کر کہ کہیں ہلاک اور برباد ہونے والوں کے ساتھ ہلاک اور برباد نہ ہو جائے ۔ باقی ہر حال میں وہی ذات مستعان اور ارحم الرحمین ہے ۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

- - - - - - - -

فصل

اب اگر اس کے بعد ذرا تو غور سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کا جائزہ لے اور اس کے ساتھ ساتھ مخلوق کی عاجزی کمزوری اور جہالت کو دیکھے تو اپنے قلب کے ساتھ ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور ان کی تعریف اور عظمت و بڑائی جس میں کوئی فائدہ نہیں باز رہے۔ تو اب اس وجہ سے تیری عبادت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اور جب دنیا کی خست ذلت اور اس کے زوال کی تیزی کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ان چیزوں کو کوئی دخل نہ دے اور کہنا شروع کر دے اے نفس رب العالمین کی ثنا اور اس کا شکر اس عاجز اور جاہل مخلوق سے جو کہ حقیقی طور پر تیرے اعمال کی قدر و منزلت نہیں پہچانتے بہتر ہے۔ اور اس سے بے خبر ہیں کہ تجھے عبادت میں کیا مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور تیرے اعمال اور مشقتوں میں تیرے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ بلکہ تیرے اوپر اس شخص کو جو کہ تجھ سے کمتر اور ذلیل ہے ہزار درجہ فوقیت دیتے اور بہت ضروری اوقات تجھے فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا بھی نہ کریں تو پھر کیا چیز ہے جو کہ ان کے قبضہ میں ہو اور کس چیز تک تو ان کی قدر و منزلت کو پہچان سکتا ہے۔ پھر تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہے کرے اور جس طرح چاہے ان کو پھیرے۔ تو اے نفس ذرا سمجھ سے کام لے اور ان کے ذریعہ سے اپنی عزیز طاعت اور عبادت کو نہ برباد کر اور اس ذات کی تعریف اور ثنا نہ چھوڑ کہ جس کی ثنا کرنا پورا پورا فخر ہے اور اس کی عطائیں جس کو وہ دیدے پلہ بھرا ذخیرہ ہیں۔ قائل نے سچ کہا ہے۔

بغیر وجہ بیدار رہنا فضول ہے۔ اور تیرے ضائع ہوئے بغیر آہ وزاری کرنا باطل ہے۔ انتہی۔

اور اپنے نفس سے کہہ کہ جنت الخلد بہتر ہے یا یہ حرام دنیا اور اس کے فانی اسباب، اور پھر تجھے قدرت ہے کہ اپنی عبادت سے ان نعیم مقیم کو حاصل کرے تو کمزور ہمت والا

اور ذلیل ارادہ اور برے افعال والا ہونا چاہیئے۔ کیا نہیں دیکھتا کہ حمام جب آسمانی ہوتا ہے تو اس کی قدر و منزلت کس قدر ہوتی ہے لہذا اپنی تمامتر کوششوں کو آسمان کی طرف متوجہ کر اور اپنے قلب کو اس ذات کے لیے جس کے قبضہ میں تمام چیزیں ہیں خالی کر دے اور طاعات میں سے جس قدر کر سکے فضول ان کو تباہ اور برباد نہ کرے اور اسی طرح جب تو خوب سوچے گا تو اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور اپنی عبادت میں اس کے احسانات کا بخوبی مظاہرہ کرے گا کہ اولاً تجھے اسباب عطا کرے گا۔ اس کے بعد پریشانیوں اور الجھنوں کو دور فرمائے گا۔ حتیٰ کہ طاعت الٰہی کے لئے تو فارغ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اپنی توفیق اور تائید کے ساتھ خاص فرمائے گا اور عبادت کو تیرے لئے آسان کر دے گا اور تیرے قلب میں اس کو اس طرح مزین فرما دے گا کہ اس عبادت پر کار بند ہو جائے پھر اپنی عظمت و جلال اور تیرے اور تیری عبادت سے استغنا کے باوجود اور پھر تجھ پر انعامات کی کثرت کرنے کے بعد اس معمولی سے عمل پر اس قدر ثنا جمیل اور ثواب جزیل عطا فرمائے گا کہ جس کا یہ عمل کسی بھی حالت میں مستحق نہیں۔ اور پھر اس پر تیرا شکر اور اس ثنا سے عمل پر ثنا جزیل عطا فرمائے گا اور اس کے بعد اس عمل کی وجہ سے تجھے مقام محبوبیت عطا فرمائے۔ غرض کہ یہ تمام چیزیں اس کے فضل عظیم کی وجہ سے ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تیرا کیا حق ہو سکتا ہے اور تیرے اس حقیر و ذلیل عمل کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے تو اے نفس رب کریم رؤف رحیم کے احسانات کو یاد کر کہ اس طاعت سے کس قدر تجھ پر احسانات کئے ہیں۔

اب اس کے بعد ذلے عمل میں التفات کرنے سے شرم کر۔ بلکہ فضیلت اور احسانات ہر ایک حالت میں سب کے سب ہم پر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

اور اس طاعت کے حصول کے بعد آہ و زاری کے علاوہ تیرا اور کیا کام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا قول نہیں سنا جب کہ وہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے کس قدر اللہ رب العزت کے

کے سامنے آہ وزاری کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا فرمایا۔

چنانچہ عرض کیا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور جب اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ

لہذا اگر رب العالمین تیرے اوپر اس ذرا سی حقیر اور ذلیل عبادت کے قبول کرنے کے ساتھ احسان کرے تو اس نے اپنی نعمتوں اور اپنے انعامات کو پورا فرما دیا۔ بس کیا ہی سعادت عزت و رفعت اور بلندی کا مقام ہے اور کس قدر تجھے اس وقت انعامات، خلعت اور کرامتیں عطا فرمائی ہیں۔

اور اگر دوسرا پہلو متعین ہو جائے تو کیا خسارہ نقصان اور محرومی کا باعث ہے۔ لہذا اس چیز کا اہتمام کرنا اور اس میں مشغول ہونا چاہیئے۔ اب اگر تو ان چیزوں پر مواظبت کرے اور عبادت سے فارغ ہونے کے بعد بار بار اپنے قلب پر اس کا تذکرہ اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے اور اس کے ساتھ ساتھ مخلوق اور نفس سے بے رخی اور ریا و عجب سے یکسوئی ہو۔ اور یہ تمام چیزیں محض اللہ تعالیٰ کے اخلاص کی بنا پہ ہوں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے انعامات ملحوظ ہوں۔ اور ظاہری طور ایسی عبادت ہو جائے کہ جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ اور خالص ایسی بھلائیاں ہو جائیں جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو اور ایسی مقبول عبادتیں ہوں جس میں کسی قسم کا نقص اور خامی نہ ہو۔

بلکہ اگر اس قسم کی طاعت اور عبادت زندگی بھر میں ایک مرتبہ بھی نصیب ہو جائے تو میری زندگی کی قسم حقیقت میں یہ بہت عظیم الشان دولت ہے۔ اور میری زندگی کی قسم اگرچہ یہ تعداد میں کم لیکن معانی کے اعتبار سے زائد، قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت بلند اور ثواب کے اعتبار سے بہت زائد ہے اور انجام و آخرت بہت ہی اچھا ہے۔ لہذا اس عبادت کی توفیق حاصل ہو جانا مشکل اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعامات اس کے متعلق بکثرت ہیں۔ اب بتلاؤ کونسا ہدیہ اس ہدیہ سے بڑھ کر ہو سکتا ہے جس کو رب العالمین قبول فرمائے اور کونسی سعی و کوشش اس سعی و کوشش سے اچھی ہوتی ہے جس کا حبیب المضطرین شکر ادا کرے اور رب العالمین اس کی

تعریف فرمائے اور مونی پر تھی اس پونجی سے معزز اور محترم ہو سکتی ہے جس کو رب العالمین پسند فرمائے اور اس سے خوش ہو۔

مسکین خود کر ایسا نہ ہو کہ کہیں تو بھی اوروں کے ساتھ دھوکا کھا جائے۔

غرض کہ جب تو اس طریقہ پر کاربند ہوگا تو تیرا شمار اللہ تعالے کے مخلص اور خائف بندوں میں اور ان حضرات میں ہوگا جو کہ اس کے تعلقات کو یاد رکھنے والے ہیں۔

اور تو اس خوف زدہ وادی کو بھی عبور کر چکا اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ ہو چکا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ خیرات اور اس کے ثمرات میں ہمیشہ کے لئے کرامتوں اور شرافتوں کے ساتھ سبقت کر چکا ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق اور عصمت عطا فرمانے والے ہیں۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ساتواں باب ۔ حمد اور شکر

اللہ تعالیٰ تجھے اور ہمیں نیک توفیق عطا فرمائے ۔ اس وادی کو عبور کرنے اور مقصود عبادت میں سلامتی حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس نعمت عظیمہ اور منت کریمہ پر حمد اور شکر واجب ہے ۔

اور یہ حمد اور شکر دو وجہ سے واجب اور ضروری ہے ۔ ایک تو نعمت عظیمہ کے دوام کی وجہ سے اور دوسرے اس پر زیادتی کی طلب اور خواہش کی بنا پر ۔

نعمت کا دوام تو اس وجہ سے کہ شکر اس نعمت کی حد ہے جو کہ ہمیشہ موجود رہتی ہے اور اس شکر کو چھوڑ دینے کی وجہ سے زائل اور ختم ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت میں تغیر نہیں کرتے جب تک وہ لوگ خود اپنی صلاحیت کی حالت کو نہیں بدل دیتے

اور اس رب العالمین کا ارشاد ہے ۔

فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ

انھوں نے خدا کی نعمتوں کا انکار کیا تو خدا نے ان کے اعمال کی بنا پر انہیں بھوک اور خوف کا مزا چکھایا ۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے ۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ الآیہ

اور اے منافقو اللہ تعالیٰ تم کو سزا دیکر کیا کریگا ۔ اگر تم سپاس گزاری کرو اور ایمان لے آؤ ، اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔

بعد شکر ادا کرنا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس سے کہ آدمی آزمائشوں میں گرفتار ہو۔ پھر اس کے بعد صبر کرے اور کہا گیا ہے کہ صابر کا مقام شاکر سے بلند ہے اس لئے یہ مشقتوں میں زیادہ گرفتار ہے، اس لئے اس کو اس پر ثواب بھی زیادہ ملے گا اور اس کا مقام بھی بلند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ الآیۃ — بے شک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوئے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ — صابرین کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا پورا دیا جائے گا۔

اور الہ العالمین کا فرمان ہے۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ — اللہ تعالیٰ صابرین سے محبت فرماتا ہے۔

امام غزالی رح فرماتے ہیں۔ شاکر حقیقت میں صابر نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی صابر حقیقی طور پر شاکر کا مقام نہیں حاصل کر سکتا۔ اس لئے کہ شاکر محنت اور مشقت کے مقامات میں ایسی ہی محنت اور مشقت سے خالی نہیں کہ جس پر یقینی طور پر صبر واجب ہے اور اس میں جزع بالکل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ شکر منعم کی اس تعظیم کا نام ہے کہ جس میں اس کی نافرمانی نہ صادر ہو اور جزع حقیقتہً اس کی نافرمانی ہے اور صابر بھی نعمتوں سے خالی نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ شدائد بھی حقیقی طور پر شکر ہے اس لئے اس نے محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کو جزع سے روکا ہے اور یہی حقیقی طور پر شکر ہے اس لئے کہ یہ ایسی عظمت اور بڑائی ہے جو کہ معاصی سے روکتی ہے۔

اور شاکر اپنے نفس کو کفران نعمت سے روکتا ہے اور معصیت پر صبر کرتا اور اس کے ساتھ اپنے نفس کو شکر پر آمادہ کرتا ہے اور طاعات پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی

اور نعمت دفعیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے نقصان اور فساد کی چیزوں کو دور فرما دے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو نفس اور جان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ تجھے کمزوری اور تمام آفتوں اور بیماریوں سے محفوظ رکھے۔

اور دوسرے ان چیزوں کو دور کرنا کہ جن سے نقصان وغیرہ کا خدشہ ہو جیسا کہ پریشانیاں وغیرہ یا کوئی انسان، جن، درندہ اور چوپایہ وغیرہ نقصان پہنچانے کا در پے ہو۔

اور اسی طرح نعمت دینیہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نعمت توفیق اور دوسری نعمت عصمت۔

سو نعمت توفیق کا تو یہ مطلب ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ تجھے اسلام کی توفیق دے اس کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی پھر طاعت اور عبادت کی۔

اور نعمت عصمت یہ ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کفر سے محفوظ رکھے اور اس کے بعد بدعت وضلالت پھر تمام معاصی سے اور ان تمام تفصیلات کا احاطہ اس سید عالم کے علاوہ جس نے تیرے اوپر انعام کیا اور نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا — اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر ان کا شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔

اور ان تمام نعمتوں کا دوام اس وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ تیرے اوپر انعام فرمائے اور ان میں ہر ایک طریقہ سے زیادتی۔ تیرے وہم و خیال سے بہت بلند ہے اور ان سب کا تعلق صرف ایک ہی چیز سے ہے اور وہ شکر اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور وہ خصلت جس کی یہ قدر و قیمت ہو اور اس میں اس قدر فوائد ہوں اس بات کی مستحق ہے کہ ہر حال میں بغیر غفلت کے اس کو لازم پکڑا جائے۔ یہ بہت قیمتی جوہر اور انمول کیمیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق بفضلہ۔

حمد اور شکر کی حقیقت اس کے معانی اور احکام

علمائے کرام نے حمد اور شکر کے حاصل کرنے کے درمیان فرق کیا ہے بایں طور
کہ حمد تو تسبیح اور تہلیل کے ذریعہ عبادت ظاہریہ کی کوششوں کا نام ہے اور شکر تو تعریف
اور صبر کی صورتوں کا نام ہے اور عبادت باطنیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ
شکر کفر کے مقابل ہے اور حمد ذم اور ملامت کے مقابل اور حمد عام اور کثیر الوقوع
اور شکر خاص اور قلیل الوقوع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ — اور میرے بندوں میں شکر گذار
کم ہی ہوتے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں کے معنی جدا جدا ہیں اور پھر حمد کسی کے عمدہ کام پر
تعریف اور ثنا کا نام ہے۔ ہمارے شیخ رح کے قول سے یہی معنیٰ سمجھ میں آتے ہیں۔
اور شکر کے بکثرت معنی بیان کئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رض نے فرمایا ہے کہ وہ ظاہر اور باطن کے اعتبار
سے اللہ تعالیٰ کی تمام اعضاء کے ساتھ عبادت کرنے کا نام ہے اسی چیز کے قائل ہمارے
بعض مشائخ بھی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ شکر ظاہر اور باطن کے اعتبار سے
طاعات کی ادائیگی کا نام ہے۔ پھر انھوں نے اس چیز کی طرف رجوع کیا کہ شکر ظاہری
و باطنی طور پر تمام معاصی سے بچنے کا نام ہے۔

اور حضرات نے فرمایا ہے کہ شکر اللہ تعالیٰ کی معاصی کے اختیار کرنے سے باز رہنا ہے جس سے
تیرے قلب اور زبان اور تمام اعضاء کی حفاظت ہوتی رہی اور اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ان
تینوں شکلوں میں سے کسی بھی شکل میں نہ ظاہر ہو۔ ان کے قول اور پہلے شیخ کے قول کے درمیان یہ فرق
ہے کہ انھوں نے حفاظت کو ایسے معنی قرار دیئے ہیں جو معاصی کے ارتکاب سے ایک زائد چیز ہے اور یہ معاصی
سے کما حقہ اجتناب ہے وہ یہ کہ دواعی معاصی کے وقت معاصی کا ارتکاب نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ
نفس میں ایسے معنی نہ پیدا ہوں کہ جن کے ساتھ بندہ مشغول ہو جائے اور ناشکری کو مضبوط کر دے اور ہمارے

شیخ رحمہ نے فرمایا ہے کہ منعم کی نعمت کے مقابلہ میں ایسی تعظیم کا نام ہے کہ جس سے منعم کی سرکشی اور ناشکری نہ ٹپکے۔

اور اگر کہے کہ محسن کے احسان کے مقابلہ میں اس کی تعظیم واجب ہے تو یہی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر اس کا شکر واجب ہے یہ چیز بھی درست ہے مگر اس مسئلہ میں تفصیل ہے جس کو ہم نے کتاب احیاء العلوم الدین وغیرہ میں بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شکر بندہ کی اس تعظیم کا نام ہے جو کہ محسن اور منعم کی سرکشی سے روکے ہے غرض کہ شاکر شکر کا حال میں بہت خوب اور کافر کفر کا حال اور ناشکری میں بہت برا ہے۔

امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں سب سے کم درجہ کی چیز جو کہ منعم کے لئے اس کی نعمت پر واجب ہوتی ہے وہ یہ کہ ان نعمتوں کی وجہ سے معاصی کا ارتکاب نہ کرے اور اس شخص کا بہت ہی بدترین حال ہے جو کہ محسن کے احسانات اور انعامات کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ بنائے۔

غرض کہ حقیقی طور پر بندہ پر شکر میں سے اس وقت یہ چیز واجب اور ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت اس قدر ہو کہ اس کے نعمتوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کی نافرمانیوں سے یہ چیز رکاوٹ اور حائل نہ بنے جب اس چیز پر عمل پیرا ہوگا تو حقیقی چیز حاصل کرے گا۔

اس کے بعد طاعت میں کوشش اور عبادت میں محنت صرف کرنے کے لئے تیار ہو جائے اس لئے کہ یہ تمام نعمت کے حقوق ہیں۔ لہذا اس کے ساتھ معاصی سے بھی بچنا بہت ضروری ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ شکر کا کیا مقام ہے تو دینی و دنیوی نعمتیں اپنی حیثیت اور مقدار سے اس کا مقام ہیں اور رہا دنیا نفس اور مال و اولاد میں شدائد و مصائب کا واقع ہونا تو یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ کیا اس پر بھی بندہ پر شکر واجب ہے۔

بعض علماء نے فرمایا۔ ان مصائب پر شکر واجب نہیں بلکہ ان پر صبر واجب ہے۔ اس لئے کہ شکر نعمت کے علاوہ اور کسی چیز پر واجب نہیں ہوتا اور کوئی شدت وسختی ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت وابستہ نہ ہو تو اس متعلقہ نعمت پر شکر واجب ہے نفس شدت پر صبر واجب نہیں۔

ان نعمتوں کے متعلق ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ جب بھی میں کسی آزمائش میں مبتلا ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار نعمتوں کا مشاہدہ کیا۔

ایک تو یہ چیز میرے دین میں واقع نہیں ہوتی، اور دوسرے اس سے بڑھ کر اور کوئی شدت و پریشانی نہیں لاحق ہوئی، تیسرے اس کے ذریعے رضا سے محروم نہیں ہوا۔ اور چوتھے ان شقتوں پر ثواب کی امید رکھی۔

اور دوسرے علماء کرام نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور یہی چیز ہمارے شیخ کے نزدیک بہتر ہے کہ دنیاوی شدائد اور سختیوں پر بندہ پر شکر واجب ہے اس لئے کہ یہ شدائد حقیقت میں نعمتیں ہیں۔ اس لئے ان کے ذریعہ بہت سے منافع اور ثواب جزیلہ اور عقبیٰ و آخرت میں قسم قسم کی اشیاء میسر ہوتی ہیں جو کہ ان کے پہلوؤں میں ان شدائد کی شقتوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔

سو اس نعمت سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مجھے کوئی بہت سخت کڑوی دوا پلائے۔ یا کسی سخت بیماری کے پیش نظر تیرے فصد کھولے یا پچھنے لگاتے اور اس کے ذریعہ سے نفس کی صحت، بدن کی درستی زندگی کی راحت نصیب ہو تو اس دوا کی تلخی فصد کھولنے اور پچھنے لگانے سے یہ تکلیف پہنچانا حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بہت بڑا احسان ہے۔ گو حقیقت میں صورت ایسی ہے کہ جس سے طبیعت نفرت کھاتی اور نفس متوحش ہوتا ہے اور تو اس شخص کی جس نے تیرے اوپر یہ زبردستی چلائی ہے تعریف کرنے کے لئے تیار بلکہ حق الوسع اس کو احسان پہنچانے کے درپے ہے سو یہی حالت شدائد اور سختیوں کی ہے۔

کیا نہیں غور کرتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کیسے حمد و ثنا کی

اور شدائد و سختیوں میں الٰہ العالمین کا اس طرح شکر ادا کیا جیسا کہ فراخی اور آسانی کی حالت میں چنانچہ فرمایا الحمد للہ علی ما ساءو وسر اور کیا نہیں غور کرتا کہ اللہ جل جلالہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا — تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ان امور کو خیر فرمانا یہ تیری سمجھ سے بہت بالا اور بلند ہے اور اس قول کی تائید اس سے ہو جاتی ہے کہ نعمت لذت اور نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں خیر نہیں تو یہ درجات کی بلندی میں زیادتی کا باعث ہے اسی وجہ سے زیادتی کے معنی میں اس کا نام نعمت رکھ دیا گیا ہے۔

اور جب کہ شدت اور سختی صبر کرنے کی وجہ سے بندہ کے درجات کی بلندی کا سبب ہو تو حقیقی طور پر یہی نعمت ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر اس کا شمار شدائد اور محنتوں میں ہے۔

شاکر افضل ہے یا صابر

اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ (شکر گذار بندے بہت کم ہی ہیں) کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ شاکر افضل ہے اس لئے کہ یہ اخص الخواص ہے اور نوح علیہ السلام کی تعریف میں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا — واقعی وہ میرا شکر گذار بندہ تھا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ — اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے

اور یہ کہ یہ انعام اور عافیت کے صبح ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انعامات کے

إنَّ للنعما اوابد كاوابد الوحش فقيدوها بالشكر — نعمتیں بھی وحشی جانوروں کی طرح غیر مانوس ہیں۔ لہذا ان کو شکر خداوندی کے ذریعہ اپنے قبضہ میں رکھو۔

اور اس پر زیادتی کا حاصل ہونا تو وہ اس طرح کہ جب شکر نعمت کے لئے حد ہے تو اس کے ذریعہ سے زیادتی بھی طلب کی جاسکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالی اور وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى — انکو زیادہ ہدایت دیتا ہے۔

اور وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب سے جنت کے راستے ضرور دکھائیں گے۔

لہذا سید حکیم جس وقت بندہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے حقوق نعمت ادا کر رہا ہے تو وہ اس پر اور زیادتی فرما دیتا ہے اور اس کو ان نعمتوں کا مستحق قرار دیتا ہے۔ ورنہ پھر تمام نعمتیں اس سے منقطع کر دیتا ہے۔

نعمتوں کی قسمیں

نعمتوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دنیوی اور دوسرے دینی۔ پھر نعمت دنیوی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نعمت نفع اور دوسرے نعمت دفع۔

نعمت نفع تو یہ ہے کہ تجھے مصلحت اور نفع کی چیزیں دیجائیں۔ نفع کی بھی دو قسمیں ہیں ایک خلقی منافع کہ تیرے صحیح و سالم اور عافیت والے ہونے کے فوائد دوسرے شہوت اور لذات والے جیسا کہ کھانے پینے پہننے اور نکاح وغیرہ کے فوائد۔

بھی حقیقی طور پر صابر ہو گیا۔

اور صابر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت راسخ رہتی ہے کہ اس تعظیم کی وجہ سے وہ مشقتوں کے لاحق ہونے پر جزع اور فزع سے مامون رہتا ہے اور یہ چیز اس کو صبر پر برانگیختہ کرتی ہے اور پھر وہ اللہ تم کا شکر ادا کرتا ہے تو حقیقی طور پر شاکر ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے کہ نفس کا کفران سے باوجود نفس کے تقاضا کے ہونے کے روکنا یہ سختی اور شدت ہے جس پر شاکر صبر کرتا ہے۔ اور صابر کی توفیق اور معاصی سے حفاظت یہ ایسی نعمت ہے کہ جس پر صابر شکر کرتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا اور وہ چیز جو دونوں کو ان کے افعال پر آمادہ کرتی ہے وہ بعض علماء کے قول کے مطابق امیرۃ استقامت ہے جو دونوں میں متفق ہے۔ لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر ہم کہتے ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔

فصل ۔ نعمت کے قدر دان ہی مستحق ہیں

اب انسان کے لئے اس آسان گھاٹی ۔ بڑی اہم ۔ اور معزز اور گرانقدر جوہر کو بھی عبور کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے۔ اور اس کے متعلق دو چیزیں سمجھ لینی چاہئیں کہ نعمت اسی شخص کو دی جاتی ہے جو اس کی قدر و منزلت پہچانتا ہو۔ اور ان نعمتوں کی قدر شاکر ہی پہچان سکتا ہے۔

اور ہمارے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جبکہ اس نے کفار کے واقعہ اور ان کی تردید میں بیان کیا ہے۔

أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنۢ بَيْنِنَآ ۗ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ	کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تم نے زیادہ فضل کیا ہے۔ کیا یہ بات نہیں کہ اللہ تم حق شناسوں کو زیادہ جانتے ہیں۔

ان جاہلوں نے یہ گمان کیا ہے کہ نعمت عظیم اور منت کریمہ ان ہی حضرات کو دی جاتی ہے جو مال اور حسب و نسب کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہوں۔ ان کفار

نے اپنے زعم و ارادہ کے متعلق کہا کہ ان فقراء کو کیا ہوا کہ ہمارے علاوہ نعمت عظیمہ دی گئی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تکبر اور مذاق کے طور پر کہا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا اس عظیم الشان نکتہ کے ساتھ جواب دیا ہے۔ مطلب یہ کہ سید کریم اور الٰہ العالمین اپنی نعتیں اس پر نازل کرتا ہے۔ جو کہ اس کی قدر و منزلت پہچانتا ہے اور اس کی قدر و منزلت وہی پہچان سکتا ہے جو کہ اپنے نفس اور قلب سے اس کی جانب متوجہ ہو اور دوسروں پر اس چیز کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی تحصیل میں جن مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور پھر برابر اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے متیقن رہتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتا رہتا ہے اور ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے کہ ضعفاء اس نعمت کی قدر و منزلت کو پہچانتے اور اس کا شکر ادا کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لہٰذا تم سے اس نعمت کے یہی زیادہ مستحق ہیں۔ اور مالداری اور ثروت اور دنیا و عظمت اور نسب وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

تم تو کل کی کل نعمت دنیا اور اس کے ساز و سامان اور حسب و نسب اور اس کی بلندی کو شمار کرتے ہو اور دین و علم اور حق اور خدا تعالیٰ کی معرفت تمہارے نزدیک کوئی چیز نہیں اور تم تو صرف بڑائی جتلاتے اور آپس میں فخر کرتے ہو۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ تم اس دین اور علم اور حق پر متوجہ ہوسکے۔ مگر جو تم میں سے اس طرف متوجہ ہوا اس پر احسان جتلانے کے ساتھ۔ اور ساری وجہ یہ ہے کہ تم اس چیز کو حقیر سمجھتے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ہو۔

اور یہ فقراء حضرات تو اپنی جانیں اس پر قربان کر دیتے اور اپنی پوری کوشش اس پر صرف کرتے ہیں اور جو چیز ان سے فوت ہو جائے یا جو کوئی ان سے دشمنی کرے اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تاکہ یہ چیز معلوم ہو جائے کہ یہی حضرات ہیں جنہوں نے اس چیز کی قدر و منزلت کو پہچانا ہے اور ان ہی کے دل میں اس کی عظمت راسخ ہو چکی ہے اور اس کے سامنے ان کو تمام چیزوں کا قربان کرنا آسان ہو گیا ہے اور اس میں تمام

مشقتوں کا برداشت کرنا ان پر آسان ہے۔ پس تمام عمر حضرات اللہ تعالیٰ کے شکر میں لگے رہتے ہیں اسی بنا پر ہمارے سابقہ علم میں اس منت کریمہ اور نعمت عظیمہ کے مستحق ہوگئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس فضیلت کے لئے تمہیں چھوڑ کر ان فقراء اور مساکین کو خاص فرمایا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، یہی حالت ہر اس جماعت کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ دین کی نعمتوں میں سے علم اور عمل کے ساتھ خاص فرمائے۔ چنانچہ تو ان حضرات کو پائے گا کہ وہ اس کی قدر سب سے زائد پہچاننے والے اور بہت تعظیم کرنے والے اور اس کی تحصیل میں پوری کوشش کرنے والے ہوں اور اس کی عظمت و احترام اور اس کے شکر ادا کرنے میں بہت کمربستہ ہیں۔

اور جن حضرات کو اللہ تعالیٰ اس سے محروم کر دیتا ہے۔ تو ان کو ... اپر وائی اور قدر ساپنی کے بعد اس کی عظمت و احترام نہ کرنے کی وجہ سے۔ اگر علم اور عبادت کی تعظیم عام انسانوں اور تجارت پیشہ حضرات کے قلوب میں اس طرح ہوتی جیسا کہ علماء اور عابدین کے دلوں میں ہوتی ہے تو وہ تجارت اور پیشہ کو اس پر ترجیح نہ دیتے اور ان کے لئے ان چیزوں کا چھوڑ دینا آسان ہو جاتا۔

کیا یہ نہیں دیکھتا کہ جب کوئی فقیر کسی ایسے مسئلہ کے حاصل کرنے پر کامیاب ہو جاتا ہے جو کہ اس پر مشتبہ تھا۔ تو کس قدر اس کے قلب کو راحت ہوتی ہے اور کتنی اس کے قلب کو خوشی اور راحت ہوتی ہے۔ اگر اس کو ایک ہزار دینار مل جائیں تو بھی اتنی خوشی اس کو نہ ہو۔

اور بسا اوقات کسی دینی مسئلہ کے متعلق غور و خوض کرنے میں دس دس اور بیس بیس سال بلکہ اس سے زائد گذر جاتے ہیں۔ اور یہ اس قدر محنت اور تعب اس کو اس کی تلاش سے نہیں روکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں تو وہ اس کو عظیم الشان نعمت اور بہت بڑا احسان سمجھتا ہے اور اس کے بعد اپنے نفس کو ہر ایک قسم کی مالداری سے غنی سمجھتا ہے۔ اور ہر ایک

شرافت اور بزرگی سے اس کو بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ اس مسئلہ کو کسی تاجر یا سُست طالبعلم کے سامنے ظاہر کرتا ہے تاکہ یہ چیز ظاہر ہو جائے کہ اس کو علم سے کس قدر شغف اور محبت ہے تو وہ کما حقہٗ اس کا سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور اگر گفتگو دراز کرتا ہے تو رنجیدہ ہو جاتا ہے یا اس کو نیند آنی شروع ہو جاتی ہے اور اگر کسی مسئلہ کو اس کے سامنے پوری وضاحت سے بیان کرے تب بھی یہ حضرات ان مولوی صاحب کی جانب متوجہ نہیں ہوتے اور اسی طرح محنت و کوشش اس شخص کی ہے جو کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتا ہے کہ یہ شخص کس قدر کوشش کرتا ہے اور مقام ریاضت طے کرتا اور نفس کو شہوات اور لذات کے ارتکاب سے روکے رکھتا ہے۔ اور اس کو اور تمام ارکان اور حرکات و سکنات کو باقاعدہ ادا کرتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی دو رکعت نماز کو پورے آداب اور طہارت کے ساتھ پورا فرما دے اور کس قدر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ایک ساعت کی مناجات صفائی اور حلاوت کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پس اگر اس چیز پر ایک مہینہ میں کامیابی بلکہ ایک سال یا زندگی بھر میں ایک مرتبہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو منت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ شمار کرتا ہے اور کس قدر خوش ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس کو مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور راتوں کی بیداری اور اس مقام کے حاصل کرنے میں خواہشات کو ترک کرنا اس کو کچھ شمار نہیں کرتا۔

اس کے بعد اس شخص کی جانب متوجہ ہوگا کہ جس کے متعلق یہ خیال ہوگا کہ اس کو عبادت میں رغبت اور خواہش ہے تو اس بات کی کوشش کرے گا کہ اس کو یہ عبادت کا مقام حاصل ہو جائے خواہ شام کے کھانے میں ایک لقمہ کم ہو جائے۔ یا کسی فضول کلام کو چھوڑ دے یا ایک وقت کے لئے آرام نہ کرے مگر وہ شخص ان صوفی صاحب کی تمام کوششوں کے باوجود اپنے نفسوں کی سخاوت نہیں کریں گے اور ان کا دل اس وجہ سے خوش ہوگا۔

اور اگر شاذونادر طور پر ان کو یہ عبادت کا مقام حاصل ہو جائے تب بھی اس کو عظیم الشان چیز نہیں خیال کریں گے اور نہ اس پر اللہ العالمین کا بہت شکر ادا کریں گے۔

ان حضرات کو تو خوشی اور مسرت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ انھیں ایک درہم مل جائے یا روٹی کا ٹکڑا سالم اور سالن عمدہ ہو۔ یا ان کا بدن پریشانیوں سے سالم اور محفوظ ہو جائے تو اس وقت کہتے ہیں الحمدللہ هٰذا مِنْ فَضْلِ رَبِّي۔

ذرا غور کر کہ ان جاہل گستاخ انسانوں کا ان برگزیدہ حضرات علماء عابدین زاہدین کے ساتھ کیسے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بے چارے امور خیر سے محروم ہیں اور یہ حضرات امور خیر پر کامیابی اور فضیلت حاصل کرنے والے ہیں۔ اسی طرح احکم الحاکمین رب العالمین نے تقسیم فرمائی ہے۔ اور وہی اعلم العالمین ہے۔

غرض کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ کی تفصیل ہو گی اس کو سمجھ کر اس کے حقوق کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ تم کسی خیر سے بھی محروم نہیں رہ سکتے خواہ جس کی خواہش کرو۔ مگر اپنے نفس کی وجہ سے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر و منزلت پہچانو۔ اور اس کی کما حقہ عظمت کرو۔ تاکہ اس کے اور اس کی عطاؤں کے مستحق ہو جاؤ پھر وہ تم پر اس کے باقی رکھنے کے ساتھ انعام فرمائے جیسا کہ ابتداء میں اس کا انعام کیا ہے۔

نعمت ناقدروں سے چھن جاتی ہے

اور دوسری چیز یہ ہے کہ نعمت ان حضرات سے چھین لی جاتی ہے جو اس کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانتے اور اس کی قدر ناقدرے حضرات نہیں پہچانتے کہ جنھوں نے اس کی ناشکری کی ہے اور اس کے شکر کو ادا نہیں کیا۔ اور اس چیز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۔

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے : کہ اس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہوگیا ۔

اس کلام کی تفصیل اس طرح ہے کہ ہم اس بندہ پر عظیم الشان نعمتیں اور دین کے معاملہ میں بہت بڑے احسانات کرتے ہیں ۔ تاکہ بلند مقامات اور مراتب عالیہ حاصل کرنے کی اس میں قوت اور طاقت پیدا کر دیں اور اس وجہ سے وہ ہمارے دربار میں بلند عظیم المرتبت اور صاحب رفعت ہو جائے ۔ لیکن وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر دانی سے بے خبر ہو کر اس خبیس اور ذلیل دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ذلیل شہوتوں کو اس پر ترجیح دیتا ہے اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل کی کل دنیا دین کی ایک ذرا سی نعمت کا بھی معارضہ نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مچھر کے پر کے برابر بھی قیمت نہیں ۔

تو اس شخص کی مثال عیاذاً باللہ اس کتے کے طریقہ پر ہے جو اکرام اور راحت کو اہانت اور مشقت کے مقابلہ میں نہیں پہچانتا اور نہ رفعت اور شرافت حقارت اور ذلت کے مقابلہ میں کچھ سمجھتا ہے ۔ یہ تو دونوں حالتوں میں بھونکتا رہتا ہے ۔ اس کے نزدیک تو ساری کرامت اور بزرگی صرف ایک روٹی کے ٹکڑے میں ہے کہ جس کو وہ کھاتا ہے یا دسترخوان کا فضلہ جو اس کے سامنے جھاڑ دیا جائے ۔ اسے اس سے کوئی سروکار نہیں خواہ اپنے ساتھ تخت پر بٹھلا کر اس کو کھلا دیا نیچے مٹی میں اس کے سامنے روٹی وغیرہ ڈال دو ۔ غرض کہ اس کی نعمت و بزرگی اور کرامت سب اسی چیز پر موقوف ہے ۔ لہٰذا یہی حالت اس بدترین انسان کی ہے جو کہ ہماری نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرتا ۔ اور ہماری عطا کردہ اشیاء کے حقوق کو نہیں پہچانتا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے اور ہمارے عیبوں پر نظر کریگی

بنا پر اور ہماری نعمتوں کے ترک کرنے حقیر اور ذلیل دنیا میں مصروف ہونے کی وجہ سے
گستاخ شمار ہو جاتا ہے تو ہم سیاسی طور پر اس کی طرف نظر کرتے ہیں اور میدانِ عدل
میں اس کو حاضر کرتے ہیں اور جبروتی حکم کے ساتھ اس کی تمام خلعتیں اور کرامتیں
چھین لیتے ہیں اور اس کے قلب سے اپنی معرفت سلب کر لیتے ہیں۔ اور تمام تر ہمارے
فضل و کرم سے عاری ہو جاتا ہے۔ جس کی بنا پر یہ لعین کتا اور شیطانِ رجیم اور مردود ہو
جاتا ہے۔ ہم باری تعالیٰ سے اس کے دردناک عذاب اور عقاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اب اس کے بعد ایک بادشاہ کی مثال پر اکتفا کرو۔ وہ یہ کہ اپنے کسی غلام کی
عظمت کرتا۔ اور اپنا خصوصی لباس اس کو دیتا ہے اور اپنے سے اس کو مقرب رکھتا اور
تمام خدام اور دربانوں پر فوقیت دیتا ہے۔ اور اس کو خاص اپنے دروازہ پر رہنے کا
حکم دیتا ہے۔

اور اس کے بعد اس کے لیے حکم دیا کہ فلاں مقام پر اس کے لئے محلات بنائے
جائیں اور دسترخوان بچھائے اور باندیوں سے اس کو مزین کیا جائے اور دروازوں پر
غلام کھڑے ہوں۔ حتیٰ کہ جب یہ خدمت سے فارغ ہو تو اس کو معزز اور محترم بادشاہ
بنا کر بٹھلا دیا جائے اور اس غلام کی بادشاہت اور اس کی خدمت کے درمیان
صرف ایک دن کی ساعت کا فرق ہو۔ اب اگر یہ غلام بادشاہ کے دروازہ کی جانب
سے ان جانوروں کو دیکھنے لگے۔ جو کہ روٹی وغیرہ کھا رہے ہوں یا کتے کو دیکھے جو
ہڈی چبا رہا ہو۔ اب یہ غلام بادشاہ کی خدمت سے بے پرواہ ہو جائے اور انعامات
و تحائف پر کوئی نظر نہ کرے اور ان جانوروں پر نظر کرے اور اپنا ہاتھ دراز کر کے روٹی
کا ٹکڑا مانگنے لگے یا کتے کے ساتھ اس کی ہڈی پر مزاحمت شروع کر دے اور ان
چیزوں کو بڑا سمجھنے لگے تو بادشاہ جب اس کی یہ حالت دیکھے گا تو کہے گا کہ یہ بے وقوف
اور ذلیل ہے۔ ہماری کرامت اور بزرگی کے حقوق کو نہیں پہچانا اور ہمارے اعزاز
و انعام کی قدر و منزلت کو نہیں جانا کہ ہم کس قدر اس کو خلعات و انعامات دیتے
اور ہماری اور انعامات و قسم قسم کے تحائف دینے کو اس نے نہیں پہچانا۔ یہ تو بہت

کمزور ہمت والا جاہل اور بدتمیز انسان ہے اس سے ہماری خلعات چھین لو۔ اور ہمارے دروازہ سے اس کو دھکے دیدو۔

سو یہی حالت اس عالم کی ہے جو کہ دنیا کی طرف مائل ہو جائے اور اس عابد و زاہد کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اکرام اور اعزاز کے بعد اس لئے کہ اپنی عبادت اور احکام و شریعت کے ساتھ اس کو احترام بخشا ہے خواہشات کی اتباع شروع کردے۔ اور کیونکہ اس نے اس چیز کی قدر نہیں کی اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام حقیر اور ذلیل شے سے بھی زیادہ ذلیل ہو گیا۔ اور وہ ان دنیاوی اشیاء کی رغبت و طمع میں مصروف ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان معزز نعمتوں یعنی علم اور عبادت اور حِکم و حقائق سے اس کو نوازا ہے۔

اور یہی حالت اس شخص کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق اور عصمت اور خدمت کے انوار کے ساتھ مزین اور خاص فرمائے اور اکثر اوقات اسی کی جانب نظر رحمت رکھے اور رفعتوں پر اس کی وجہ سے فخر کرے اور اپنے دروازہ پر وجاہت اور قیادت سے نوازے اور شفاعت کا مقام اس کو عطا ہو جائے اور اعزاز کا مقام اس کو دیدے۔

بایں طور اگر اللہ تعالیٰ کو پکارے تو وہ اس کی پکار پر لبیک کہے اور اگر سوال کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اور اگر تمام جہان کے بارے میں شفاعت کرے تو اس کی شفاعت قبول ہو اور اس کو راضی کر دیا جائے۔ اور اگر ترقی کر کے خدا پر قسم ہی کھالے تو خدا تعالیٰ اس کی قسم کو پورا فرمادے اور اگر اس کے دل میں کسی چیز کا تصور ہو تو بغیر سوال کے اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمادے۔ لہٰذا جس شخص کی یہ حالت ہو پھر وہ اس کے بعد ان نعمتوں کی قدر و منزلت نہ پہچانے یا مراتب کی بلندی پر نظر نہ کرے اور نفس کی ان ذلیل شہوتوں کی طرف مائل ہو جائے کہ جن کا کوئی بقا نہیں یا اس ذلیل دنیا میں الجھ جائے جو کہ ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتی۔ اور ان کرامات و ہدایا و تحائف اور انعامات پر نظر نہ کرے اور پھر اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے۔ اور آخرت میں وہ عظیم الشان ثواب اور نعمتیں ہیں تو اس وقت یہ شخص نفس کی بنا پر کس قدر حقیر اور ذلیل ہو گیا۔

اب اگر ذرا سی سمجھ ہے تو کس قدر بُرا انسان اور کیسے ذلیل اس کے افعال ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے فضل وکرم سے ہمارے احوال درست فرمائے۔

اس کے بعد اے انسان تمام کوششوں کو صرف کرنے کی حاجت اور ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر ومنزلت کو پہچانا جائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے دین کی نعمتوں سے تجھے نوازا ہے تو دنیا اور اس کے ساز وسامان کی طرف التفات سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے محض ذلت اور خسارہ ہے۔ باوجودیکہ تیرے پروردگار نے دین کی نعمتوں سے تجھے نوازا ہے۔ اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ سید المرسلین کی شان میں کیا فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔ آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں۔

مطلب یہ کہ جس شخص کو قرآن عزیز کی دولت سے نواز لیا گیا ہو اس کے لئے یہ چیز ضروری ہے کہ وہ قطعاً اس حقیر وذلیل دنیا کی جانب اس کے عمدہ و بہتر ہونے کی حیثیت سے نظر نہ کرے۔ علاوہ ازیں یہ چیز کہ دنیا کی خواہش اور طمع رکھے اور اس دولت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ کرامت اور فضیلت ہے کہ جس کی ابراہیم خلیل اللہ صلوات وسلامہ علیہ نے بھی خواہش اور رغبت کی ہے کہ یہ انعامات ان کے والد پر ہو جائیں۔ مگر اس کی تکمیل نہیں کی گئی۔ اور اسی چیز کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی کہ آپ کے عم محترم ابی طالب کو اس دولت سے نوازا جائے۔ مگر اس کی بھی تکمیل نہ ہوئی اور دنیا وی ساز وسامان تو ہر کافر، فرعون، ملحد، زندیق فاجر اور فاسق غرض کہ دنیا میں ذلیل ترجماعتوں کو حاصل ہو تاہے تاکہ یہ لوگ ان میں گرفتار رہیں۔ اور نبی وصدیق

اور صفی و عالم جو کہ اللہ تعالیٰ کی معزز اور بہترین مخلوق ہے وہ اس سے دور رکھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حضرات اس کے ساز و سامان میں گرفتار نہیں ہوتے۔ اور یہ حضرات اس دنیاوی گندگیوں سے بہت دور رہتے ہیں۔

اور یہی چیز اللہ العالمین نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمائی تھی اگر میں چاہوں تو تمہارے لئے ایسے زینت کے سامان مہیا کر دوں۔ تاکہ فرعون ان کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ میری قدرت سے یہ چیز باہر ہے۔ لیکن دنیاوی خواہشات اور نعمتوں کو میں تم سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔

اور یہی چیزیں اپنے اولیاء کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ اور میں ان نعمتوں کو تمہارے لئے ذخیرہ بنا کر رکھتا ہوں جیسا کہ مشفق اور مہربان چرواہا اونٹوں کے لئے چارہ اور سبزہ تیار کر کے رکھتا ہے۔

اور میں اپنے اولیاء کو اس دنیاوی عیش و عشرت سے دور رکھتا ہوں اور یہ چیز مجھ پر کوئی مشکل نہیں صرف اس وجہ سے کہ اپنی کرامتیں اور بزرگیاں ان پر تمام اور کامل کر دوں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ	اور اگر یہ بات متوقع نہ ہوتی کہ یہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کے کر دیتے۔

ان میں اگر سمجھ دار ہے تو اس فرق کو محسوس کرے۔ اور کہدے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں کہ جس نے ہمیں اپنے اولیاء و اصفیاء کی نعمتوں سے نوازا اور ہم سے ہمارے دشمنوں کے فتنوں کو دور رکھا تاکہ ہم محفوظ رہیں اور ہمیں کامل شکر اور حمد اکبر اور منت عظمیٰ و نعمت کبریٰ سے جو کہ اسلام ہے خاص فرمایا اور تیرا ارادہ وہ دن اس ہی شکریہ کی ادائیگی میں ختم ہو جائے۔ اب اگر اس کی قدر و منزلت کے پہچاننے سے عاجز ہے

تو کم از کم اتنی ہی چیز سمجھ لے کہ اگر ابتدائے دنیا سے تجھے پیدا کیا جاتا اور پھر تو اس وقت سے قیامت تک اس اسلام کی دولت کا شکر ادا کرتا رہتا۔ تو پھر بھی اس کے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکتی۔ اور جب کہ تو بعض حقوق کو ادا کر لیتا ہے تو پھر بھی اس پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں اور انعامات ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مقام ایسا ہے کہ میں ان نعمتوں کے بیان کرنے سے عاجز ہوں۔ اگر میں ایک لاکھ صفحات بھی اس کے متعلق تحریر کر دوں تو میرے علم کا منتہی میرے اعتراف کے ساتھ اس سے بہت بلند ہے بایں طور کہ جن چیزوں کو میں جانتا ہوں اُن کے مقابلہ میں کہ جنہیں نہیں جانتا، ایسا ہے جیسا کہ دنیاوی سمندروں کے سامنے پانی کا ایک قطرہ۔ افسوس ہے کہ تو نے سید المرسلین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ

(آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال (کیا چیز ہے)

حتیٰ کہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کے متعلق فرماتا ہے۔

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ۔

بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ تمہیں ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تیری نظر سے نہیں گذرا کہ آپ نے کسی شخص سے سنا کہ دولت اسلام پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر رہا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اِنَّكَ لَتَحْمَدُ اللّٰهَ عَلٰى نِعْمَةٍ عَظِيْمَةٍ کہ تو عظیم الشان نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔

اور جب خوشخبری سنانے والا یعقوب علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے

دریافت کیا کہ کس چیز پر اس کو چھوڑ کر آیا ہے۔ بشیر نے جواب دیا۔ دولت اسلام پر اس وقت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمتیں کامل ہو گئیں۔ اور نقل کیا گیا ہے کہ کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں اور نہ شکر کے ادا کرنے میں زیادہ ابلغ ہے اس سے کہ کہا جائے۔ الحمد للہ الذی انعم علینا وھدانا الی دین الاسلام اور اسلام پر شکر ادا کرنے میں غفلت اختیار کرنے سے ڈرنا چاہیے اور اسلام و معرفت اور توفیق و عصمت ان حالتوں میں ہونے کے بعد دھوکہ کھانے سے گریز کر۔ اس لئے کہ ان انعامات کے بعد غفلت اور بے فکری کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ تمام کاموں کا دارومدار نتائج پر ہے۔ اور سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص سے دین کے معاملہ میں بے فکری اختیار کی تو دین کی دولت اس سے چھین لی جاتی ہے اور ہمارے شیخ رح فرمایا کرتے تھے کہ جب کفار کے متعلق ان کے دوزخ میں رہنے کا حال سنے تو اپنے نفس سے مطمئن اور بے فکر نہ ہو اس لئے کہ معاملہ خطرناک ہے اور تجھے معلوم نہیں کہ کس چیز میں عافیت اور سلامتی ہے۔ اور علم غیب میں تیرے متعلق کیا حکم نافذ ہو چکا ہے۔ اوقات کے خوشگوار ہونے پر دھوکا نہ کھا جا۔ اس لئے اس کے ماتحت آفتیں چھپی ہوتی ہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اے حفاظت اور عصمت میں دھوکہ کھا جانے والی جماعت ان میں انتقام اور آفتیں مضمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنی عصمت سے مزین فرمایا تھا مگر وہی حقیقی لعنت کا مستحق تھا۔ اور بلعام کو اپنی ولایت کے انوار عطا فرمائے تھے مگر وہی اس کے نزدیک حقیقی دشمن تھا۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ احسان کی بنا پر کتنے ہی لوگ دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ اور اقوال کی عمدگی کے ساتھ بہت سے فتنہ میں گرفتار اور احوال کی پوشیدگی کی بنا پر بہت سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔

اور ذی النون سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ انسان کس چیز کے ساتھ دھوکا کھا سکتا ہے آپ نے فرمایا الطاف اور کرامتوں کی وجہ سے اسی بنیا پر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ہم ان کو تبدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔

اور اہل معرفت حضرات نے فرمایا ہے کہ نعمتوں کی فراوانی کر کے ہم ان کو شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتے ہیں اسی چیز کا شاعر نے اس طرح اظہار کیا ہے۔

تیری طبیعت دنوں کے اچھے ہونے پر خوش ہوتی ہے اور تقدیر کی وجہ سے اس میں جو برائیاں ہیں ان سے نہیں ڈرتا۔ اور راتوں کی درستگی سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ گو حقیقت میں راتوں کی صفائی کی بنا پر کدورت پیدا ہوتی ہے۔ انتہی۔

غرضکہ یہ بات سمجھ لو کہ جس قدر قرب اور نزدیکی حاصل کروگے تو اتنی ہی دشواری اور خوف اور معاملہ بہت خطرناک اور دقیق اور اس پر خطرات عظیم الشان ہوں گے اس لئے کہ جب کوئی چیز کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس میں تبدیلی بہت خطرناک صورت اختیار کرتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کوئی پرندہ نہیں اڑتا مگر جب وہ اپنی حدود سے بلندی اختیار کرنا چاہتا ہے تو گر ہی پڑتا ہے۔ انتہی۔

تو اس وقت بے خوفی اور شکر میں غفلت اختیار کرنا اور اس حالت کے محفوظ رکھنے میں سعی و کوشش کے ترک کرنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور ابراہیم ادہم رح فرمایا کرتے تھے کہ بے خوفی کیسے اختیار کر رہا ہے۔ جبکہ ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ وسلامہ یہ فرماتے رہتے تھے۔

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔

اور یوسف الصدیق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اور سفیان ثوریؒ برابر فرماتے رہتے تھے اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ (اے اللہ محفوظ رکھ اور حفاظت فرما) گویا کسی کشتی میں سوار ہیں کہ اس کے غرق ہونے کا خدشہ اور خوف ہے۔

اور محمد بن یوسف رح سے ہیں یہ بات پہنچی ہے کہ پوری رات سفیان ثوریؒ نے

غور وفکر کیا۔ اور پھر روتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ گناہوں کی معافی کے لئے اس قدر آہ وزاری فرما رہے ہیں اس پر انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ پر اس سے بہت زیادہ آسان ہے مجھے تو عیاذاً باللہ اس بات کا خوف ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی دولت مجھ سے نہ سلب فرمالے۔

اور میں نے بعض عارفین سے سنا ہے فرمایا کرتے تھے کہ بعض انبیاء کرام نے بلعام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کرتے انعامات اور اکرامات کے بعد پھر ان سے یہ مقام کیوں سلب کر لیا گیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن بھی اس نے میری عطاؤں پر شکر ادا نہ کیا اگر ایک مرتبہ شکر ادا کر لیتے تو پھر میں اپنی ولایت اُن سے نہ چھینتا۔

اے انسان بیداری کا مقام ہے۔ شکر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے۔ اور دین کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالا۔ کہ جن میں سب سے بڑھ کر دولت اسلام اور معرفت خداوندی ہے اور اس سے کم درجہ کی چیز وہ تسبیحات کی توفیق ہونا۔ اور لغویات کے ارتکاب سے حفاظت ہے۔

امید ہے کہ اللہ تجھ پر اپنی نعمتیں کامل فرما دے اور ان نعمتوں کے زوال کی تلخی تجھے نہ دکھائے اس لئے کہ سب سے شاق اور کڑوی چیز اکرام کے بعد اہانت اور تقرب کے بعد دوری اور وصال کے بعد فراق وجدائی ہے۔ بس اللہ العالمین ماجد کریم رؤف رحیم ہے (وہو حسبی ونعم الوکیل)

فصل

اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں اور اس کی ان معزز توفیقات پر غور کر جو کہ تیرے سامنے ہیں۔ اور تیرا قلب ان کے احاطہ سے عاجز اور تیری وہم وسمجھ ان اشیاء کے ادراک سے بالا و بلند ہے۔ حتیٰ کہ اس پر خطر وادی کو بھی عبور کر لیتا ہے۔ اس کے بعد علوم اور بصائر کی دولت اور کبائر وگندگیوں سے پاکی نصیب ہوگی۔ اور تمام برائیوں سے

چھٹکارا اور پریشانیوں سے دفعیہ نصیب ہوگا۔ اور داعیات پر کامیابی حاصل ہوگی۔ اور ہر قسم کے مہلکات سے نجات اور سلامتی میسر ہوگی۔

تو کتنی عظیم الشان خصلت اور کیسا بلند مرتبہ حاصل ہوگا کہ جس کی ابتدا بصیرت اور معرفت سے اور اس کا اختتام شرافت اور قربت پر ہے تو اپنی عقل اور توفیق کے بقدر غور و خوض کرنا چاہئیے۔ اور طاقت سے زیادہ اس ذات کا شکر ادا کرنا چاہئیے بایں طور کہ تیری زبان اس کی حمد و ثنا سے مشغول اور تیرا قلب اس کی عظمت اور کبریائی سے لبریز رہے اور ایسا مقام حاصل ہو جائے جو کہ تیرے اور معاصی کے درمیان حائل ہو جائے اور رکاوٹ بن جائے۔

اور تجھے تیری طاقت اور وسعت کے بقدر عبادت الٰہی پر انگیختہ کرے کہ جس کے ساتھ تو الہ العالمین کے انعام اور احسانات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے گناہوں کا معترف ہو۔ اور جس وقت بھی اس کے شکر سے غفلت اور سستی پیدا ہو تو پوری کوشش کے ساتھ اس کا اعادہ کرے اور تضرع و ابتہال سے کام لے۔ اور بارگاہ ایزدی میں بے اختیار آہ و زاری شروع کر دے کہ میرے مولائے حقیقی جیسا کہ تو نے بغیر استحقاق کے محض اپنے فضل سے احسانات شروع کئے ہیں۔ اسی طرح اپنے فضل و کرم سے ان کو مکمل فرما۔

اور ان اولیاء کرام کی طرح بارگاہ الٰہی کو کھٹکھٹانا شروع کر دے کہ جنہوں نے ہدایت کے تاج کو حاصل کیا اور اس کی معرفت کی شیرینی چکھی۔ پھر اس کے بعد اپنے نفسوں پر دوری اور اہانت و ذلت اور محرومی کا خوف کیا تو الہ العالمین کے سامنے آہ و زاری شروع کی اور ابتہال و تضرع کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دئے۔ اور تنہائیوں میں چیخنے لگے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

امام غزالی فرماتے ہیں مطلب یہ کہ ہم پر تیری جانب سے رحمتوں کی بارش شروع ہوئی۔ اس پر ہم دوسری نعمتوں کی طلب میں مبتلا ہو گئے۔ تو ہی جواد اور وہاب ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں ہمیں اپنے انعامات سے نوازا ہے اسی طرح ان کی تکمیل کے ساتھ رحمتیں

نازل فرما۔

افسوس ہے کہ یہ چیز نہیں سمجھی کہ سب سے پہلی دعا کو جو کہ رب العالمین نے مسلمانوں میں سے اپنے برگزیدہ بندوں کو تعلیم فرمائی ہے وہ یہ ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی اس نعمت کے متعلق آہ وزاری کرتے ہیں کہ ہمیں اس راستہ پر ثبات اور دوام عطا فرما۔ اس لئے کہ خطرات بکثرت ہیں۔

حکماء نے غور وخوض کے بعد عالم کی مصیبتیں اور پریشانیاں پانچ قسم کی ثابت کی ہیں۔ غربت میں بیماری۔ بڑھاپے میں فقیری۔ اور جوانی میں موت اور بصارت کے بعد پھر اندھا ہوجانا۔ اور معرفت کے بعد اس سے محرومی۔ اور اس چیز کے متعلق کہنے والے کا قول بہت ہی عمدہ ہے۔ ہر چیز کے جدا ہونے کے بعد اس کا بدل موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی جدائی کے بعد کوئی بدل نہیں۔ جب دنیا کی وجہ سے انسان کا دین باقی رہے تو اس کا فوت ہونا عمدہ اور اچھا نہیں۔ انتہی۔

یہی حالت تمام ان نعمتوں کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر نازل فرمائی ہے اور اس گھاٹی کے عبور کرنے میں جو تائیدات نازل کی ہیں تاکہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں ان پر ثابت قدم رہے اور ارادوں اور تمناؤں میں اضافہ ہوتا رہے۔ غرض کہ جب تو اس چیز پر کاربند ہوگا تو اس عظیم الشان وادی کو بھی عبور کرنے والا ہوجائے گا۔ اور دو معزز ومحترم خزانوں پر جو کہ استقامت اور اس پر زیادتی کی طلب کر کے کامیابی حاصل ہوجائے گی اور نعمتیں جو تجھے عطا ہوئی ہیں ہمیشہ رہیں گی اور اس کے زوال کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا۔ اور ان نعمتوں کا اضافہ ہوگا۔ کہ جن کی زیادتی کی۔ تیرے سوال اور تمنا کے بغیر اضافہ ہوتا رہے گا اور اس کے فوت ہونے کا کسی قسم کا خدشہ اور خوف نہیں رہے گا۔ اور اس کو عارفین علماء۔ عاملین بالدین تائبین طاہرین زاہدین فی الدنیا۔ متجردین للآخرۃ۔ شیطان پر غلبہ حاصل کرنے والا۔ قلب اور اعضاء کے ساتھ پورا تقویٰ حاصل کرنے والا اور امیدوں میں لاپرواہی برتنے والا نصیحت اور خشوع وخضوع کرنے والا۔ توکل تفویض اور رضاء بالقضاء پر عمل کرنے والا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ خوف و رجاء اخلاص اور ذکر کے مقام کو حاصل کرنے والا اور اپنے سردار و مولا حقیقی کا شکر ادا کرنے والا ہو جائے گا۔

اور اس کی وجہ سے مکرم و محترم صاحب استقامت اور صدق ہو جائے گا۔ اس کلام کو بخوبی سمجھ لو اب اگر کوئی کہے کہ صورت حال جب اس طریقہ پر ہے تو انسانوں میں بہت کم معبود کی عبادت کرنے والے اور اس منزل مقصود تک پہنچنے والے ہیں۔

اور کون شخص ان مشقتوں کے برداشت کرنے اور ان شرائط پر عمل پیرا ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔ تو الہ العالمین ایسی چیز کے متعلق فرماتا ہے۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ — اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہی ہوتے ہیں

لیکن اکثر حضرات شکر نہیں کرتے اور نہ اس بات کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پھر جس پر اللہ تعالیٰ یہ چیز آسان فرما دے اس کے لئے آسان ہے۔ بندہ کو سعی و کوشش کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو خوب ثواب (یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے)

جب بندہ اپنی طاقت اور قوت کے مطابق کوشش شروع کر دیگا تو رب کریم غنی قدیر رحیم و کریم کے متعلق تیری کیا رائے ہے۔

اب اگر یہ فکر ہو کہ زندگی تو کم اور یہ گھاٹیاں بہت دراز اور سخت تو زندگی کیوں کر ساتھ دے کہ ان گھاٹیوں کو انسان عبور کرے۔ اور ان شرائط کی تکمیل کرے۔ تو میری زندگی کی قسم بے شک یہ گھاٹیاں بہت سخت اور ان کی شرائط بہت شاق اور دشوار لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنے بندہ کو منتخب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کی درازی کو کم اور ان کی مشقتوں کو آسان فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو طے کر نیکے بعد کہتا ہے۔

کہ یہ رستہ کتنا قریب کتنا مختصر اور یہ معاملہ کس قدر سہل اور آسان ہے۔

اور اس گھاٹی پر کھڑے ہونے والے کے لئے میں یہ خود یہ اشعار کہتا ہوں۔

حجت اور دلیل کا علم مدیر اور شاگرد کے لئے بہت واضح اور روشن ہے۔ لیکن میں قلوب کو اس حجت اور دلیل سے اندھا دیکھتا ہوں۔ مجھے تباہ اور برباد ہونے والے پر تعجب ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر اس کی نجات اور بہبودی کی شکل موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نجات پانے والوں پر بھی متعجب ہوں۔ انتہی۔

چنانچہ بعض حضرات اس وادی کو ستر سال میں طے کرتے اور بعض بیس اور بعض دس اور بعض صرف ایک سال۔ اور اس سے بڑھ کر ایک ماہ ایک ہفتہ ایک گھنٹہ حتی کہ بعض حضرات ذرا سے لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص اور اس کی عنایت و مہربانی کی بنا پر عبور کرتے ہیں۔

اور اصحاب کہف کے واقعہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس وقت ان کے بادشاہ دقیانوس میں تبدیلی اور تغیر ہوا تو یہ وقت ان پر کس قدر خطرناک گذرا تو یہ حضرات بے اختیار پکار اُٹھے۔

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا الخ — کہ ہمارا رب تو وہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے۔

اس کے بعد ان کو معرفت خداوندی حاصل ہو گئی۔ اور اس راستہ میں جو حقائق و دقائق تھے ان کو سمجھ گئے اور اس راستہ کو بھی انھوں نے عبور کر لیا۔ چنانچہ صاحب تفویض اور توکل واستقامت ہو گئے۔ اور اس کے بعد یہ شان ہوئی۔

فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ — تو تم فلاں غار میں چل کر پناہ لو۔ تم پر تمہارا رب رحمت پھیلا دے گا۔

اور یہ تمام چیزیں ذرا سے وقفہ اور لمحہ میں حاصل ہو گئیں۔

اور فرعون کے جادوگروں کو بھی صرف ایک ساعت اور لمحہ کی دیر لگی جس وقت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو پکار اُٹھے۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَ — ہم تمام جہانوں کے رب موسیٰ اور ہارون کے

پروردگار یا ملاقات سے آنے ۔ ھَادُوْنَ ۔

چنانچہ اس راستہ پر بصیرت اور اس کو عبور طے کرنا صرف ایک لمحہ اور ساعت میں ہوا ۔ بلکہ اس سے بھی کم دقفہ میں ۔

عارفین باللہ اور راضیین بقضاء اللہ تعالیٰ اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنیوالے اس کی ملاقات کے مشتاق ہوکر کہنے لگے ۔

لَا ضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ کوئی مضائقہ اور نقصان نہیں ہیں تو اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے ۔

اور ابراہیم ادہم ؒ دنیاوی امور میں کس طرح اُلجھے ہوئے تھے ۔ لیکن جب اس سے عدول کرنے کے اس راستہ کا ارادہ کیا ۔ تو صرف بلخ سے لے کر مرو اور ذ تک پہنچنے کی دیر لگی ۔ اس کے بعد یہ مقام حاصل ہو گیا کہ پل پر سے زیادہ پانی میں گرنے والے انسان کو کہدیا کہ ٹھیر جا تو وہ اسی مقام پر ٹھہر گیا ۔

اور حضرت رابعہ بصریہ ۔ بہت بڑھی باندی تھیں ۔ بصرہ کے بازاروں میں گشت لگاتیں ۔ لیکن اُن کے بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اُن کی طرف التفات نہیں کرتا تھا تاجروں کو رحم آیا اور انھوں نے سو درہم میں ان کو خرید کے آزاد کر دیا ۔

انھوں نے آزادی کے بعد اس راستہ کو اختیار کر لیا ۔ اور عبادت الٰہی شروع کر دی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا کہ ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بڑے بڑے زاہد اور علماء کرام بصرہ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہونے لگے ۔

اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی عنایت نہیں ہوتی اور فضل و رحمت کا اس کے ساتھ معاملہ نہیں کیا جاتا ۔ اور وہ اپنے نفس کے تابع رہتا ہے ۔ تو وہ بسا اوقات صرف اس گھاٹی کی ایک راہ میں ستر سال تک اُلجھا رہتا ہے اور اس کو عبور کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور بہت آہ و بکا کرتا رہتا ہے کہ یہ راستہ بہت دشوار بہت مشکل اور شاق ہے مگر سب کی اصلیت ایک ہی چیز ہے ۔

اور وہ عزیز حلیم عدل حکیم کے فضل اور انعامات ہیں ۔

اب اگر کوئی کہے۔ کہ توفیق خاص کے ساتھ کامیابی اور بغیر اس کے محرومی کو کیوں خاص کیا گیا۔ حالانکہ عبادت کی حیثیت سے دونوں شترک ہیں۔ تو اس سوال کے وقت مطلوق جلال سے یہ ندا آئے گی کہ ادب کو ملحوظ رکھو۔ اور ربوبیت کے اسرار اور عبادت کے حقوق کو پہچانو۔ اس لئے کہ اس ذات الٰہی سے معاذ باللہ کوئی سوال کرنے والا نہیں باقی تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس ہوگی۔ اور اس دنیاوی راستہ کی مثال بعینہٖ مشکلات اور مصائب کے اعتبار اور مخلوق کے احوال مختلف ہونے کی برابر پل صراط کے طور پر ہے اس لئے کہ بعض حضرات اس سے چمکدار بجلی کے مانند اور بعض تیز ہوا کے طریقے پر اور دوسرے تیز رفتار گھوڑوں کی طرح گزریں گے۔ اور ایسے ہی بعض حضرات پرندوں کی مانند اور دوسرے پیادہ چلنے کے طریقہ پر اور کوئی گھسٹے گا کہ وہ دوزخ کی لپٹوں کی بنا پر سیاہ فام ہو جائے گا اور دوسروں کے وہیں لٹکے رہنے کی آواز سنائی دیتی رہے گی۔

اور ایک جماعت کو دوزخ کے کیڑے اور سینچے پکڑ لیں گے کہ جن کی بنا پر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو یہی اس راستہ پر دنیا میں چلنے والوں کی حالت ہے تو گویا کہ دو صراط ہو گئے۔ صراط دنیا اور صراط آخرت سو صراط آخرت ان عقلاء کے لئے ہے جو کہ اس کے حوادثات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور ایسے ہی صراط دنیا عقلاء اور دانشمندوں میں سے اُن حضرات کے لئے ہے جو کہ اس پر نظر رکھتے ہیں۔

اور آخرت میں سکون حاصل کرنے والوں کے احوال دنیاوی اختلاف کے پیش نظر مختلف ہوتے رہیں گے اس کلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو جانا ہے۔

فصل

اس باب اور اس کی آسانی کے متعلق تحقیقی چیز یہ سمجھو کہ اس راستہ کی مسافری اور کمی اس طور پر نہیں ہے۔ جیسا کہ انسان چلنے اور مسافتوں کو عبور و پار کرتے ہیں اور باعتبار قدموں کے چلتے پھرتے ہیں۔

یہ تو صرف ایک روحانی راستہ ہے جس پر قلوب چلتے اور افکار کے ساتھ اعتقاد

اور بصیرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عبور کرتا ہے۔ اور حقیقی چیز یہ ہے کہ یہ نور سماوی اور نظر الٰہی ہے۔ جو کہ بندہ کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ غور کرتا ہے اور اس کی بنا پر حقیقی طور پر دنیا و آخرت کے معاملات میں غور کرتا رہتا ہے۔

اب یہ نور بسا اوقات بندہ اس کو پورے سال تک طلب کرتا رہتا ہے مگر یہ اس کو حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کے نشانات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی وجہ طلب اور تلاش میں غلطی کوشش میں خامی۔ اور اس راستہ سے جہالت و نادانی ہے۔ اور دوسرا شخص پچاس سال میں اس چیز کو حاصل کر لیتا ہے اور بعض حضرات دس سال میں اور ایسے ہی ایک دن ایک گھنٹہ اور ایک لمحہ میں الہ العالمین کے فضل و کرم کی وجہ سے حاصل کر لیتے ہیں لیکن بندہ کو کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس پر اس کی تعمیل واجب اور ضروری ہے اور تمام معاملات تقسیم شدہ اور مقدر ہیں۔ اور الہ العالمین حاکم عادل ہے۔

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ — جو چاہے کرتا اور جس طرح چاہے فیصلہ فرماتا ہے۔

اب یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ کہ کون سے خطرات بلند اور کون سا معاملہ زیادہ شاق اور بندہ کو کس چیز کی زیادہ حاجت اور ضرورت ہے۔ اور یہ تمام اعمال اور سعی و کوشش کرنا اور ان شرائط کا حاصل کرنا کیوں ضروری ہے۔

میں کہہ دیتا ہوں۔ کہ میری زندگی کی قسم تیری بات بالکل درست ہے کہ معاملہ سخت اور خطرات بہت عظیم الشان ہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ — کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے

اور الہ العالمین کا ارشاد ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

ہم نے یہ امانت (بعض احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو

اپنے ذمے لیا وہ بڑا ظالم جاہل ہے۔

اور اسی وجہ سے سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ نے فرمایا ہے۔

لَوْ عَلِمْتُمْ مَا اَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا — اگر تمہیں اس چیز کا علم ہو جائے جس کا مجھے ہے تو ہنسو کم اور رونا زائد شروع کر دو۔

اور منقول ہے کہ ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے کاش کہ مخلوق پیدا ہی نہ کی جاتی اور کاش کہ جب اُن کو پیدا کر دیا گیا تو وہ اپنی پیدائش کا مقصد پہچانتے اور کاش کہ جب وہ اس چیز کو پہچان لیتے تو اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔

یہی چیز سلف صالحین سے منقول ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عذاب کے خوف سے فرمایا کاش کہ میں سبزی ہوتا جس کو جانور کھا جاتے اور عمر فاروق رضؓ نے ایک شخص کو هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا (بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا) پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا کاش کہ یہ چیز پوری ہو جاتی اور ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ نے فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے خاندان والوں کے لئے مینڈھا ہوتا کہ وہ میرے گوشت کاٹتے اور اس کا شوربہ بنا کر پیتے۔ اور مجھے پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا اور وہب بن منبہ رضؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا انسان بہت بیوقوف ہے اگر اس کی بیوقوفی نہ ہوتی تو اسے کبھی بھی پیدائش کے لئے منتخب کیا جاتا۔ اور فضیل بن عیاض رحؒ نے فرمایا کہ میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل اور نیک بندہ پر رشک نہیں کرتا۔ کیا ان حضرات سے قیامت کے روز باز پرس نہ ہوگی مجھے تو جنہیں پیدا نہیں کیا گیا اُن پر رشک ہوتا ہے۔ اور عطار سلمی رحؒ فرماتے ہیں کہ اگر آگ روشن کرکے یہ کہا جاتا کہ کون اپنے کو اس میں ڈالتا ہے تاکہ ختم ہو جائے تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس خوشی میں اپنے نفس کو ڈالنے سے ہی قبل مجھے موت آجاتی۔ بہرحال اے انسان تیرے قول کے مطابق معاملہ بہت مشکل ہے۔ بلکہ تیرے وہم وگمان سے بہت شاق اور دشوار ہے لیکن یہ چیز تو علم قدیم میں طے پا چکی اور عزیز علیم نے اس کے متعلق فیصلہ نافذ فرمادیا ہے لہٰذا بندہ کو عبادت میں کوشش کرنے اور دین کو

مضبوط پکڑنے اور ہمیشہ الٰہ العالمین کے سامنے آہ وزاری کرنے کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اسے محفوظ رکھے۔

اب تیرا یہ سوال کہ یہ تمام چیزیں کس وجہ سے ہیں۔ تو یہ قول نہایت غفلت اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تو یہ کہے کہ یہ تمام چیزیں جو اس کمزور بندہ کے ذہن میں کس بنا پر ہیں تجھے یہ چیز معلوم ہے کہ بندہ کن چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

جن چیزوں کو وہ چاہتا ہے وہ کم از کم دو چیزیں ہیں۔ ایک تو دنیا و آخرت کی سلامتی۔ اور دوسرے دارین کی بادشاہی۔

سلامتی دنیا کے متعلق یہ سمجھو کہ دنیا اور اس کی آفتیں اور فتنے و پریشانیاں اس قدر ہیں کہ ملائکہ مقربین بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے اور تو نے ہاروت و ماروت کا واقعہ سنا ہوگا۔

حتیٰ کہ منقول ہے کہ جب بندہ کی روح پرواز کرکے آسمان کی طرف پہنچی تو آسمان کے فرشتے تعجب کرنے لگے کہ یہ روح اس مقام سے کیسے نجات حاصل کرگئی کہ جہاں ہمارے پسندیدہ حضرات بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

اور آخرت کی دہشت اور ہولناک ہونے کی یہ مشکل ہے کہ جہاں اور انبیاء اور رسل بھی پکارنے لگیں گے نفسی نفسی۔ یعنی آج تو مجھے صرف اپنے نفس کی فکر ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ اگر کسی شخص کی ستر انبیاء کرام کے برابر بھی عبادت ہوگی۔ تو اس کو بھی اپنی نجات میں شبہ ہوگا۔ تو جو شخص ان فتنوں سے محفوظ ہونا چاہے۔ تو وہ اسلام میں اس قدر سلامتی اور حفاظت کی کوشش کرے کہ کسی قسم کی چیز ہی اس کو نہ لاحق ہوئی ہو۔ تاکہ جنت میں بغیر کسی کاوش اور پریشانی کے داخل ہوجائے۔ اب بتاؤ کیا یہ چیز آسان نہیں۔

اور بادشاہت و کرامت۔ تو حقیقت میں مشیت اور تصرف کا نافذ ہونا ہے۔ اور یہ حقیقی طور پر دنیا میں اولیاء اللہ اور ان حضرات کے لئے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قضا

پر راضی ہیں۔ چنانچہ ان کے لئے خشکی اور تری اور تمام روئے زمین ایک ہے۔ اور ڈھیلے و پتھر ان کے لئے سونا اور چاندی ہیں۔ اور جن وانس بہائم اور پرندے ان کے تابع ہیں۔

جس چیز کو بھی چاہتے ہیں وہ موجود ہوجاتی ہے اس لئے کہ یہ کوئی چیز اللہ العالمین کی مرضی کے خلاف نہیں چاہتے اور اللہ العالمین جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

اور یہ مخلوق میں کسی سے بھی نہیں ڈرتے اور ان سے تمام مخلوق ڈرتی ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی خدمت نہیں کرتے اور ان کی تمام مخلوق خدمت کرتی ہے دنیاوی بادشاہوں کا اس کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں بلکہ وہ اس سے کم درجہ اور ذلیل ہیں اور آخرت کی بادشاہت کے متعلق تو خداوند عالم فرماتا ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا

اور اس سے بڑھ کر کیا بادشاہت ہو سکتی ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود ملک کبیر فرماتا ہے۔

اور تجھے معلوم ہے کہ دنیا اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اول سے لے کر آخر تک اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ہمیں اس قلیل میں سے قلیل ہی حاصل ہوتا ہے۔

اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور سلطنت دکھائی دے پھر ہم میں سے کوئی شخص اس قلیل کے حاصل کرنے میں اپنی جان و مال صرف کرتا ہے کہ جس میں بسا اوقات کچھ زمانہ کے لئے تھوڑی سی چیز پر کامیابی حاصل ہوجاتی ہے اور اگر اسے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے تو رک جاتا اور رشک شروع کر دیتا ہے اور ذلیل چیزوں کے حاصل کرنے میں اپنے نفس اور مال کو نہیں صرف کرتا۔ جیسا کہ امراء القیس سے منقول ہے کہتا ہے۔

جب منزل مقصود تک پہنچنے میں لکاوٹیں دیکھیں تو میری ساتھی رونے لگی۔ اور اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہم قیصر تک جا ملیں گے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنی آنکھوں سے آنسو نہ بہا۔ یا تو ہمیں ملک اور بادشاہت نصیب ہوجائے گی یا پھر ہم مر کر

مجبور ہو جائیں گے ۔

اب جو شخص ملک کبیر کو دار نعیم خلد مقیم میں طلب کرتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعتیں پڑھنا یا دو درہم خیرات کرنا یا دو راتوں تک شب بیداری اس کے لئے فائد سمجھتا ہے ۔

حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں ۔ بلکہ اگر ایک لاکھ جانیں اور ایسے ہی ایک لاکھ روحیں ـ ـ ـ ـ ـ اور ایک لاکھ زندگیاں ہوں اور ہر ایک زندگی دنیا کے برابر اور اس سے زیادہ بڑھی ہوئی ہو اور پھر وہ اس مقصود کو حاصل کرنے میں صرف کرے تو بھی بہت کم ہے اور اگر اس کے بعد کامیابی حاصل ہو جائے تو بہت مغتنم اور فضیلت کی چیز ہے جو کہ عطا کی گئی ۔

لہٰذا غافلین کے دائرہ سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے ۔

(اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے بعد بندہ کو چالیس ۴۰ قسم کی فضیلتیں عطا فرماتا ہے)

امام غزالی رہ فرماتے ہیں کہ مجھے غور کے بعد بندہ کی عبادت و خدمت الٰہی اور اس کے راستہ کو لازم پکڑنے پر اللہ تعالیٰ اس کو کلی طور پر چالیس قسم کی فضیلتیں اور کرامتیں عطا فرماتا ہے جس میں سے بیس تو دنیاوی زندگی میں اور بیس آخرت میں عطا فرماتا ہے ۔

دنیاوی بیس کرامتیں اور خلعتیں تو حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ کہ اللہ رب العزت اس کا تذکرہ فرماتا اور عبادت الٰہی پر تعریف کرتا ہے اور بندہ بہت عزّ و کرم ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ اپنے ذکر اور تعریف کے ساتھ احسان فرمائے ۔

۲۔ اللہ جل جلالہ شکر و تعظیم فرماتا ہے ۔ اگر تیرے ہم پلہ کوئی ضعیف و کمزور انسان تیرا شکر اور تعظیم شروع کر دے تو یہی چیز شرافت کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے ـــــ کجا کہ الٰہ العالمین معبود اولین و آخرین تعظیم فرمائے ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ عبادت الٰہی کرنے پر محبت فرماتا ہے ۔ اگر کوئی محلہ کا بڑا یا شہر کا امیر تجھ سے محبت کرنے لگے تو اس کو فخر سمجھے اور بڑے بڑے مقامات میں اس سے نفع

حاصل کرے۔ تو رب العالمین کی محبت کی کیا ہی شان و عظمت ہے۔

۴۔ اللہ رب العزت کاموں کی دیکھ بھال اور نگرانی کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اس کے رزق اور روزی کا ذمہ دار ہو جاتا ہے اور بندہ کسی بھی حالت میں ہو۔ بغیر تعب و تکان کے اسے روزی پہنچاتا ہے۔

۶۔ ہر ایک دشمن اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ معین و مددگار ہو جاتا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ انیس ہو جاتا ہے جس کی وجہ گھبراہٹ اور تغیر و تبدل کی پریشانی نہیں ہوتی۔

۸۔ نفس عزیز اور محترم ہو جاتا ہے دنیا اور دنیا والوں کی خدمت کر کے اس میں ذلت نہیں داخل ہوتی حتیٰ کہ دنیا کے بادشاہ اور سلاطین کی خدمت کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔

۹۔ بلند ہمت نصیب ہوتی ہے دنیا اور دنیا والوں کی گندگیوں میں نہیں مبتلا ہوتا اور دنیا کے کھیل تماشوں میں نہیں مصروف ہوتا جو کہ عقلاء کا شیوہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کے ساتھ لہو و لعب سے دور رہتے ہیں۔

۱۰۔ قلب غنی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کے ہر ایک غنی سے بہتر حال میں رہتا ہے۔ نفس اچھا اور سینہ کشادہ رہتا ہے کسی چیز کے ہونے پر قابو سے باہر نہیں ہوتا اور نہ ہونے پر پریشان نہیں ہوتا۔

۱۱۔ قلب منور اور روشن ہو جاتا ہے کہ جس کی بناء پر اسرار اور علوم و حکمتیں منکشف ہو جاتی ہیں کہ جن پر اور کوئی بغیر کوشش اور محنت کے نہیں مطلع ہو سکتا۔

۱۲۔ سینہ کشادہ ہو جاتا ہے دنیاوی مصیبتوں اور محنتوں اور انسانوں کے مکر و فریب سے کسی بھی حال میں تنگ نہیں ہوتا۔

۱۳۔ انسانوں کے دلوں میں اس کی ہیبت اور خوف طاری ہو جاتی ہے کہ جس کی بنا پر اخیار احترام کرتے ہیں اور ہر فرعون و سرکش ڈرتا ہے۔

۱۴۔ انسانوں کے دلوں میں محبت کا پیدا ہو جانا۔ یہ محبت خداوند تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے کہ جس کی بنا پر تمام قلوب اس کی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس کی عظمت و احترام پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۱۵۔ ہر ایک چیز میں برکات کا ظہور ہونا حتیٰ کہ اس کی گفتگو نفس اور فعل و لباس اور جگہ وغیرہ یہاں تک کہ اس کے چلنے کی جگہ اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اور اس کی صحبت اختیار کرنے والے میں بھی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔

۱۶۔ زمین کا اس کے لئے مسخر ہو جانا خواہ خشکی ہو یا تری۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے پانی پہ چلنے اور زمین کو ذرا دیر میں قطع کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ چوپائے درندے چرندے پرندوں میں محبت کا پیدا ہو جانا کہ جس کی بنا پر ان کے اندر انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۸۔ زمین کے خزانوں کی بادشاہت نصیب ہو جاتی ہے تو جس جگہ ہاتھ رکھے اسی جگہ خزانہ اگر پانی کی حاجت ہو تو پیر مار کر پانی کا چشمہ اور جہاں اترے وہیں۔ اگر قصد و ارادہ ہو کھانے کا دسترخوان موجود ہے۔

۱۹۔ رب العزت کے دربار میں قیادت اور سرداری نصیب ہو جاتی ہے۔ مخلوق کو ان حضرات کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ پکڑنا اور ان کی بلندی و برکت کی وجہ سے اپنی حاجتوں کو قبول فرمانا۔

۲۰۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی دعاؤں کا قبول ہونا کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جائے اس کا قبول ہونا، اور جس کے متعلق سفارش کرے اس کے لئے سفارش کا مقبول ہونا۔ اور اتنا مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر کسی چیز کے اللہ تعالیٰ پر قسم کھاتے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کو پورا فرما دے۔

حتیٰ کہ بعض حضرات کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر پہاڑ کی طرف اشارہ کریں تو اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور زبان سے سوال کرنے کی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جس چیز کا دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے وہ موجود ہو جاتی ہے اور ہاتھ سے

اشارہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ دنیاوی کرامتیں اور بزرگیاں ہیں۔ اور اخروی فضیلتیں وکرامتیں۔

۲۱۔ تو پہلی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاً اس پر سکرات کو آسان فرما دیتا ہے اور یہ چیز وہ ہے کہ جس کی وجہ سے انبیاء کرام بھی گھبرا گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر سکرات موت میں آسانی فرمائے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات کے لئے موت ایسی ہوتی ہے جیسا کہ پیاسے کے لئے ماء زلال کا پینا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ — جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ شرک سے پاک ہوتے ہیں۔

۲۲۔ معرفت اور ایمان پر ثابت قدمی بھی پورے خوف اور گھبراہٹ کا مقام ہے اور اسی پر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ — اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس کی پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ) کی برکت سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔

۲۳۔ روح ریحان بشریٰ رضوان اور امان کا حاصل ہو جانا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ — کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو۔ جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

آخرت میں آئندہ کے لئے کسی چیز کا خوف نہیں ہوتا اور دنیا میں چیزوں کے چھوڑنے پر غم اور افسوس نہیں ہوتا۔

۲۴۔ ہمیشہ کے لئے جنتوں اور اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں رہنا۔

۲۵۔ اس کی روح کو پوشیدگی کے ساتھ عظمت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے کہ

جس کی بنا پر آسمانوں و زمینوں کے فرشتوں میں انعام و الطاف و اکرام کے ساتھ نوازا جاتا ہے اور ظاہری طور پر اس کے بدن کی جنازہ کی شکل میں عظمت و بڑائی ہوتی ہے بایں طور کہ سب اس نماز کی طرف سبقت کرکے اور اس کی تجہیز و تکفین میں ثواب اور مغتنم سمجھ کر اور اجر عظیم کی امید رکھتے ہوئے شرکت کرتے ہیں۔

۲۶۔ قبر کے فتنوں سے حفاظت اور اس ہولناک مقام میں ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔

۲۷۔ قبر کا کشادہ اور منور ہو جانا کہ اس کی وجہ سے جنت کے باغیچوں میں قیامت تک سیر کرتا رہتا ہے۔

۲۸۔ اس کی روح اور نسیم کا مانوس و مکرم ہونا۔ بایں طور کہ بستر پر مُردوں کے پہلوؤں میں صالح اور نیکوکار بھائیوں کے ساتھ خوشی خوشی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بشارت و خوشخبری حاصل کرنے کے ساتھ سیر کرنا۔

۲۹۔ میدان حشر میں عزت اور جوڑے اور تاج و براق کے ساتھ اکرام و احترام ہونا۔

۳۰۔ چہرہ کا منور اور روشن ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اور الہ العالمین کا فرمان ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ

اور بہت سے چہرے اس روز ایمان کی وجہ سے روشن اور مسرت سے خنداں (شاداں ہوں گے)

۳۱۔ قیامت کے خطرناک واقعہ پر امان اور سکون حاصل ہونا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جائے وہ شخص جو

قیامت کے روز امن و امان کے ساتھ جنت
میں گئے۔

۳۲۔ داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال کا عطا ہونا اور بعض سرے سے اس سے بے فکری کر دیئے جائیں گے۔

۳۳۔ حساب میں سہولت اور آسانی ہونا بعض حضرات کا حساب وکتاب ہی نہ ہوگا۔

۳۴۔ میزان اعمال کا وزنی اور ثقیل ہو جانا اور بعض حضرات کی شان یہ ہوگی کہ ان کو وزن کے لئے کھڑا بھی نہیں ہونا پڑے گا۔

۳۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حوض کوثر پر حاضر ہونا۔ اور وہاں سے وہ پانی پینا کہ جس کے بعد کبھی پیاس بھی محسوس نہ ہوگی۔

۳۶۔ پل صراط پر چلنے کی اجازت ملنا اور دوزخ سے نجات و چھٹکارا حاصل ہو جانا۔ حتیٰ کہ بعض حضرات کی یہ شان ہوگی۔

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ — اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنے جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور ان کی وجہ سے نار دوزخ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔

۳۷۔ قیامت کے دن انبیاء کرام و رسولوں کے طرح شفاعت کا مقام حاصل ہونا۔

۳۸۔ جنت میں ہمیشہ کی بادشاہت۔

۳۹۔ رضوان اکبر نصیب ہونا۔

۴۰۔ رب العالمین الہ الاولین والآخرین جل جلالہ کا بغیر کیف کے دیدار نصیب ہونا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ ان اشیا کا شمار میں نے اپنی فہم اور اپنے ناقص علم کے ساتھ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اختصار اور اجمال سے کام لیا اور اصولوں کو بیان کیلئے اور بعض چیزوں کی کلام اللہ میں تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔

جیسا کہ میں نے جنت میں ہمیشہ کی بادشاہی کے ساتھ صرف ایک خلعت بیان کر دی۔ اگر اس کی تفصیل شروع کر دوں تو اسی کے ماتحت حور و قصور لباس وغیرہ سے

چالیس قسم کے انعاموں تک نوبت پہونچ جائے۔ غرض کہ ہر ایک قسم اس قدر تفاصیل کی متقاضی ہے جن کا عالم الغیب والشہادۃ کے علاوہ جو کہ ان انعامات کا مالک اور خالق ہے اور کوئی احاطہ وشمار نہیں کر سکتا۔

اور ان تمام اشیاء کے حاصل کرنے کی کوئی حاجت اور ضرورت ہی نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ — سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت نے جنت میں ایسی چیزیں بنا رکھی ہیں کہ

مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ — جو نہ تو کبھی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا ہوگا۔

اور مفسرین حضرات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي — میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے۔

کہ اس سے لطف و اکرام کے وہ کلمات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے جنت میں فرمائیں گے۔ لہٰذا اس جنت کی کیا حالت ہوگی۔ اور اس کے لاکھوں اجزا ہیں سے۔ ہم تو ایک جز اور حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہم تو مخلوق ہیں۔ مخلوق کا علم اس قدر وسیع نہیں ہے۔ بلکہ ہمتیں پست اور عقلیں حیران ہو گئیں۔ اور پھر جنت کا اس طرح ہونا ضروری ہے اس لئے کہ عزیز علیم کا اس کے فضل اور جود قدیم کے مناسب تحفہ اور عطیہ ہے ایسی عظیم الشان مقصد کے لئے اعمال کرنے والوں کو اور کوشش کرنے والوں کو اپنی سعی و کوشش کرنا چاہئے اور انسانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ جس ذات کے وہ محتاج ہیں اس کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لہٰذا اسی کو طلب کریں اور اسی کے لئے

سعی و کوشش کریں اور یہ چیز بھی سمجھنی ضروری ہے کہ بندہ کے لئے کلی طور پر چار چیزوں کی حاجت اور ضرورت ہے۔

علم اور عمل اخلاص اور خوف پہلے راستہ کو جاننا چاہئے۔ ورنہ وہ اس سے اندھا ہے اور پھر علم کے مطابق اس پر عمل کرے ورنہ بغیر علم کے عمل سے عاجز اور قاصر ہے اور پھر عمل میں اخلاص پیدا کرے۔ اس لئے کہ بغیر اخلاص کے خسارہ اور نقصان ہے اور اس کے بعد امان و حفاظت کے حاصل ہونے تک آفتوں سے برابر خوف اور خدشہ کرتا رہے۔ ورنہ غرور میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہے۔

اور ذوالنون رحمہ نے سچ فرمایا ہے۔ علماء کے علاوہ ساری مخلوق مردہ ہے اور علماء میں بھی عاملین کے علاوہ سب غفلت کی نیند سوئے ہیں۔ اور مخلصین کے علاوہ عمل کرنے والے سب دھوکہ اور خسارہ میں مبتلا ہیں اور مخلصین کو خطرات عظیمہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چار قسم کے انسانوں پر خصوصیت کے ساتھ تعجب اور افسوس ہے، ایک تو وہ عاقل اور سمجھ دار جو کہ علم نہ حاصل کرے کہ کیا وہ سامنے آنے والے واقعات کے جاننے کے متعلق اہتمام نہیں کر سکتا اور کیا وہ ان دلائل و عبرت کی چیزوں کو دیکھ کر موت کے بعد والی زندگی کے لئے تیاری نہیں کر سکتا۔ اور کیا ان آیتوں و وعیدوں کو نہیں سنتا اور ان آفتوں و خطرات کے لئے کمر بستہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا، آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور نیز دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

اور الہ العالمین کا ارشاد ہے۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ

کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

اور دوسرا شخص وہ عالم جو کہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے۔ کیا جن عظیم الشان واقعات اور آفتوں کا اس کو یقینی طور پر علم ہو گیا۔ اس کے متعلق غور و فکر نہیں کرتا۔ یہی تو وہ۔

هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ — وہی عظیم الشان چیز ہے کہ جس سے تم اعراض کرتے ہو۔

تیسرا وہ شخص کہ جس کی طاعت اور عمل میں اخلاص ہی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور نہیں کرتا۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا — سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اور چوتھا انسان وہ ہے جس میں خوف اور خشیت الٰہی کا مادہ نہیں تو وہ اللہ جل جلالہ کے ان معاملات کو پیش نظر نہیں رکھتا جو کہ اس کے خداموں کے ساتھ ہیں اور مخلوق کے سامنے یہ چیز واضح ہے۔ حتیٰ کہ اکرم الخلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرما دیا۔

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ — اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گذرے ان کی طرف بھی یہ بات وحی میں بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب کام غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا۔

اور اس قسم کی بہت سی آیات ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس کے اخوات نے بوڑھا کر دیا۔

خلاصۂ کلام اور تفصیل اللہ رب العزت کی ان چار آیتوں میں مذکور ہے

جو اس نے قرآن مجید میں ذکر کی ہیں۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا
وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم
کو یوں ہی مہمل و خالی از حکمت پیدا کر دیا ہے اور
یہ خیال کیا تھا کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے
جاؤ گے۔

اور اس کے بعد ارشاد فرمایا

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ
لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ
خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت
کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے
ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کو ہمارے
اعمال کی سب خبر ہے۔

اور پھر جل جلالہ کا فرمان ہے

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں مشقتیں برداشت
کی ہیں ہم ان کو اپنے قرب یعنی جنت کے
(راستے) ضرور دکھا دیں گے۔

اس کے بعد تمام چیزوں کو خلاصۃ ذکر فرما دیا۔ بیشک وہی ذات اصدق القائلین ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ
إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔

جو بھی کوشش کرتا ہے اپنی ہی جان کیلئے
کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم سے بے پرواہ ہے۔

آخر میں ہم اللہ العالمین سے ہر اس چیز سے استغفار کرتے ہیں جس میں قدم لغزش کھا جائیں اور
قلم حد سے تجاوز کر جائے اور پھر اپنی ان لسانیوں سے استغفار کرتے ہیں۔ جو کہ ہمارے اعمال
کے مطابق نہیں اور اللہ تم کے دین میں اپنی خامی کوتاہیوں کے ساتھ جن چیزوں کا دعویٰ اور
اظہار کیا اس سے بھی استغفار کرتے ہیں اور تمام ان خطرات سے جو کہ ہماری کتاب کی
کتابت اور ہمارے کلام کے تسلسل اور علم کے بیان کرنے میں زیادہ وزینت کا سبب
بنے ہیں معافی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں علم

کے مطابق عمل اور ذات الٰہی کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

اور علم کو ہمارے لئے مصیبت اور آفت نہ بنائے۔ اور جس کو اسکے دربار میں اعمال پیش ہوں وہ ان کو نیکو کاروں کی میزان میں رکھنے کا شرف عطا فرمائے۔ بیشک وہ ذات جواد کریم ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ ہم نے آخرت کے راستے پر چلنے کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو الحمدللہ ہم اپنے مقصود میں کامیاب ہو گئے اور تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں کہ جس کے انعام کی وجہ سے نیکیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں اور اس کے فضل و کرم سے برکات کا ظہور ہوتا ہے

اور خیر مولود حضرت محمد مصطفیٰ فداہ ابی و امی پر جنہوں نے بہترین معبود حقیقی کی طرف دعوت دی ہر حین و آن میں لاکھوں سلام درود اور رحمتیں نازل ہوں۔ انتہیٰ۔